بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

باب في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

باب ولاية الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجدِ ضرار کا بیان)

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور منارہ کا بیان)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

الفصل الثامن في انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کو کرایہ پر دینا)

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

باب اداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

الفصل الرابع في زخرفة المساجد و الكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

باب المتفرقات

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها
(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه
(مدرسہ کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

الفصل الثالث في وظائف المدرسين
(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات
(مدارس کے سفراء اور چندہ کے احکام)

باب المتفرقات

کتاب الشركة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارہ فاسدہ کا بیان)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

باب الاستئجار على الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

باب الاستئجار على المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

كتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

كتاب الغصب

(غصب کا بیان)

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیع صحیح کا بیان)

باب البيع الباطل والفاسد والمكروه

الفصل الأول في البيع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیع فاسد کا بیان)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

فصل في سلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

باب المتفرقات

باب بيع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

باب مايتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

فصل في بيع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

باب الربوا

(سود کا بیان)

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

☆......☆......☆......☆......☆

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

وقف کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۲۷]: ۱..... شرعاً فقہ کی رو سے وقف کی کیا تعریف ہے؟

۲..... کیا مقابر و مدارس وقف کی تعریف میں شامل ہیں، جب کہ نہ مقابر منذور علی اللہ نہیں ہیں، بلکہ منذور لغیر اللہ جو حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔ نہ یہ مدارس، نہ منذور علی اللہ ہیں نہ منذور لغیر اللہ، بلکہ مدارس اپنے تعلیمی مفاد کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... الوقف هو لغة: الحبس، وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده. وعندهما هو: حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً، فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوى اهـ. درمختار مع حاشیہ الشامی نعمانیہ، ص: ۳۰۷، ۳۰۸/۳(۱)۔

۲..... اگر کوئی شخص اپنی زمین اس لئے وقف کرتا ہے کہ مردے دفن کئے جائیں، یا وہاں مدرسہ بنا کر

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

دینی تعلیم دی جائے، تو یہ وقف شرعاً صحیح ومعتبر ہوگا(۱)۔ بغیر نذر کے بھی وقف صحیح ہے، نذر پر موقوف نہیں، لہٰذا یہاں یہ بحث بے محل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۱۱/ ۹۱ھ۔

وقف کی نیت سے خریدنے سے وہ ملکیت وقف نہیں ہوجاتی

سوال [۱۰۷۲۸]: دو آدمیوں نے مل کر ایک زمین وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے کنواں کھودنے کی غرض سے خریدی تھی اور کنواں کھودنے کے بعد پانی نکلا مگر خراب ہونے کی وجہ سے پینے کے استعمال میں نہیں آسکا، دوسری چیزوں کے استعمال میں آتا ہے اور مدت طویل تک یہ کنواں پڑا رہا، کسی نے استعمال میں نہیں لیا۔

ان دونوں میں ایک نے ذہن میں آکر اس کنویں کو بھر دیا اور کرایہ پر دینے کے واسطے اپنا ذاتی مکان اس کنویں پر بنالیا اور اس جگہ پر دو دم نیچے کے حصہ میں اور دو دم اوپر کے حصہ میں بنائے اور اس مکان کو اپنے نام سے موسوم کیا کہ فلاں منزل۔ دوسرا آدمی جو سفر میں تھا، اس کو مذکورہ حقیقت سے خبر دی گئی کہ جو زمین آپ دونوں نے مل کر وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے خریدی تھی اور کنواں بنایا تھا، اس جگہ پر آپ کے ساتھی نے تعمیر کرائی ہے، اور اپنا نام لکھوایا ہے، تو اس سفری نے گاؤں کی جماعت کو جواب دیا کہ ہم دونوں نے مل کر اس زمین کو عوام کے فائدہ کے لئے وقف کے لئے خریدی تھی۔

میرے ساتھی نے مجھ سے میرے حصہ کی زمین طلب کی تھی، مگر میں نے صاف انکار کردیا تھا کہ میں نے جو نیت وقف کی ہے اس پر میں اٹل ہوں، یعنی میں اپنے ارادہ کو بدل نہیں سکتا، جس نے مکان تعمیر کرایا ہے وہ

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالى: إذا جعل أرضه مقبرة للمسلمين جاز، وليس له أن يرجع فيها بعد تمامها أن يقبر فيها إنسان واحد أو أكثر من ذلك . . . عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه أجاز وقف المقبرة والطريق" (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/ ۱۳۲، ۱۳۳، حقانيه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/ ۴۶۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

فی الحال وطن میں ہے، اس کو یہ خط سنایا گیا تو کہتا ہے کہ مجھ کو اپنے حصہ کی زمین وقف نہیں کرنی اور کہتا ہے کہ میری اور اس کی بات ہوگئی ہے، مولانا کے خط سے اس سفری کی ناراضگی معلوم ہوتی ہے، تو کیا جب دو آدمی وقف کی نیت سے زمین خریدیں اور کنواں بھی بنوائیں مگر استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرا لے اپنے دوسرے سفری کی اجازت کے بغیر کہ اس کا بھی حصہ زمین میں ہے، پہلے وقف کی نیت کرے اور بعد میں بدل دے تو اس طریقے سے تعمیر کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ حق اور ناحق کیا ہے؟ اور جھگڑے کے دفع کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وقف کی نیت سے خریدنے سے تو زمین وقف نہیں ہوتی (۱)، ایک شریک یا دونوں شریک نیت تبدیل کر کے ذاتی مکان بنوالیں تو شرعاً گنجائش ہے (۲)، لیکن اگر خرید کر وقف کر دی اور کنواں بنوا کر زبانی کہہ دیا ہو یا تحریر لکھوری ہو کہ زمین ہم نے وقف کر دی ہے تو پھر اس کو ذاتی ملک تجویز کرنا اور ذاتی مکان بنانا درست نہیں، اس مکان کو بھی وقف ہی قرار دیا جائے گا (۳)۔ یا وہ زمین وقف رہے اور مکان ذاتی ملک رہے اور اس

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد)

"وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۰۵، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيدية)

"والملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) "والملك يزول عن الموقوف بأربعة: بإفراز مسجد، وبقضاء القاضي، أو بالموت إذا علق، أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لا تنقطع —

زمین کا کرایہ مناسب تجویز کردیا جائے اور کرایہ مصارف وقف میں خرچ کیا جائے (۱)۔ جب اصل شریک خریدار زندہ ہے، اگرچہ سفر میں دور ہے اس کی رائے معتبر ہوگی، اگر اس کو موجودہ مکان بنانے والے کا یہ تصرف پسند نہیں ہے اور وہ اس کو وقف کرنا چاہتا ہے تو وہ اس شریک کو بھی باخبر کردے اور کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنادے کہ وہ اس تصرف کرنے والے سے معاملہ اس طرح طے کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۱/۱۱/۹۲ھ۔

محض نیت سے وقف نہیں ہوتا

سوال[۱۰۷۹۱]: ایک زمین میں نے دوسو روپے میں خریدی اور دل میں یہ طے کرلیا کہ آدھی زمین شہریوں کی ایک مسجد میں وقف کردوں گا، جو مقام زمین سے کم وبیش بائیس میل کے فاصلہ پر ہے اور نصف زمین مقامی تین مساجد میں وقف کردوں گا، برابر کے طور پر ابھی وقف نامہ میں نے تحریر نہیں کیا ہے، اب سوچتا ہوں کہ نصف زمین کو مقامی تین مساجد میں برابر حصہ زمین کا دینا کسی مصرف کا نظر نہیں آتا کہ اتنے حصہ زمین کو ہر مسجد والے کسی کام میں نہیں لاسکتے اور تینوں مسجدوں میں بالکل کم رقبہ کی زمین منفعت بخش نہیں ہوسکتی، تو کیا دل میں طے کردہ بات تبدیل نہیں کی جاسکتی اور کیا کسی دوسرے نیک کام میں وقف نہیں کی جاسکتی؟

= "فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "(قوله: فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة وعندهما بمجرد القول" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۳/۴-۳۵۱، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۵۷۹/۲-۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶-۲۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها ... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شخص مذکور نے دل میں سوچا تھا کہ زمین فلاں فلاں جگہ اس نیت سے وقف کردوں گا، پھر غور کرنے سے مصلحت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو پہلے سوچے ہوئے کو بدلنے کی بھی اجازت ہے(۱)، جہاں زیادہ وقف کرنا مناسب ہو، وہاں زیادہ وقف کرسکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

لفظ "ہبہ" سے وقف کا حکم

سوال [۱۰۷۰۱]: لفظ "ہبہ" سے وقف صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

البحر الرائق: ۵/۱۹۰ میں وہ الفاظ جمع کئے ہیں جن سے وقف صحیح ہوجاتا ہے، وہ چھبیس الفاظ ہیں، ان میں لفظ ہبہ نہیں (۳)۔ ہبہ میں اپنی ملک کو ختم کرنا اور موہوب لہ کی ملک میں شیٔ موہوب کو داخل کرنا ہوتا

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ ...". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، سعيد)

"وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً" الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) چونکہ ابھی تک یہ زمین اصل مالک ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۳) "وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً: الأول: أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ... السابع والعشرون: ذكر قاضي خان من كتاب الوصايا رجل قال: ثلث مالي وقف ... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۷-۳۱۹، رشيديه)

"قوله: (وركنه الألفاظ الخاصة) وهي ستة وعشرون لفظاً على ما بسطه في البحر، ومنها ما في -

ہے(۱)، وقف میں یہ بات نہیں ہوتی۔ پس لفظ ہبہ سے وقف صحیح نہیں ہوگا(۲)۔ لیکن اگر اس لفظ سے وقف کرنا رائج ہوجائے تو پھر عرف ورواج کی وجہ سے ایسا وقف بھی صحیح ومعتبر ہوجائے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

اثاث البیت کا وقف

سوال[۱۰۳۷۱]: زید، عمرو، خالد، بکر چار بھائی تھے، ان کی تجارت میں بٹوارہ ہوا، جس میں ان

= الفتح حیث قال: فرع یثبت الوقف بالضرورة، وصورته أن یوصي بغلة ... الخ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۳۰، سعید)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۰۲، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۱) "الهبة شرعاً تملیک العین مجاناً ... وحکمها ثبوت الملک للموهوب له غیر لازم". (الدر المختار، کتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشیدیة)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الأول في تفسیر الهبة ... الخ: ۴/۳۷۴، رشیدیة)

(۲) "هو -الوقف- حبس العین علی ملک الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده ... وعندهما هو حبسها علی حکم ملک الله تعالی، وصرف منفعتها علی من أحب". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعید)

(وکذا في فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف: ۳/۲۸۵، رشیدیة)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۶۷، ۵۶۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) "قلت: وتدل عبارة البزازیة والخانیة ومسألة القباب علی اعتبار العرف الحادث

والعرف في الشرع له اعتبار ... لذا علیه الحکم قد یدار

(رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۶۸، سعید)

"الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعي، وفي المبسوط: الثابت بالعرف کالثابت بالنص". (مجموعة رسائل ابن عابدین، نشر العرف في بناء بعض الأحکام علی العرف: ۲/۱۱۵، مکتبه عثمانیه کوئٹه)

"ولو قال: أرضي هذه للسبیل، فإن کان في بلدة تعارفوا مثل هذا وقفاً، صارت الأرض وقفاً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۲/۳۵۹، رشیدیة)

لڑکوں کی مال منقولہ اور غیر منقولہ ہاتھ آیا، زید اور عمرو کا کام کچھ دنوں میں ہوتا رہا، آخر کار زید نے اپنی تمام چیزوں کو وقف کر دیا، حتیٰ کہ اثاث البیت کو بھی وقف کر دیا، مگر تفصیل کے ساتھ، یعنی ایک چیز کا نام نہیں لیا، کچھ دنوں کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، زندگی کے آخری ایام بھائیوں میں گزرے، مگر وقف کی کنجی اس کے متولی کے پاس رہی، آیا اس صورت میں اثاث البیت کا وقف صحیح شمار کیا جائے گا، یا وراثت بن کر ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اثاث البیت کا (جس کے وقف کرنے کا تعامل ہے) بھی وقف ہو جاتا ہے، وہ ترکہ ہو کر ورثہ پر تقسیم نہیں ہوگا۔

"وصح وقف العقار ببقره وأكرته صح، كمشاع قضى بجوازه ومنقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم ودراهم ودنانير وقدر وجنازة وثيابها ومصحف وكتب الخ" (در مختار: ۲/ ۳۷۵)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

وقف کی وصیت کرنا

سوال [۱۰۰۲۲]: اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ مرنے کے بعد کسی جائیداد غیر منقولہ کو وقف کیا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۶۱، ۳۶۳، سعید)

"وصح وقف العقار ببقره وأكرته ... ومنقول فيه تعامل، أي: وصح وقف المنقول مقصوداً إذا تعامل الناس وقفه". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۳۳-۳۳۴، رشیدیه)

"أن ما جرى العرف بين الناس بالوقف فيه من المنقولات يجوز باعتبار العرف، وذلك كثياب الجنازة، وما يحتاج إليه من القدور والأواني في غسل الميت، والمصاحف، والكراع، والسلاح للجهاد؛ لقوله عليه السلام: "ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن"". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۱۲/ ۴۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوقف، فصل فيما يرجع إلى الموقوف: ۸/ ۳۹۸-۴۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

وقف کا نفع ہو اس میں عموماً فتویٰ کے لئے اس صورت کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں مذکور ہے(۱)۔

"المشاع فيما لا يحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلا خلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز، وإن كان مشاعاً كذا في الظهيرية، ووقف المشاع المحتمل للقسمة لايجوز عند محمد رحمه الله تعالى، وبه أخذ مشايخ بخارى وعليه الفتوى، كذا في السراجية، والمتأخرون أفتوا بقول أبي يوسف أنه يجوز، وهو المختار، كذا في خزانة المفتين كذا في الهندية"(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۹۵ھ۔

= عقود رسم المفتي، ص: ۸۴، دار الكتاب كراچی)

"هو الوقف حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب، وعليه الفتوى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷، ۳۳۸، سعيد)

"وسع أبو يوسف في القضاء والوقف، والفتوى على قوله فيما يتعلق بهما". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الرابعة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "الثامن: ما إذا كان أحدهما أنفع للوقف، لما صرحوا به في الحاوي القدسي وغيره: من أنه يفتى بما هو الأنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في قواعد الترجيح، ص: ۵۹، دار الكتاب كراچی)

"ويفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه، وكذا يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف فيه العلماء، حتى نقضوا الإجارة عند الزيادة الفاحشة نظراً للوقف، وصيانة لحق الله تعالى". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۲۱، سعيد)

"ويجب الإفتاء والقضاء بكل ما هو أنفع للوقف" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۸، حقانيه پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الإجارة: ۴/۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۵، رشيديه)

جائیداد غیر منقولہ کی آمدنی کو وقف کرنا

سوال [۱۱۰۳۴]: کیا وقف اس طرح سے کیا جاسکتا ہے کہ جائیداد غیر منقولہ کو وقف نہ کرے صرف اس کی آمدنی کو وقف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا حاصل یہ ہے کہ اصل شئ محبوس اور برقرار رکھتے ہوئے کہ اس میں بیع وغیرہ کا تصرف نہ ہوسکے، اس کی آمدنی ومنفعت کو فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے۔

"هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة". در مختار:

۳۵۷/۴ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

ـ "(وصح عند أبي يوسف وقف المشاع) وقت القضي محتملاً للقسمة، وإليه ذهب هلال، ومشايخ بلخ، وصنيع المصنف يرجحه على عادته في تقديم الأقوى. والمختار للفتوى، وهو اختيار صدر الشريعة ذكره القهستاني، (ولم يصح عند محمد) المشاع ... ولم يحتمل القسمة أصلاً كحمام صح وقفه اتفاقاً". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۵۵/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"اعلم أن الشيوع فيما لا يحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلا خلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز وإن كان مشاعاً، وأما الشيوع فيما يحتمل القسمة هل يمنع صحة الوقف؟ ففيه خلاف، على قول محمد يمنع، وعلى قول أبي يوسف لا يمنع". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۲۳، قديمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۳۳/۴، ۳۳۸، سعيد)

"وهو في الشرع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى: حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة ... وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالى، فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

وقف کر کے رجوع کرنا

سوال [۱۰۵۳۰]: ایک شخص نے اپنا مکان ایک دینی ادارے کے نام زبانی طور پر وقف کیا، مگر کوئی تحریری کارروائی عدالت میں اب تک نہیں ہوئی، بصورت مذکورہ میں زبانی وقف کو واپس لینا واقف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کے لئے تحریر ضروری نہیں، زبانی بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے، اگر اس شخص نے مکان اپنی ملک سے نکال کر دینی ادارہ کو دے دیا، یا قبضہ کرا کر متولی کے حوالہ کر دیا تو شرعاً وقف صحیح اور لازم ہو گیا، اب اس سے رجوع کرنے و مکان کو واپس لینے کا حق نہیں رہا، وہ مکان مملوک نہیں ہو سکتا۔

"وشرطه: شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف، وأن يكون قربة في ذاته معلوماً منجزاً ... عن الموقوف ... بإفراز مسجد ووقفه ... وقوله: وقفتها في حياتي وبعد وفاتي، ولا يتم الوقف حتى يقبض ويسلم إلى المتولي ... لأن التسليم في كل شيء بما يليق به، ففي المسجد بالإفراز، وفي غيره بنصب المتولي وبتسليمه إياه. فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن اهـ". درمختار (۱)۔

"اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول ... قوله: فإذا تم ولزم، ولزومه على قول الإمام ... لا على الأئمة الثلاثة ... وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد: لا يتم إلا بالقبض والإفراز والتأبيد لفظاً، وعند أبي يوسف بالتأبيد فقط

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۴۸، سعيد)

"(وإذا صح الوقف) أي لزم، وهذا يؤيد ما قدمناه ... على حسب الاختلاف في سبب اللزوم (فلا يملك) أي لا يكون الوقف مملوكاً لأحد (ولا يملّك) أي لا يقبل التمليك لغيره بوجه من الوجوه" (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۱/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ولو معنی کما علیہ مدار . قولہ لا یملک أي: لا یکون مملوکاً لصاحبہ ولا یملک أي: لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ لا یعار ولا یرھن لاقتضائھما الملک" اھ شامي سعید: ۳۹۷/۳(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/ ۸۸ھ۔

باغ کو وقف کر کے اس کی زمین سے خود نفع اٹھانا

سوال[۱۰۷۳۶]: ایک شخص نے اپنا قلمی باغ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ کو ہبہ کر دیا ہے اور اس کا متولی خود ہے، اس میں اس کو اپنے مردے دفن کرنا یا اس کی ڈالی کھانا یا اس کی لکڑی کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس باغ کو دوسرے باغ میں شامل کر کے فروخت کر کے خود قیمت ہضم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس زمین اور باغ کو اپنی ملک سے خارج کر دیا اور مسجد یا مدرسہ کے لئے شرعی قاعدے کے موافق وقف کر دیا تو اب اس زمین میں اپنے مردے کو دفن کرنا یا باغ کی لکڑی اپنے کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اگرچہ وہ خود ہی متولی ہو(۲)۔ فقط۔

وقف زمین پر غاصبانہ قبضہ

سوال[۱۰۷۳۷]: مدرسین میں سے ایک کے والد اور بڑے بھائی نے جو اس وقت انتقال کر چکے ہیں، کچھ زمین مدرسے کے نام وقف کر رکھی تھی، بیس سال سے اس زمین کی آمدنی مدرسہ میں آتی رہی، اب اس

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"ویزول ملکہ بمجرد القول عند أبي یوسف، وعند محمد، لا مالم یسلمہ إلی ولي، وبقول أبي یوسف یفتی للعرف". (الدر المنتقی في شرح الملتقی علی ھامش مجمع الأنھر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۷۰، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الأول في تعریفہ ورکنہ الخ: ۲/ ۳۵۰، رشیدیہ)

(۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "وقف کرنے کا مسئلہ"۔

مدعی نے جس کے والد نے زمین مدرسہ میں دی تھی، مدرسہ سے علیحدہ کرنے کی بنا پر اس زمین کی آمدنی اور زمین بھی غصب کرلی ہے، آیا ان کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشبہ یہ غصب ہے اور سخت گناہ ہے(۱)، اس زمین کو واگذار کرنے کی پوری کوشش کی جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱/ ۹۷ھ۔

وقف سے مالکانہ قبضہ ہٹانے کی کوشش کرنا

سوال [۱۰۲۳۸]: (۱) یہاں قصبہ کاندھلہ میں اب سے تقریباً ۴۶ سال قبل ایک بڑے رئیس نے اپنی صحرائی جائیداد دیہی کے مقامی مدرسہ نصرت الاسلام کے لئے پانچ بزرگوں کی تولیت میں مجھ سو روپے کے سٹام پر وقف کردی تھی، جو متولی مقرر کئے گئے تھے ان میں دو کا انتقال ہوچکا ہے، ایک جوان معاملات سے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لايأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: "لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

(المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۱، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶، ۱۷۹، سعيد)

(۲) "قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف أي: قيّم الوقف الوقف فهو غاصب ويخرج من يده".

(المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون: ۷/۱۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لو أنكر المتولي الوقف، وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۴۳، رشيديه)

زیادہ واقفیت رکھتے تھے، پاکستان چلے گئے اور ایک سرپرست انتہائی ضعیف ہوگئے، ایک متولی جو ان کے منتظم تھے، انہوں نے حکام کو کچھ رشوتیں دے کر ایک جعلی وصیت نامہ کی بناء پر اپنے بیٹے اور داماد کے حق میں داخل خارج کا حکم حاصل کرلیا، وقف نامہ منسلک ہے، عرض یہ ہے کہ اس موقوفہ باغ کا پھل نیلام ہونے کے بعد کہ یہ باغ وقف ہے اور متولی موجود، اس کو بحیثیت متولی فروخت نہیں کررہا ہے، بلکہ مالک کی حیثیت سے فروخت کررہا ہے اور اس کا قبضہ غاصبانہ اس پر ہے، تو اس کا پھل کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

ایک عالم صاحب اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتاتے ہیں اور ایک صاحب جن کے سامنے وقف ہوا اور ان کو اس کا پورا پورا علم ہے، وہ اس کا پھل خرید کر کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے جائز ہے۔

۲۔ جو لوگ اختیار سے اگر اہل قصبہ کوشش کریں تو وقف مذکورہ متولی کے ناجائز قبضہ سے نکل سکتا ہے، تو کیا اہل قصبہ کو اس میں کوشش کرنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ جو عالم اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتاتے ہیں وہ مطابق شرع ناجائز بتلاتے ہیں اور مال مغصوب کا حکم بھی یہی ہے(۱) اور جو عالم جائز بتلاتے ہیں وہ اپنے لئے جواز بتلاتے ہیں، غالباً مطلقاً جائز وہ بھی نہیں بتلاتے، تو ان کو خصوصیت حاصل ہوگی، جس سے نفس مسئلہ پر اثر نہیں پڑے گا، خصوصیت کیا ہے، جب تک وہ

---

(۱) "رجل اشتری بالدراهم المغصوبة طعاماً ... إن صاحب الشراء إلی الدراهم المغصوبة ونقد الثمن منها يكره له أن يأكل ... رجل دخل علی سلطان فقدم إليه شيء من المأكولات قالوا: إن هذا الرجل إن كان يعلم أنه غصب بعينه، فإنه لا يحل له أن يأكل من ذلك" (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، مايكره أكله ومالايكره: ۳/۴۰۲، رشيديه)

"وعلی الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائماً لقوله عليه السلام: "علی اليد ما أخذت حتی ترد"، وقال عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده عليه"." (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وبخلاف منافع الغصب استوفاها أو عطلها فإنها لاتضمن عندنا ... إلا في ثلاث أن يكون المغصوب وقفاً للسكنی أو للاستغلال أو مال يتيم" (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

سامنے آتا ہے تو اس کے متعلق کیا تحریر کیا جائے، ناجائز ہونا خود ہی واضح ہے۔

۲... ضرور کرنی چاہیے، سخت معصیت، وقف کا غاصب ملزم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۹۱ھ۔

کیا موقوفہ زمین پھر مملوک بن سکتی ہے؟

سوال [۱۱۰۶۹]: مولوی عبدالوحید چار بھائی تھے، دو بڑے بھائی رحمت اللہ و عبدالحفیظ کا انتقال ہوگیا اور والد کا انتقال ۸/ جنوری ۱۹۲۷ء کو ہوا، محلہ کے قریب عام قبرستان سے ملحق ایک پرانی اراضی تھی، اس میں اول والدہ کے بعد والد کو دفن کیا گیا، ہم دونوں بھائیوں نے مشورہ کرکے زمین کو اس پرانی اراضی کی قیمت مبلغ دو سو روپے ادا کرکے خرید لیا، اس خیال سے کہ کچھ حصہ میں مدفون ہیں، اس کو ذاتی قبرستان بنا لیا جائے، چنانچہ بڑے بھائی عبدالحفیظ کے نام سے ۱۹۲۸ء میں نقشہ پاس کرا کر بموجب نقشہ مسجد تعمیر ہوئی اور اس سے ملحق مسجد کی دو کوٹھری تعمیر ہوئی اور ذاتی قبرستان و مسجد کے احاطہ کی ایک ہی باؤنڈری بنا دی گئی، مسجد میں باقاعدہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ذاتی قبرستان میں سائل کے والدین کے علاوہ بھائی اور خاندان کے دیگر لوگ مدفون ہیں، مسجد و ذاتی قبرستان دونوں الگ الگ ہیں، باؤنڈری صرف ایک ہے، ذاتی قبرستان و مسجد کی زمین کی قیمت مبلغ دو سو روپے ادا کر دی گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ مسجد وغیرہ تعمیر ہونے کے قبل اس وقت جو عام قبرستان کے نگراں تکیہ دار تھے

---

(۱) "أنكر متولي الوقف، وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده، لصيرورته خائناً بالإنكار" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، فصل في أحكام النظار: ۱/۲۰۳، حقانيه پشاور)

"قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف، أي قيم الوقف الوقف فهو غاصب، ويخرج من يده، فإن نقص منه بعد الجحود فهو ضامن" (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوى والخصومات: ۷/۲۱۰، حقانيه كوئته)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى رجل وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، ويخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۲/۴۴۳، رشيديه)

نادر شاہ، جواہر شاہ ان سے ایک مسجد وذاتی قبرستان بنانے کو کہا گیا، تو انہوں نے اس کی تعمیر کی اجازت بخوشی دے دی، اس کے بعد مسجد وغیرہ تعمیر کی گئی، عرصہ ہوا نادر شاہ، جواہر شاہ کا انتقال بھی ہوگیا، اب ان کے ورثاء بغیر کسی وضاحت کی وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ مسجد ومسجد کا حجرہ واس کی باؤنڈری مع ذاتی قبرستان کے سب ہماری ملکیت ہے، چونکہ اراضی کے کاغذات پٹواری میں ہمارے نام سے درج ہیں، ہم اس کے حصہ دار بحیثیت موروثی مالک ہیں۔ مسجد وغیرہ سب غصب کی زمین پر ہے۔ معاملہ کورٹ میں ہے، اب آپس میں طے ہوا کہ از روئے شریعت فیصلہ ہو، اس پر عمل کریں۔

جواب طلب یہ امر ہے کہ مسجد ومسجد کی تعمیر احاطہ وغیرہ ذاتی قبرستان سب غصب کی زمین پر ہیں، مسجد ور کو زمین کی قیمت ادا کی گئی وہ بیع صحیح اور کافی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مذکورہ زمین مالک سے خریدی اور بیع تام ہوکر اس پر مسجد بنائی اور کچھ زمین کو ذاتی قبرستان (غیر موقوفہ) بنایا تو بلاشبہ وہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اس میں جو نماز جمعہ وغیرہ ہوتی رہی ہے سب درست ہے(۱)، جو کاغذات کا اندراج پٹواری کے یہاں رہ گیا تھا، اس کی درستگی وعدم درستگی کو اس بیع میں کوئی دخل نہیں(۲)، بیشک اراضی بیچی اور معاوضہ حق ملت (

---

(۱) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً عند الثاني، وشرط محمد والإمام الصلاة فيه" (الدر المختار) "حتى إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً" (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد لا يباع، ولا يوهب، ولا يورث، أو فتح الباب، وأذن لهم، وأقيم، وأذن للناس بالدخول فيه عامة فيصير مسجداً إذا صلى جماعة فيه، وفي رواية عن أبي حنيفة: إذا صلى واحد فيه وحده يصير مسجداً" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۴۵۵/۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۶/۵، رشيدية)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الأملاك: ۳۲۲/۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيدية)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (رد المحتار، كتاب البيوع، =

حق دار تھا، اگر اس سے کوئی معاملہ کیا گیا تھا، ورنہ اس کے ذمہ حفاظت لازم نہیں تھی نہ وہ مستحق معاوضہ تھا (۱)،
اب اس کے ورثاء کا کوئی دعویٰ قابلِ سماعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زیادہ آمدنی کے واسطے وقف زمین پر کھیتی لگانا

سوال [۱۰۷۴۰]: ۱۔ زید نے ایک اراضی ایک مسجد کے مصارف کے لئے وقف کی اس مصارف کی تفصیل اس طرح کی کہ اس کی آمدنی امام کی تنخواہ، فرش، جھاڑو، مرمت مسجد وغیرہ پر صرف کی جائے، کچھ عرصہ بعد اس پر دیسی آم کا باغ لگا دیا گیا، چونکہ وقت کافی گزر گیا ہے اور درخت پرانے ہوگئے ہیں، جس پر فصل بہت کم آتی ہے، جس کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، تو کیا ان درختوں کو کاٹ کر اس پر کاشت کر کے مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی فاضل آمدنی سے مکتب قائم کرنا

سوال [۱۰۷۴۱]: ۲۔۔۔ شجر زنی کے بعد مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شجر زنی کی خریداری کے بعد مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا تو کیا اس رقم سے ایک مکتب جاری کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تاکہ مسجد کی حفاظت ہوتی رہے، اگر مکتب جاری نہ کیا گیا تو فاضل رقم کے مصارف کیا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۔۔۔۔ واقف نے اراضی وقف کی تھی، متولی خیر خواہ نے اس پر آم لگا دیئے تاکہ آمدنی زیادہ ہو جائے،

= مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۱) "وأما ركنها فالإيجاب والقبول بالألفاظ الموضوعة في عقد الإجارة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة... الخ: ۴/۴۰۹، رشيدية)

"ولا يستحق المشترك الأجر حتى يعمل كالقصار ونحوه". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۳، سعيد)

"تنعقد الإجارة بالإيجاب والقبول كالبيع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثاني، الفصل الأول في مسائل ركن الإجارة: ۲/۴۹۸، رقم المادة: ۴۳۳، رشيدية)

نگرانی وحفاظت نہ ہوسکے، تو امام ومؤذن ہی ایسے رکھے جائیں، جو تعلیمی خدمات بھی انجام دیں اور ان کے وظیفہ ومشاہرہ میں اضافہ کردیا جائے (۱)۔ آمدنی پھر بھی زیادہ رہے کہ مسجد کو اس کی نہ اب ضرورت ہے نہ آئندہ متوقع ہے، نہ آمدنی کی حفاظت ہوسکتی ہے تو پھر دوسری ضرورت مند مسجد میں بمشورہ صرف کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مخنث کا خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ مسجد کے لئے مکان وقف کرنا

سوال [۱۰۶۳۲]: ا... زید کا پیشہ ناچ گانا ہے، بعد میں مخنث بھی ہوگیا، اسی آمدنی کا اس کا ایک

= لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "أي الصرف المذکور". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۴، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف: ۶/۲۶۱، رشیدیه)

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۷، ۳۶۹، سعید)

"والذي یبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة، کالإمام للمسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۲، رشیدیه)

(وکذا في الدر المنتقی في شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر إلیه". (الدرالمختار). "وفي شرح الملتقی: لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعید)

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله لا من مال الوقف فإنه حرام. وضمن متولیه لو فعل، إلا إذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خیف) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۹۶، مکتبه غفاریه کوئٹه)

مکان ہے جو مسجد میں وقف کرنا چاہتا ہے، از روئے شریعت یہ مکان مسجد میں وقف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا دوسرا شخص خرید کر مسجد میں وقف کر سکتا ہے؟

۳..... مسجد کی آمدنی سے خرید کر وقف ہو سکتا ہے؟

الجواب باسمه تعالى حامداً ومصلياً:

اللہ پاک طیب ہے، وہ طیب ہی کو قبول کرتا ہے، حرام مال اس کی بارگاہ میں قبول نہیں، نہ خریدنے کی صورت میں نہ وقف کی صورت میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۵ھ۔

مساجد، مدارس اور قربانی وغیرہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کرنا

سوال[۱۱۰۴۳]: واقف نے جائیداد وقف کر کے وقف نامہ میں منشاء وقف اس طرح سے رکھا کہ میری جائیداد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راہِ خدا میں وقف ہے اور کسی قرضہ وڈگری میں فروخت اور نیلام نہ ہو سکے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب: ۱/۱۸۹، قديمي)

"قال ابن هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم فتناول من الكعبة حجراً، فوثب من يده حتى رجع إلى موضعه، فقال: يا معشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله تعالى طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۲۷۹، دار المعرفة بيروت)

کی اوراس کی آمدنی سے امورِ خیر جاری رہیں گے اور واقف کی اوراس کے بزرگوں کی روح کو ثواب ملتا رہے گا۔

تفصیل امورِ خیر۔

۱- امدادِ ذوی القربیٰ غیر مستطیع میں، پچاس روپے سالانہ۔

۲- بموقع عید الاضحیٰ قربانی برائے حضورِ اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وواقف وزوجہ واقف ووالد واقف ووالدۂ واقف، پچاس روپے سالانہ۔

۳- ضروریات مساجد میں صف، لکڑی وغیرہ میں، پچاس روپے سالانہ۔

۴- برخورداری فلاں جس کو واقف نے مثل اولاد کے پرورش کیا ہے، بیتالیس روپے۔

۵- تجہیز وتکفین لاوارث میں، پانچ روپے سالانہ۔

۶- جن مدارس میں ضرورت ہو، پندرہ روپے سالانہ۔

۷- مدرسہ فلاں میں، پچاس روپے سالانہ۔

۸- بشرطِ گنجائش ہر۵ سال بعد واقف کے لئے ایک حج بدل۔

۹- برخورداری کی برادرزادی کو۔

مندرجہ بالا مدات میں وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امورِ مذکورہ سب باعثِ اجر وثواب ہیں، ان میں خرچ کے لئے وقف کرنا شرعاً معتبر ہے(۱)، اگر کسی وقت ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہے، ختم ہوجائے تو اس فرد کا حصہ دیگر مدات ومصارفِ خیر میں صرف

---

(۱) "وشرطه شرط سائر التبرعات، كحرية وتكليف، وأن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله أن يكون قربة في ذاته) أي: بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، والمراد بأن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربة حملاً على أنه قصد القربة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ... الخ: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۶ھ۔

ایک تفصیلی وقف نامہ کا تجزیہ

سوال [۱۰۶۴۳]: زید نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ایک دینی مدرسہ کے نام وقف کیا اور وقف نامہ میں تحریر فرمایا

"میری عمر زائد از ستر سال ہے، عمر طبعی کو یہ پہونچ چکی ہے، حیات مستعار ناپائیدار کا کچھ اعتبار نہیں، مشیت ایزدی سے میری اولاد میری ہی زندگی میں فوت ہوگئی، میرا کوئی وارث باقی نہیں ہے، بحالت صحت نفس ودرستی حواس خمسہ، برضاء ورغبت، اپنی دلی خواہش کے ماتحت، بلا بہکائے سکھائے غیرے، بخوشی خاطر، اپنی مملوکہ مقبوضہ کو وقف الی اللہ میں منحصر کرتا ہوں اور اپنے قبضہ مالکانہ سے نکال کر قبضہ حق خداوند تعالیٰ، مالک دوجہاں میں دے کر بعد ازاں اپنے قبضہ متولیانہ میں لیا۔

چونکہ میری بسر اوقات آمدنی اسی جائیداد پر ہے، اس لئے میں منافع سے اپنی گزر کے لئے حسب ضرورت خرچ کرتا رہوں گا اور مبلغ پانچ روپیہ سالانہ مدرسہ کو ادا کرتا رہوں گا اور یہ کہ بعد وفات میرے مدرسہ کا مہتمم وکارپرداز بجائے میرے بحیثیت متولی ومہتمم اپنے تحت وتصرف میں لے کر اس کی کل آمدنی تعلیم دینیات ہر شعبہ، نیز ضروریات طالب علمانہ، مدرسہ میں مناسب طور پر صرف کرا کر اس کا ثواب میرے اور میری اولاد متوفی اور میرے

---

(۱) "رجل وقف أرضاً على أولاده وجعل آخره للفقراء، فمات بعضهم، قال هلال رحمه الله تعالى: يصرف الوقف إلى الباقي، فإن ماتوا يصرف إلى الفقراء، ولو وقف على أولاده وسماهم ... وجعل آخره للفقراء، فمات واحد منهم، يصرف نصيب هذا الواحد إلى الفقراء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في الوقف على الأولاد: ۵/۵۴۳، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۷/۱۵۰، ۱۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بزرگان دین کو روح کو ثواب پہونچتے رہیں۔ الحاصل ان تمام شرائط مذکورہ بالا کے ماتحت جائیداد موقوف اور اس کی آمدنی تمام و کمال بکار خیر ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور وہ کسی صورت سے بجائے دیگر منتقل نہیں ہوسکے گی اور یہ کہ میری جائیداد موقوفہ مذکورہ بالا پر میرے کسی عزیز واقربا کو کسی قسم کے اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اس واسطے یہ وقف نامہ بغرض خوشنودی خدا ورسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھ دیا تاکہ سند رہے"۔

نوٹ: وقف نامہ ۲۶/ مارچ ۵۹ء کو تحریر ہوا اور ۲۷/ مارچ ۵۹ء کو رجسٹری ہوا، ۱۲/ جون ۶۷ء کو انتقال ہوا، انتقال کے وقت ان کے نواسے اور نواسیاں باقی تھیں، جو باقی جائیداد پر قابض ہیں، اس درمیان مدت میں آٹھ سال ساڑھے چھ ماہ میں متولی واقف نے تین مرتبہ مبلغ ۹۰ روپیہ مدرسہ میں بمد وقف جمع کئے، جس کی رسید حلقہ دارو واقف کو دی گئی اور سالانہ حساب میں اسی طرح طبع کیا گیا، جو متولی واقف کے پاس پہونچا، وقف نامہ کی تحریر کے وقت واقف موقوفہ جائیداد کے علاوہ اور چند بیگہ کے مالک تھے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ:

۱..... مندرجہ بالا وقف کو جس کا نفاذ ہو چکا، کسی کو کالعدم کرنے کا حق ہو سکتا ہے؟

۲..... اگر متولی واقف نے بجائے پانچ روپیہ سالانہ کے علی الحساب رقومات جمع کی ہوں، جو مقررہ مقدار سے کچھ کم ہوں تو کیا اس سے وقف نامہ پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

۳..... کیا مہتمم مدرسہ کو جس کو واقف نے اپنی حیات کے بعد متولی وقف بنایا ہے حق حاصل ہے کہ وقف سے دستبردار ہو جائے، یا ان کے کسی رشتہ دار کو کوئی چیز اس سے لیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ وقف شرعاً معتبر ہے، کسی کو اس کے کالعدم کرنے کا حق نہیں (۱)۔

---

(۱) "وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب. فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوى" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد)

"فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن"

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله لا يملك) لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا

۲ - کچھ اثر نہیں پڑتا (۱)۔

۳ - متولی کو جب کہ واقف نے اپنے بعد کے لئے نامزد کر دیا ہے تو اس کی تولیت معتبر ہے (۲)، اب اس کو دستبردار ہونے کا حق نہیں، الا یہ کہ مدرسہ کے انتظام سے کسی وجہ سے دستبردار ہو جائے تو پھر جو بھی مدرسہ کا مہتمم ہوگا، وہ اس وقف کا بھی متولی ہوگا (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف مؤبد و مؤقت

سوال [۱۰۳۶۵]: عریضہ ہٰذا کے ساتھ جناب والا کا جواب نمبر ۱۴۱ الف منسلک ہے، احقر کو آنجناب کے جواب میں تامل ہے، کیونکہ وقف کی شرائط میں سے تابید ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ومنها التابيد وهو شرط مع قول محمد": ۲/۳۵۶ (۴)،

---

* يمنعك أي: لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) متولی وقف سے مقررہ مقدار سے جتنی رقم زائد دی ہے وہ اپنی خوشی سے دی ہے، اس سے وقف نامہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۲) "ولو جعل الواقف ولاية الوقف إلى رجل، كانت الولاية له كما شرط الواقف". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۷/۱۴۰، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵/۵۰۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۳) "وإذا أراد أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لا يجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵/۵۰۶، قديمي)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه الخ: ۲/۳۵۶، رشيديه)

شامی میں ہے:

"أما التأبيد معنى فشرط اتفاقاً على الصحيح، وقد نص عليه محققو المشايخ. قلت: ومقتضاه أن المقيد باطل اتفاقاً" : ۳/ ۵۲٤(۱)۔

اور دستاویز کے نمبر ۲ و ۳ تابید کے خلاف ہیں اور آنجناب نے نمبر ۱ کے پیش نظر دوام سمجھ کر جواب دیا ہے، حالانکہ نمبر ۲ و ۳ سے تابید باطل ہو جاتی ہے، پس دستاویز دوام سے مراد دوام بدوام المدرسہ ہے، جو تابید کے خلاف اور باطل وغیر معتبر ہے اور اس مسئلہ میں فتاویٰ قاضی خان کا یہ جزیہ بھی بطور نظر کے ملاحظہ ہو:

"ولو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً، فإذا مضى شهر فالوقف باطل كان الوقف باطلاً في الحال"(۲): ٤/ ۲۷۰۔

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دستاویز مذکور جیسی صورت کو عدم تابید سمجھا ہے، جس کی تشریح امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے، جس کا سوال وجواب بالاختصار درج ذیل ہے:

سوال: اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی، جب تک کہ یہ عمارت قائم رہے تب تک بانی اسکول مذکور مالک ہوگا، بصورت قائم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثان ہبہ کنندگان کو پہونچے گی۔

الجواب: في الدر المختار: وإذا وقته بشهر لو سنة بطل اتفاقاً در وفي "رد المحتار": هذا إذا شرط رجوعه بعد الوقت ... أما إذا شرط رجوعه إليه بعد مضي الوقت فقد أبطل التأبيد، فيبطل الوقف. وبهذا ظهر هكذا لو قال أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً فإذا مضى شهر فالوقف باطل ... باطل مطلقاً كما علمت آنفاً": ۳/ ۳٦٦، ۳٦٧(۳)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب التأبيد معنى شرط اتفاقاً: ۳/ ۳۴۹، سعید)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمگیریة، کتاب الوقف: ۳/ ۳۰۳، رشیدیہ)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۳/ ۳۵ ، سعید)

"والتوقیت بانقطاع المذکور کالتوقیت بالشهر والسنة لاشتراکهما

لعلة، وهي إبطال التأبید وهو ظاهر" ۲/ ۶۲۲ (۱)

ان تحریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دستاویز کے نمبر ایک میں دوام سے مراد دوام بدوام اصل مدرسہ ہے، نہ کہ مطلق دوام۔ امید ہے کہ آنجناب کے تردد وخلجان کو دور فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب از دیوبند:

ہر وہ چیز جو مدرسہ کے لیے دی جائے یا حاصل کی جائے، ان سب کو وقف نہیں تصور کرنا چاہیے، بصورت مسئولہ میں متعلق (حاجی عبدالحمید صاحب) کی تحریر دستاویز تملیک نامہ میں لفظ "وقف" موجود نہیں، دارالعلوم کے مذکورہ فتویٰ میں بھی لفظ "وقف" موجود نہیں، پھر فقہاء کی عبارات متعلقہ وقف کو اس فتوے کے معارض قرار دینا بے محل اور بنیادی طور پر غلط ہے، چونکہ بعض اہل علم اور اہل قلم حضرات کو دارالعلوم کے اس فتوے پر خلجان اور شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ وقف کی شرط تابید کے خلاف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے، ورنہ وقف ہی بالاتفاق باطل ہوگا، اس لیے تحقیقی طور پر اس کے متعلق بھی کچھ عرض کرتا ہے۔

عامۂ کتب فقہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے، اور بعض کتب میں اس پر اتفاق بھی نقل کیا گیا ہے (۲)، لیکن ذرا وسعت وامعان نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ذکر تابید میں ہی اختلاف نہیں، بلکہ نفس تابید میں اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقف مؤقت کو بھی جائز اور صحیح فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وقال أبو یوسف رحمه الله تعالی: إذا سمی فیه جهة تنقطع جاز

---

(۱) (إمداد الفتاوی، کتاب الوقف: ۲/ ۶۲۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "ومنها التأبید وهو شرط علی قول الکل" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۵، رشیدیه)

"وأما التأبید معنی فشرط اتفاقاً علی الصحیح، وقد نص علیه محققو المشایخ. وقلت: ومقتضاه أن المؤقت باطل". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۴۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۱۵، رشیدیه)

وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم اهـ"(۱)

پھر طرفین کی دلیل لکھنے کے بعد لکھا ہے:

"ولأبي يوسف رحمه الله تعالى: أن المقصود هو التقرب إلى الله تعالى وهو موفر عليه؛ لأن التقرب تارة يكون في الصرف إلى جهة تنقطع، ومرة بالصرف إلى جهة تتأبد، فيصح في الوجهين اهـ"(۲).

اس کے بعد شرط تابید کے اجماعی ہونے کو "وقیل" سے بصیغۂ تمریض نقل کیا ہے۔

"وقيل: إن التأبيد شرط بالإجماع اهـ"(۳).

موقوف علیہ اگر جہت متابدہ نہ ہو بلکہ منقطع ہو تو وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس کے متعلق بعد انقطاع موقوف علیہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ آمدنی وقف کو فقراء پر صرف کیا جائے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ وقف ملک واقف یا ورثائے واقف کی طرف عود کرے گا، اگر واقف یہ شرط کرے کہ موقوف علیہ زندہ رہتے ہوئے بھی اگر حاجت مند نہ رہے تو وقف واقف کی جانب سے لوٹ آئے گا تو یہ شرط بھی صحیح ہے۔

"لأنه توسع في أمر الوقف، فلا يشترط التأبيد، واشتراط العود إلى الورثة عند زوال حاجة الموقوف عليه لا يفوت التأبيد عنده اهـ"(٤).

پس خود موقوف علیہ کے ختم ہونے پر عود کی شرط بھی جائز ہے۔

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: إذا وقف على رجل بعينه جاز،

---

(۱) (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وقال أبو يوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز، وصار بعدها للفقراء، ولو لم يسمهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۰۰/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في الكلام على اشتراط التأبيد: ۳۴۸/۴، سعيد)

(۲) (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۹/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۹/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٤) (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

وإذا مات الموقوف عليه رجع الوقف إلى ورثة الواقف، قال: وعليه الفتوى،
وإذا عرف عن أبي يوسف رحمه الله تعالى جواز عوده إلى الورثة، فقد يقول
في وقف عشرين سنة بالجواز؛ لأنه لافرق أصلاً، ومنها ما ذكر في [illegible]
قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف
إلى الفقراء، قال في الأجناس: فحصل عنه روايتان اھ".

یہ سب بحث مع قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، فتح القدیر: ۵/ ۴۲۸ میں موجود ہے(۱)۔

"والحاصل: أن عند أبي يوسف رحمه الله تعالى في التأبيد روايتين:
في رواية: لا بد منه، وذكره ليس بشرط، وفي رواية: ليس بشرط، ويتفرع على
روايتين: ما لو وقف على إنسان بعينه وعقبه وعلى أولاده أو على قرابته، وهم
يحصون، أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه، فعلى الأول يعود إلى
ورثة الواقف، وعليه الفتوى كما في الفتح وغيره، وعلى الثاني يصرف إلى
الفقراء وإن لم يسمهم، وهذا الصحيح عنده اھ" (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۷۳)(۲)۔

فتاویٰ قاضی خان سے آپ نے عبارت نقل کی ہے اس کے قریب ہی یہ بھی موجود ہے:

"رجل وقف داره يوماً أو شهراً أو وقتاً معلوماً، ولم يزد على ذلك
جاز الوقف، ويكون الوقف مؤبداً اھ" (فتاوى قاضي خان برحاشيه
عالمگیری مصری: ۳/ ۳۰۴)(۳)۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے، اوسع ہے، اسہل ہے، انفع ہے، مفتیٰ بہ ہے۔

"ولا يتم حتى يقبض ويجعل آخره لجهة لا تنقطع، هذا بيان شرائط

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۱۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف: ۳/ ۳۰۴، رشيديه)

وقف نامہ مشترک لکھ کر وقف کریں اور ہر ایک اپنی جائیداد کی آمدنی کا مصرف الگ الگ تجویز کردے، تو بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے اور ہر ایک کو تجویز کردہ مصرف حسب تصریح واقف مستحق ہوتا ہے (۱)، کاغذ کے مشترک ہونے کی وجہ سے تصریح کردہ مصرف میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا، لہٰذا زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زید کی موقوفہ جائیداد سے متعلق ہوگا اور زوجۂ زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زوجۂ زید کی موقوفہ جائیداد سے متعلق ہوگا (۲)، اس زوجۂ زید نے جب اپنی اولاد پر وقف کیا تو اس کی مستحق صرف وہ اولاد ہوگی جو زوجۂ زید سے پیدا ہوئی ہے، زید کی کسی دوسری بیوی سے پیدا شدہ اولاد اس کی مستحق نہیں ہوگی، البتہ زید کی جائیداد سے کل اولاد مستحق ہوگی خواہ کسی بیوی سے ہو (۳)، جائیداد موقوفہ کو ذاتی ملک قرار دینا ہرگز جائز نہیں، یہ دھوکہ اور فریب

= (قوله: لايملك) أي: لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لا يقبل التمليك لغيره". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه)؛ لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وشرائط صحته: ۷/۱۲، حقانية بشاور)

(۱) "لو أن رجلين كانت بينهما أرض وقف كل واحد منهما نصيبه على قوم معلومين فهذا جائز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۵، رشيدية)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وشرائط صحته: ۷/۱۳، حقانية بشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۷۴، قديمي)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، حقانية)

(۳) "رجل قال: أرضي هذه موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى، وإذا جاز هذا الوقف، فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لا غير". (الفتاوى العالمكيرية، =

کرنے سے وہ ملک میں نہیں آئے گی(۱)۔

۲۔ "وقف" اپنی جائیداد کو، جو ملک ہے، اس کا حق ہے، دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنے کا حق نہیں۔ جس زید نے بحق زوجہ زینب کی جائیداد کو وقف کیا ہے تو یہ غلط ہے، صرف اپنا حصہ جو بحیثیت شوہر اس کو پہونچتا ہے اتنا ہی وقف کرسکتا ہے۔ بقیہ زینب کے مہر کا ہے اس کو وقف کرنے کا زید کو ہرگز حق نہیں، یہ وقف شرعاً معتبر نہیں(۲)۔ زید نے اگر روپیہ زینب کو دے دیا تھا پھر بجائے زینب اس روپیہ سے جائیداد خریدی تو وہ ملک زینب ہے ملک زید نہیں، اگر روپیہ زینب کو نہیں دیا بلکہ اس کی جائیداد خرید کر زینب کو دے دی یعنی ہبہ کردی خواہ زبانی خواہ تحریری، تب بھی وہ زینب کی ملک ہوگئی۔ اگر نہ روپیہ زینب کی ملک کیا نہ جائیداد ملک کی، بلکہ کسی قانونی مصلحت سے محض بیع نامہ میں زینب کا نام درج کرادیا تو اس سے وہ جائیداد زینب کی ملک نہیں ہوئی، بلکہ زید ہی کی ملک ہے(۳) اور زید کو اس کی

= كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده، ۲/ ۳۷۳، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد، ۳/ ۳۰۷، رشيدية)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۰)

(۲) "الخامس من شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۴، رشيدية)

"(قوله: وشرطه شرط سائر التبرعات) أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/ ۳۴۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۷۵، مكتبة غفارية كوئته)

(۳) "وبيع التلجئة: وهو أن يظهرا عقداً وهما لايريدانه، يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۵/ ۲۷۳، سعيد)

"التلجئة: هي العقد الذي ينشئه لضرورة أمر فيصير كالمدفوع إليه، وأنه على ثلاثة أقسام، أحدها: أن يكون في نفس البيع، وهو أن يقول رجل لآخر: إني أظهر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، ويشهد على ذلك، ثم يبيع في الظاهر، فالبيع باطل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة: ۳/ ۲۰۹، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الصرف: ۳/ ۱۳۳، دار المعرفة بيروت)

پوری جائیداد کے وقف کرنے کا بھی حق حاصل ہے(۱)۔ اور پسر زینب کا زید پر اعتراض غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

جائیداد وقف تقسیم سے مملوک نہیں ہوتی

سوال[۱۰۷۴۹]: ا..... ایک جائیداد عبدالحق صاحب کی تھی، ان کے تین بیٹے تھے، ان کے دو مکان خام مع سائبان خشپوش بنا ہوا تھا، کوئی تقسیم وغیرہ نہیں تھی، لیکن بوجہ نالش ڈگروں کی وجہ سے ایک مکان اور جملہ ۳/۱ جائیداد ان سے بچانے کی وجہ سے مشورہ کر کے منجھلے(۲) بھائی کی بیوی کے نام بابت مہر ۱۹۱۱ء بیع نامہ میں لکھ دیا تھا، اس کے بعد برابر رہتے رہے، اس کے بعد دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا اور منجھلے ہی حیات رہے۔

بڑے بھائی کی اولاد سے منجھلے بھائی جن کا نام عبدالغنی تھا، بقیہ حصہ بیع نامہ ۱۹۳۳ء میں کرا لیا، چند دنوں کے بعد عبدالغنی کی زوجہ کا انتقال ہو گیا اور وہ مکانی جائیداد بھی عبدالغنی کے نام آ گئی، عبدالغنی کے ایک لڑکا اصغر علی نام کا تھا، اس کی بیوی مرگئی، عبدالغنی نے دوسری شادی کر دی، چند دنوں کے بعد عبدالغنی اصغر علی سے ناخوش ہو گئے، اصغر علی کی پہلی بیوی سے دو لڑکے انتظار علی، صابر علی تھے، عبدالغنی نے اصغر علی سے ناراض ہو کر اس بیع نامہ کی رو سے جو ۱۹۱۱ء میں قرض دین مہر میں قرض والوں سے بچانے کی وجہ سے کیا تھا، انتظار علی و صابر علی کے نام وقف علی الاولاد کر دیا، بیع نامہ ۱۹۳۳ء میں کیا، انتظار علی فوج میں دہرہ دون میں ملازم تھا، وہاں سے لاہور کو تبادلہ ہو گیا اور ہندوستان پاکستان بن گیا۔ انتظار علی متولی تھے، وہیں پاکستانی ہو گئے، ۱۹۴۹ء تک برابر پاکستان رہے، صابر علی یہاں رہا، اس نے ۱۹۴۵ء میں صدر گڑھ کی سکونت چھوڑ کر گڑھی کی سکونت اختیار کر لی اور مکان موقوفہ کا کل ملبا اتار کر گڑھی لے گئے اور خالی جگہ چھوڑ گئے، جیسے اور جگہ پڑی ہے، اسی جگہ کے خالی ہونے

---

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الملك: ۳۲/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "منجھلا: بیچ کا، درمیان کا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۴، فیروز سنز لاہور)

سے جمیل احمد کی بے پروائی ہوئی تھی، جمیل احمد نے اس جگہ پر مکان بنالیا ہے جو شریک ہے، کیا بغیر تقسیم کرائے ہوئے وقف نامہ جائز ہے؟

۲۔ صابر علی کراچی ہی میں رہا اور اس نے اس مکان کا ملبہ نادر کراچی میں جمع کیا، تو اس حالت میں وقف ہوگیا؟

۳۔ صابری نے اس خالی جگہ کو دوسری جگہ کے باشندے کو فروخت کرائی، وہ شخص اور اس کی بیوی بھی موجود تھی، جمیل احمد نے اس کی چہاردیواری کھڑی کر دی اور پکی عمارت بنادی، ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ دونوں جلاوطن تھے۔

۴۔ جب کہ جگہ خالی پڑی ہے، وہ جگہ بھی خالی تھی تو اپنی ہی جگہ تبادلہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۵۔ انتظار علی نے تقسیم کا مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہے اور موقوفہ کو تقسیم سے علیحدہ کر لیا، جب کہ مکان عبدالحق صاحب کا بھی نہیں، تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۶۔ وقف نامہ میں مکان کا کرایہ تین روپیہ ماہانہ درج ہے، اگر خالی جگہ تبادلہ میں نہیں دی جاسکتی تو تین روپیہ ماہانہ کرایہ جمیل احمد پر لاگو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۷۔ ۱۹۳۵ء سے زمینداری ختم ہونے کے بعد تک بھی دخل نہ ہو سکے یا نہیں؟ ۳۰ سال کے بعد بھی مالک نہیں ہوسکتا، جب کہ تمام جھگڑوں اور خرچ کرنے میں نے اس تمام جگہ وغیرہ کا بے دخل سب ختم ہو جاتی۔

۸۔ مقدمات عدالت سے تب ہی طے ہوسکتے ہیں، جب کہ تقسیم اور وقف دونوں مقدمات الگ ہو جائیں گے۔

۹۔ کیا جمیل احمد کے ذاتی بنائے ہوئے مکان بھی تقسیم ہوسکتے ہیں، جب کہ تینوں بھائیوں کے انتقال کے بعد بنایا ہے۔ ورثائی جگہ میں جمیل احمد کے والد مرحوم نے بنایا تھا، اس کی جگہ کو مکان بنایا ہے۔

۱۰۔ انتظار علی ۱۹۳۵ء سے ۱۹۶۹ء تک پاکستان رہا، کیا اس کے حقوق باقی رہ گئے، جب کہ دو جائیداد میں جو باپ نے چھوڑی تھی کوئی حصہ نہیں ملا۔

۱۱۔ ایک درخواست اس سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں آئی تھی ۲۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو کریم بخش مرحوم نے بھیجی تھی، وہ صرف اس امر کی کہ اراضی مقدمہ کے بدلے دوسری اراضی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ

اراضیات مشترک ہیں، جس کا کوئی جواب نہیں ملا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مکان وزمین مشترک ہو تو کسی بھی حصہ دار کو اپنا حصہ وقف کر دینا درست ہے، تقسیم کرنا پہلے سے لازم نہیں (۱)، جس طرح کہ حصہ مشترک کی بیع درست ہے۔

۲... بیع کی وجہ سے وقف ختم نہیں ہوتا (۲)، ناجائز تصرف ناجائز ہے۔

---

(۱) "ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف: أرض بين رجلين وقف أحدهما حصته منها وهو النصف، فله أن يقاسم شريكه فيفرز حصة الوقف لأن ولاية الوقف إليه ... رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم شريكه فله ذلك، ويطلب كل أرض وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۶/۱۳۰، غفاريه)

"لو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالى".
(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۷۴، قديمي)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "(قوله لايملك) أي لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملّك أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

"(وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه) لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لايباع، ولايورث، ولايوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"سئل في رجل وقف أماكن على بنته وزوجته ... والحال أنها باعت من تلك الأماكن أماكن في حال حياته، ولم يكن لها مسوغ شرعي في ذلك، فهل هذا البيع باطل؟ وترجع الأماكن لأربابها بحكم شرط الواقف ...؟"

(أجاب): الوقف بعد صدوره من أهله صحيحاً لازماً لايقبل التملك والتمليك، ولايصح بيعه بدون مسوغ شرعي، ويجب رده لجهة وقفه حيث لامانع". (الفتاوى المهدية، كتاب الوقف: ۲/۳۸۶، المكتبة العربية كرتبه)

۳..... وقف صحیح ہو جانے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں (۱)۔

۴..... وقف کو بدلنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر واقف نے ہی اجازت دی ہو یا وقف سے انتفاع ناممکن ہو جائے، تو اس کی عوض میں دوسری جگہ لے کر وقف کر دی جائے (۲)۔

۵..... مطالبۂ تقسیم کا حصہ دار کو حق ہے، اگر تقسیم کے بعد حصے دار منتفع ہو سکتے ہیں تو تقسیم کر دینا بہتر ہے (۳)۔

۶..... جس شخص کے پاس کرایہ پر ہو، اس کے ذمہ کرایہ لازم ہوگا (۴)۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۵

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشتري به أرضاً أخرى إذا شاء ــــ وإن لم يذكرها ثم لايستبدلها". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً. والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً، أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح. والثالث: أن لايشترطه ولكن فيه نفع". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

"إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضاً أخرى، إذا شاء فتكون وقفاً مكانها، فالوقف والشرط جائزان عند أبي يوسف رحمه الله تعالى ــــ وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع: ۲/۳۹۹، رشيديه)

"قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه، ويشتري بثمنه غيره". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(۳) "وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، إلا أن يكون مشاعاً عند أبي يوسف، فيطلب الشريك القسمة، فيصح مقاسمته". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

"رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم، فله ذلك، ويقسم كل أرض، وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷/۱۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۵/۷۴۲، قديمي)

(۴) "متولي الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجر ــــ عامة المتأخرين أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار=

۷..... کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کر لینے سے شرعاً ملکیت ثابت نہیں ہوتی (۱)، قانون کا مسئلہ اس کے خلاف ہو تو وہ علیحدہ بات ہے۔

۸..... یہ تو عدالت سے متعلق ہے۔

۹..... جمیل احمد نے اگر بناتے وقت دوسرے شرکاء سے کوئی معاملہ طے کر لیا تھا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا (۲)، ورنہ عمارت جمیل احمد کی ہوگی اور زمین مشترک تقسیم کرتے وقت اس تعمیر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔

۱۰..... شرعی وارث اگر کچھ مدت تک اپنے حصہ کا مطالبہ نہ کرے تو اس کا حصہ ختم نہیں ہو جاتا، دوسری جائیداد میں سے اگر اس کو حصہ نہ دیا جائے تو اس کی وجہ سے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا (۳)۔

= معدة للاستغلال أو لم تكن ..... وكذا قالوا: فيمن سكن دار الوقف بغير أمر القيم كان عليه أجر المثل بالغاً مابلغ". (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۵۱۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۱) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة، وخلافة كإرث، وإصالة وهو الاستيلاء". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۳، سعيد)

"اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ..... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة ..... والحكم الأصلي الثابت بالغصب وجوب رد العين على المالك بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "على اليد ما أخذت حتى ترده". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۴۲، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، الفن الثالث، القول في الملك: ۳/۱۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجرة السمسرة: ۱/۳۰۳، قديمي)

(۳) "لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۴/۳۱، سعيد)

"الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوى، وقفة الفتوى: ۱/۵۰۵، سعيد)=

۔۔۔ مجھے بھی تحریر کا حال معلوم نہیں، محض کسی بات کا حکم دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

وقف علی الاولاد میں تقسیم کی صورت

سوال [۱۰۵۰۱]: حاجی محمد مرحوم نے اپنی جائیداد کا ایک وقف نامہ علی الاولاد تحریر کیا ہے، اس میں واقف کی اولاد ہی کو حق پہونچتا ہے یا واقف مرحوم کے اپنے چچازاد بھائیوں کو بھی حق پہونچتا ہے۔

الف: وقف نامہ حاضر ہے، ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیں کہ یہ وقف علی الاولاد درست ہوگا یا وراثت میں رہے گا؟ اور کس کس کو کتنا حق پہونچتا ہے؟ تقسیم کر کے نقشہ بتلا دیجئے۔ بوقت انتقال واقف مرحوم نے حسب ذیل ورثاء چھوڑے:

زوجہ	لڑکیاں	لڑکے	چچازاد بھائی	نواسہ
۱	۲	۲	۴	۱

ان کی والدہ مسماۃ ۔۔۔ کا انتقال واقف کی حیات میں ہو گیا تھا۔ فقط۔

نوٹ: وقف نامہ بذریعہ پچھلی ڈاک کے سوال کے ساتھ ہے۔

الجواب (☆):

اس وقف نامہ مسلکہ کا نام اگرچہ وقف نامہ علی الاولاد رکھا گیا ہے، مگر یہ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں، اس لئے کہ واقف نے اپنی ذات اور اپنی تیسری بیوی کے ساتھ آنے والی بچی نور جہاں کو اور اپنی چوتھی بیوی کو اور مسجد گل شہید کو بھی اس کے منافع وقف کا مصرف قرار دیا ہے، جو کہ واقف کی اولاد نہیں، نیز جن کی تصریح واقف نے کردی ہے وہ بھی مستحق ہے اور اس کے استحقاق کے لئے جو شرط لگائی ہے وہ معتبر ہے، مثلاً دفعہ نمبر ۲ میں واقف

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۲/۳۴۲، مكتبة غفاريه كوئته)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحدود: ۱/۱۵۲، حقانيه)

(☆) الجواب کا دارومدار وقف نامہ پر ہے اور وقف نامہ کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا، اور جواب میں مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقف نامہ کا تجزیہ کیا ہے۔

نے مع اولاد و اپنی وعیال مکان موقوفہ میں حق سکونت رکھا ہے۔

اور دفعہ نمبر ۳ میں اپنے بعد اپنی بیوی کو متولی بنا کر اس کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ مع اپنی اولاد کے سکونت اختیار کرے، اس کی رو سے مسماۃ چھوٹی کا لڑکا عبدالحق بھی سکونت کا حق دار ہوگا، جو کہ واقف کی اولاد اور نسل میں ہے۔

اور دفعہ نمبر ۴ میں چھوٹی کو عقد ثانی کرنے کی صورت میں تولیت سے اور جائیداد موقوفہ کے انتفاع سے محروم کر دیا گیا، مذکورہ بالا تجزیہ سے واضح ہوا کہ اس وقف نامہ کی دفعہ اول و دوم کو مختص کرنا تصریحات واقف کے خلاف ہیں(۱)۔

دفعہ نمبر ۲ میں اپنے بعد ہونے والے متولی کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی رقم میرے وارثان شرعی میں بحصہ شرعی تقسیم کرے (بشمول نور جہاں)۔ اس کی رو سے صورت مسئولہ میں چچا زاد بھائی بھی منافع وقف سے بقدر حصہ وراثت مستحق ہوں گے، کیونکہ وہ بھی وارث شرعی ہیں، اگر واقف کا مقصود ان کو محروم کرنا ہوتا تو صراحۃً ان کو مستثنیٰ کر دیتا کہ وارث شرعی کے ہونے کے باوجود ان کو نہ دیا جائے، جس طرح کہ وارث اور اولاد نہ ہونے کے باوجود نور جہاں کو دینا مقصود تھا، اس کو صراحۃً ذکر کیا یا ایسے الفاظ ذکر کرتا جس سے چچا زاد بھائی خود خارج ہو جاتے، مثلاً: اس طرح کہتا کہ آمدنی رقم میری اولاد کو دی جائے بشمول نور جہاں، اس طرح نہ کہتا کہ میرے وارثان شرعی میں بحصہ شرعی تقسیم کر دی جائے، اس لیے کہ جب یہ ہدایت اپنی بیوی کو کر رہا ہے اور اس کے سامنے اولاد میں صرف لڑکیاں ہیں، جن کو حصہ برابر ملتا ہے، لڑکا کوئی موجود نہیں، ان کی تقسیم سے فرق ہوتا ہے اور لفظ بحصہ شرعی صرف صادق آتا ہے۔

دفعہ نمبر ۵ میں بھی وارثان شرعی کو بحصہ شرعی تقسیم کرنے کی تاکید ہے، ان میں بھی چچا زاد بھائیوں کا تذکرہ نہیں ہے، شریعت نے جس کو وارث قرار دیا ہے بغیر کسی قوی صریح دلیل کے ان کو ان کے الفاظ کے مصداق

---

(۱) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه ... لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ: ۴/۴۳۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۴۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

سے بحق نیت؛ الغ خارج نہیں کیا جا سکتا ہے، جیسے غیر وارث کو شرعی وارث قرار نہیں دیا جا سکتا، جب تک قوی صریح دلیل موجود نہ ہو(۱)۔ اور وقف علی الاولاد کی تعبیر ایسی قوی صریح دلیل نہیں۔

دفعہ نمبر ۳ میں سلسلہ بسلسلہ تولیت کے میراث کو بیان کرکے پھر تاکید کی ہے کہ میری نسل کے وارثان شرعی میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا، یہ دفعہ ضرور موہم ہے کہ شاید اس سے چچازاد بھتیوں کو محروم کرنا مقصود ہے، مگر اس میں دو احتمال ہیں:

۱- ورثائے شرعی میری نسل سے ہوں ان کو دیا جائے، اس احتمال پر چچازاد بھائی مستحق قرار نہیں پاتے، کیونکہ وہ اگرچہ شرعی وارث ہیں، مگر واقف کی نسل سے نہیں۔

۲- دوسرا احتمال یہ ہے کہ میری نسل (بنات) کے جو شرعی وارث ہوں ان کو دیا جائے، یعنی میری نسل (بنات) کے مرجانے پر آئندہ جو ان کے وارث ہوں گے، ان کو دیا جائے، اس کی رو سے ہو سکتا ہے کہ چچازاد بھائی بھی مستحق ہو سکیں، جب کہ ان بنات کے ذریعہ اولاد نہ ہو اور یہ احتمال اقرب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ واقف نے اس طرح نہیں کہا کہ میری نسل سے جو وارثان شرعی ہوں ان کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو پہلا احتمال متعین ہو کر چچازاد بھائیوں کو خارج کیا جا سکتا تھا، لیکن واقف نے تو اس طرح کہا ہے کہ میری نسل کے وارثان شرعی کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو یہاں براہ راست اپنے ورثاء نسلی یا غیر نسلی کو بتانا مقصود ہی نہیں، بلکہ اپنے ورثاء کے ورثاء کو بتانا مقصود ہے، (قطع نظر اس سے کہ واقف کے ورثاء براہ راست اس وقت موجود ہیں یا نہ رہیں، ان کا حصہ تو کچھ حصہ شرعی لکھ دیا ہے، وہ پہلے سے متعین ہے)، اس وجہ سے نور جہاں کی اولاد کو حصہ نہ دینے کی اس دفعہ میں تصریح کردی ہے، تمن چچازاد بھائیوں کے ورثاء بھی مستحق نہ ہوں گے، اس حیثیت سے پہلے فتوی میں ان کو بھی بعد میں مستحق قرار دیا گیا تھا، وہ صحیح نہیں، وہ لغزش قلم تھی۔

اس موہم اور محتمل غیر متعین عبارت کی بناء پر دفعہ نمبر ۳ اور دفعہ نمبر د کی عبارت کو مخصوص ومقید نہیں کیا

---

(۱) "الإرث جبري لایسقط بالإسقاط". (تکملة رد المحتار، کتاب الدعوی، مطلب واقعة الفتوی: ۱/۵۰۵، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإقرار، مطلب: الإرث جبري لایسقط بالإسقاط: ۲/۵۳، حقانیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

جائے گا، نسلی وراثت کے ساتھ جب کہ اس سے نصوص قرآن وحدیث کا مصداق بھی بدلتا ہو، دفعہ نمبر ۲۸ میں وقف علی الاولاد ہونے کی تصریح ہے، جس کو مقصود اپنی اولاد کی نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ پرورش پرداخت بتلایا گیا ہے، اس کے متعلق بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ انحصار اپنے اصل معنی میں نہیں جیسا کہ واقف کی خود تصریح موجود ہے، علاوہ ازیں انتقالِ واقف کو عرصۂ دراز گزر چکا ہے اور اس کے قائم مقام متولی ہے، اب تک برابر چچازاد بھائیوں کو حصہ دیا ہے، جس امر میں کوئی بات واضح نہ ہو، اس کے متعلق فقہاء نے معمولِ سابق کو معتبر مانا ہے(۱)۔

وقف نامہ کی عبارت مذکورہ کا مطلب متولی نے بھی یہی سمجھا اور مستحقین وقف نے بھی یہی سمجھا کہ چچازاد بھائی مستحق ہیں، اسی بناء پر ان کو دیا جاتا رہا، جیسا کہ سائل نے زبانی بیان کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حرام کمانے والوں کا وقف اور اس کی آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۵۱]: میرٹھ میں نادر علی کی فیکٹری پارچہ بنانے کی ہے اور ان لوگوں کے سینما بھی ہے، نیز ان نادر علی کی طرف سے ایک وقف ہے، جس کے ماتحت کافی جائیداد اور مکانات ہیں اور یہ وقف مدارس اسلامیہ کی امداد اور ان کے قائم کردہ مکاتب کے معلمین کی تنخواہ ادا کرتا ہے، وقف بہر کیف ان ہی لوگوں کا کیا ہوا ہے، اب جن معلمین کو نادر علی وقف سے تنخواہ ملتی ہے، وہ مساجد میں امام بھی ہیں لہٰذا ان لوگوں کو نادر علی وقف سے تنخواہ لیتے ہوئے امامت کرنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہو تو کیوں؟ جب کہ وقف کرنے والے وہی لوگ ہیں اور اگر درست نہیں تو کیوں؟ جب کہ وقف کا پورا حساب آمد وصرف علیحدہ ہے اور سینٹرل سنی وقف بورڈ سے متعلق ہے اور کارخانہ سے بظاہر براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۱) "سئل شیخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه، وقدر ما یصرف إلی مستحقیه، قال: ینظر إلی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان أن قوامها کیف یعملون فیه، وإلی من یصرفون، وکم یعطون فیی علی ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة: ۲/۴۳۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الوقف: ۵/۵۶۸، قدیمی)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۱۲، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجہ بنانا اور فروخت کرنا اور سینما کا کام کرنا منع ہے(۱)، باجہ بنا کر اس کی بیع سے قیمت حاصل کرنا مکروہ ہے(۲)۔ مسلمان جب اپنی آخرت درست کرنے کے لئے ثواب کی نیت سے کوئی کام کرتا ہے تو اس میں خراب روپیہ خرچ کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے، متعدد لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے لئے اور مدرسہ و مسجد میں دینے کے لئے حلال روپیہ جمع کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ حرام روپیہ ایسے دینی کاموں میں ثواب کے لئے خرچ نہیں کیا جاتا، اس وجہ سے وہ رشوت وغیرہ کا روپیہ وہاں خرچ نہیں کرتے، اس لئے جب تک تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ وقف حرام روپیہ سے کیا گیا ہے، اس کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا، نہ امام و معلم کی تنخواہ کو حرام کہا جائے گا، نہ اس تنخواہ کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز کو ناجائز کہا جائے گا، حرام روپیہ سے کوئی چیز خریدنے کے لئے فقہاء نے تفصیل سے لکھا ہے، جو شامی، کتاب البیع اور کتاب الغصب میں موجود ہے(۳)۔ اور حرام مال کو بہ نیت ثواب

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو، وعلى هذا الحداء وقراءة الشعر وغيره، ولا أجر في ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، مطلب: الإجارة على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيدية)

"(ولا تصح الإجارة لعسب التيس) وهو نزوه على الإناث (و) لا (لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي)". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"قلت: وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً، نهر". (الدر المختار). "قال ابن عابدين: "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه ... ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بعينها". (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب: في كراهية بيع ما تقوم المعصية بعينه: ۴/۲۶۸، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "(قوله: اكتسب حراماً الخ) توضيح المسألة ما في التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم. قال أبو نصر: يطيب له ولا يجب عليه أن يتصدق

صدقہ کردے کہ اس صورت میں حج میں کراہت نہیں رہتی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

☆ ... ☆ ... ☆ ... ☆ ... ☆

= إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث، لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفاً فاشترى بها جارية وباعها بألفين، تصدق بالربح. وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبو بكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس. وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها، وهو المختار، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعاً للحرج لكثرة الحرام". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى فهو على خمسة أوجه: ٥/٢٣٥، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الغصب: ٦/١٨٩، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ٣/١٠٣، دار المعرفة بيروت)

(١) (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ٢/٤٥٦، سعيد)

باب في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

عمومی مفاد کے لئے دی گئی زمین فروخت کرنا

سوال [۱۰۷۵۲]: طویل مدت سے ہمارے گاؤں والوں کو ایک ہندو زمین دار نے ایک ٹکڑے زمین قبرستان کے لئے اور قبرستان کے پرچھ (۱) کے شامل ایک ٹکڑے زمین بیگاڑ کے لئے (بیگاڑ بمعنی مردہ جانور دفن کرنے کی جگہ) استعمال کرنے کا حکم دیا تھا، مذکورہ قبرستان کی زمین تقریباً چار پانچ بیگھہ (۲) ہوگا، قبرستان کے ایک کنارے پر ایک ٹکڑا زمین تقریباً ایک کٹھہ (۳) ہوگا، اس ٹکڑے میں کبھی کسی میت کو دفن نہیں کیا گیا اور اس ٹکڑے زمین کو اس کے برابر والے مکان والوں نے اس ایک کٹھہ زمین کو میدان کی طرح اپنے استعمال میں لانا شروع کر دیا، نیز جانوروں کو باندھنے میں فائدہ عوام کی وجہ سے گاؤں والے اس ٹکڑے کا ایک کٹھہ زمین برابر والے مکان والوں کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیچ کر اس روپیہ سے کوئی کار خیر مثلاً: مدرسہ، مکتب یا اسکول وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے اس شخص نے دے دی ہے اور اب اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، تو سب کے مشورہ سے اس زمین کو ایسے کام میں لانا درست ہے، جس میں عمومی نفع

---

(۱) "پرچھ: خط، حصہ، ٹکڑا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) "کٹھا: پانچ سیر غلے کا پیمانہ، ایک درخت، زمین کا ایک پیمانہ، جو بیگھے کا بیسواں حصہ ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۱، فیروز سنز لاہور)

ہو مثلاً: وہاں مکتب یا مدرسہ بنا دیا جائے، جس میں سب دینی تعلیم حاصل کریں (۱)، جہاں تک ہوسکے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

وقف شدہ ویران کنواں دے کر اس کے عوض میں نیا کنواں بنوانا

سوال [۱۰۷۵۳]: ۱...... تقریباً پندرہ سال قبل زید نے ایک کنواں بنوا کر رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا، لیکن تقریباً پانچ چھ سال سے کوئی بھی اس کنوئیں کو استعمال میں نہیں لاتا، مطلب یہ ہے کہ ویران پڑا ہوا ہے اور مذکورہ کنواں بکر کے دو مکانوں کے درمیان میں پڑتا ہے، تو بکر نے زید سے مطالبہ کیا کہ کنواں مجھے دے دو اور آپ لوگوں سے گاؤں میں جہاں زیادہ استعمال ہوسکے اور عوام فائدہ اٹھا سکے، وہاں کنواں بنا کر وقف کر دو اور نیا کنواں بنانے میں جتنا خرچ ہوگا وہ میں دوں گا۔

۲...... اب کیا زید شرعی اعتبار سے ویران کنواں بکر کو دے کر نیا بنا سکتا ہے یا نہیں؟

۳...... اور بکر وقف کا ویران شدہ کنواں کا بدل دے کر اپنا ذاتی مکان اس جگہ بنا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اس کی اصلاح کر کے اس کو کارآمد نہیں بنایا جاسکتا اور اس کا جو نفع تھا وہ حاصل نہیں ہوتا اور زید

(۱) "وأما المقبرة الدائرة إذا بني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۴/۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب إنما يحل للمتولي الإذن ...... الخ: ۴/۴۵۳، سعيد)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". (الدرالمختار). (قوله لايملك) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع، ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئته)

اتنی رقم بکر کو دے کر جس سے کارآمد کنواں بنا کر وقف کردیا جائے اور اس سے سب فائدہ اٹھائیں تو شرعاً یہ صورت درست ہے(۱)۔

۲... اس تبادلے کے بعد بکر اس جگہ اپنا ذاتی مکان بنا سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کنویں کا جنگلہ فروخت کرکے مسجد کا کواڑ بنوانا

سوال[۱۰۷۵۴]: حضرت مفتی صاحب!

سلام مسنون

احقر کے محلہ کی مسجد تعمیر کی ہوئی ہے، تقریباً بہت قریب ہے، اس وقت باہر کے دروازہ کے لئے

---

(۱) "والثاني: أن لا يشرطه ... لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً، أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح ... ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها ... ويجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به، وأن لا يكون البيع بغبن فاحش". "والثالث: أن لا يشرطه، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف: ۳۸۴/۴، ۳۸۵، سعيد)

"الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع المساكين به فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲۰۰/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط: ۴۰۱/۲، رشيدية)

(۲) "وأما حكمه ... فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً"

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع: ۲/۳، رشيدية)

کواڑوں کا مسئلہ ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد ہذا میں ایک دوسرا جنگلہ ہے جو کہ کنوئیں پر ڈھکا رہتا ہے، لیکن اب کنواں بند ہوجانے کی وجہ سے بیکار پڑا ہے، اگر اسے فروخت کرکے کواڑ بنوا لئے جائیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں قباحت نہیں، اجازت ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے بدلنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۰۷۵۵]: زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی، تعمیر شروع

---

(۱) اگر جنگلہ وقف کا ہے تو اس کو بیچنا جائز نہیں، بشرطیکہ وہ قابل انتفاع نہ رہے۔

"الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيدية)

"ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها، والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به، وأن لا يكون البيع بغبن فاحش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۰۰، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۴-۳۸۶، سعيد)

اور اگر مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا ہے تو بوقت ضرورت و مصلحت بیچنا جائز ہے اگرچہ وہ قابل انتفاع ہو۔

"أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط، لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً جاز ... فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى أو باع اختلفوا فيه ... قال بعضهم: يجوز هذا البيع وهو الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الوقف، ۵/۳۴۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۲، رشيدية)

ہوئی، بکر زید کے اعزہ واقرباء سب نے زید کو مشورہ دیا کہ یہ زمین مت دو، مناسب نہیں ہے، یہ مشورہ زید کو اچھا معلوم ہوا اور تعمیر کرنے والوں سے کہا کہ میری یہ زمین خالی کرادو، اس کے عوض دوسری جگہ لے لو، لیکن تعمیر کرنے والوں کا کہنا ہے کہ زید اس کی قیمت وصول کرلے، مگر یہ مذکورہ بالا زمین زید کے ایسے موقع پر واقع ہے کہ تعمیر کرنے والے حضرات اس کی صحیح قیمت نہیں دے سکتے، ایسی صورت میں زید مذکورہ بالا زمین کا عوض دے کر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے سکتا ہے تو اس میں تصرفات زید کی کوئی تفصیل ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دے دی اور ان لوگوں نے قبضہ بھی کرلیا اور مسجد کی تعمیر شروع بھی ہوگئی، تو اب زید اس کو واپس نہیں لے سکتا (۱)، البتہ حق تولیت میں زید سب پر مقدم ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆ ☆...☆...☆

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلمه جاز ولا يكون له أن يرجع" (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، رشيدية)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه، لأنه يحرر عن حق العباد، وصار خالصاً لله" (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "قال أبو يوسف: الواقف أحق بتوليته، ثم وارثه، ثم عشيرته" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۵/۵۶۵، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۳، رشيدية)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۶/۲۰۳، حقانية پشاور)

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۵۲]: شرعاً متولی کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص وقف کی نگرانی اور انتظام کرے، وہ متولی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۷۵۳]: چونکہ چند مسجدوں میں وقف کے ذریعہ متولی چنے جا رہے ہیں، اس کے لئے کیا مسئلہ ہے؟ متولی حضرات مسجد کے کیسے ہونے چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے، جو امانت دار ہو، سمجھدار ہو، مسجد کے انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو، مسجد اور نماز سے محبت کا تعلق رکھتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "المتولي: من تولى أمر الوقف، وقام بتدبيره". (قواعد الفقه، الرسالة الرابعة التعريفات الفقهية، ص: ۴۶۳، مير محمد كتب خانه)

(۲) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۴، رشيديه)

حق تولیت کی تقسیم

سوال [۱۰۷۵۸]: ۱- مسماۃ نبولی نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی، جس کا متولی اپنے لڑکے محمود الحسن کو بنایا، وقف نامہ میں آئندہ تولیت کے لئے حسب ذیل شرائط مقرر کیں، جب کہ مسماۃ کے لڑکے محمود الحسن کو مقرر کیا۔

۲- محمود الحسن کے بعد اگر اولاد ذکور نہ ہو تو وہ اپنی ہر دو بیویوں میں سے جس بیوی کو چاہیں، محمود الحسن متولیہ قرار دیں وہ متولیہ ہوگی۔

۳- محمود الحسن کے عدم تعین کی صورت میں اس کی دونوں بیویوں میں سے عمر کے اعتبار سے جو بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی۔

۴- محمود الحسن کے سلسلۂ ذکور میں سے جو بڑا خواندہ ہوگا، وہ متولی ہوگا۔

۵- متولیان مابعد کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے بجائے اپنے سلسلۂ ذکور و اناث میں سے کسی کو بذریعہ تحریر رجسٹر شدہ متولی مقرر کردیں۔

قابل استفسار امر یہ ہے کہ مذکورہ شرائط تولیت کی روشنی میں وہ زوجہ جس سے محمود الحسن نے وقف نامہ کی تحریر کے بیس سال بعد عقد کیا اور جو تیسری زوجہ کی حیثیت رکھتی ہے اور محمود الحسن کے انتقال کے وقت وہ جملہ زوجگان میں عمر کے اعتبار سے بھی کم ہے تو کیا یہ زوجہ یا اس کی اولاد مذکورہ شرائط وقف کے تحت متولی ہوسکتی ہے؟ جب کہ محمود الحسن کی زوجہ دوم جو محمود الحسن کی وفات پر متولیہ مقرر ہوئی تھی، حسب شرائط وقف نامہ تولیت کو اپنی لڑکی کے نام منتقل کرچکی تھی اور حسب دفعہ نمبر ۵ تحریر رجسٹری کے ذریعہ مرحومہ کی متولیہ کی لڑکے نے تولیت باضابطہ چھوٹی لڑکی کے نام منتقل کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجۂ سوم اور اس کی اولاد کو شرائط تولیت کے پیش نظر حق تولیت حاصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شرط المتولي: ۴۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب =

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۱۳/۲/۹۲ھ۔

مسجد کے لئے متولی تجویز کرنا

سوال [۱۰۷۵۹]: مستری یامین ریلوے اسٹیشن مسجد کے متولی ہیں، یہ مسجد وقف بورڈ میں نہیں ہے اور نہ ہی مستری یامین وقف بورڈ کی طرف سے متولی ہیں، مستری یامین ۱۹۵۵ء سے یعنی ۲۵/ سال سے اس کے متولی ہیں، اس مسجد میں مستقل امام نہیں رہتا، صرف جمعہ ہوتا ہے، ہر جمعہ کو تقریباً بارہ تیرہ روپیہ چندے کے آتے ہیں اور دو کوٹھریوں کا کرایہ ۱۹/ روپیہ ماہوار آتا ہے، مستری یامین سے اگر کسی نے حساب کو کہا تو حساب نہیں دیتے، جمعہ کے چندہ کو گھر لے جا کر رکھ دیتے ہیں، کوئی رجسٹر وغیرہ بھی نہیں ہے، اپنی ذاتی معاملہ اور ذاتی روزگار بنا رکھا ہے، کچھ دنوں سے دو ایک صاحبان کی یہ رائے ہے کہ اس میں مستقل امام رکھا جائے اور جمعہ کا چندہ جو کچھ بھی آتا ہے، اس کا حساب لگا کر باقی اپنے پاس سے امام کی تنخواہ پوری کر دی جائے، لیکن مستری صاحب چندہ کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ چندہ سے کوئی مطلب نہیں، امام کی ماہواری تنخواہ کہیں سے پوری کی جائے۔

بلکہ کچھ صاحبان کی یہ رائے ہے کہ جب مستقل امام بھی نہیں رکھنا چاہتے اور چندہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے اور کوئی حساب وغیرہ کا رجسٹر بھی نہیں ہے تو اس چندہ کو اعلانیہ بند کرا دیا جائے۔

اب آپ براہ کرم اس کی حیثیت پر مفصل تحریر کریں کہ چندہ اعلانیہ بند کرا دیا جائے یا نہیں؟ اور مسجد میں مستقل امام رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ صرف آپ کے جواب پر منحصر ہے، یہ فیصلہ شدہ بات ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کا فریضہ ہے کہ وہ مسجد کی آمدنی کا حساب اور مسجد کا نظم اذان اور جماعت کا اہتمام رکھیں، بحق

= الوقف، ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۶۱، امدادیہ کوئٹہ)

چندہ وصول کرنے کے لئے متولی نہیں ہے(۱)، اگر تنبیہ کے باوجود متولی صاحب امام کا انتظام نہ کریں تو وہاں کے مقامی لوگ کسی مناسب آدمی کو امامت کے لئے تجویز کردیں(۲) اور اعلان کردیں کہ امام صاحب کو تجویز کردیا گیا ہے، چندہ سے ان کی تنخواہ پوری کی جاتی ہے، لہٰذا چندہ دینے والے حضرات امام صاحب کو چندہ دیا کریں اور امام صاحب باقاعدہ رجسٹر بنا کے چندہ کا حساب رکھیں، اسی طرح کرایہ کی آمدنی کا انتظام کردیا جائے اور چند آدمی مل کر وقف بورڈ میں درخواست دے کر متولی اور وقف کمیٹی کا تقرر کرالیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۱۴۰۰ھ۔

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز، لأن المقصود لا يحصل به". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

"وظيفة الناظر عند التفويض العموم حفظ الوقف وعمارته وإيجاره وزرعه والمخاصمة فيه وتحصيل الغلة من أجرة أو زرع أو ثمر وقسمتها على المستحقين، وحفظ الأصول والغلات على الاحتياط". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل العاشر ناظر الوقف: ۱۰/۷۶۸۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۲/۴۰۸، رشيدية)

(۲) "وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر: لأهل المحلة وليس الباني أحق منهم بذلك، وقال أبو بكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً ويريدون الأصلح، فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۹، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويرجع إلى القاضي في النصب (نصب المتولي) وكذا في فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۲/۴۱۲، رشيدية)

"ثم إذا مات المشروط له بعد موت الواقف ولم يوص لأحد فولاية النصب للقاضي". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۲۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۵۰۰، قديمي)

مؤذن اور امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟

سوال[۱۰۴۹۰]: ہدایہ اولین کے اندر کتاب الوقف کے اندر لکھا ہوا ہے کہ:

"وأن المتولي إنما يستفيد الولاية من جهته بشرطه، فيستحيل أن لا يكون له الولاية، وغيره يستفيد الولاية منه، ولأنه أقرب الناس إلى هذا الوقف، فيكون أولى بولايته، كمن اتخذ مسجداً يكون أولى بعمارته ونصب المؤذن فيه يكون أولى بعمارته الخ، أما بعمارته فلا خلاف فيه أنه أولى به وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر هو لأهل المحلة، وليس الباني أحق منهم، وقال أبو بكر الإسكاف الباني أحق بنصبهما، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً والقوم يريدون الأصلح" ۱۲ ص(۱)۔

ترجمہ: ''اور یہ دوسرے لئے دلیل یہ ہے کہ متولی ہونے والے کے لئے کہ فائدہ اٹھائے گا ولایت کا اس واقف کی طرف سے اپنی طرف سے اس واقف کی شرط کے ساتھ، پس محال ہوگا یہ کہ نہ ہو اس کے لئے ولایت اور اس کے علاوہ غیر آدمی فائدہ اٹھائے ولایت کا اس سے (یہ بات کیا ہے) اور اس لئے وہ زیادہ قریب ہے لوگوں سے اس وقف کی طرف، پس ہو جائے گا وہ بہتر اس وقف کی ہوئی چیز کی ولایت کے لئے، جیسا کہ کسی نے بنایا ہے ایک مسجد تو ہوتا ہے وہ بانی بہتر اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور مؤذن رکھنے میں اس میں، بہرحال عمارت بنانا پس نہیں ہے کوئی خلاف اس میں کہ بے شک وہ بانی بہتر ہے اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور بہرحال امام اور مؤذن کو رکھنا، پس کہا ابونصر نے کہ وہ کام (صرف) اہل محلہ کے لئے ہے، (یعنی ذی علم مصلیوں کے لئے ہے) اور نہیں ہے بانی زیادہ حق دار ان محلہ والوں سے (یعنی ان ذی علم مصلیوں سے)۔ اور کہا ابوبکر اسکاف نے کہ بانی زیادہ حق دار ہے ان دونوں کے رکھنے کا۔ کہا ابواللیث نے اور

(۱) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۳، شركة علمية ملتان)

اسی کو ہم لوگ پکڑتے ہیں (یعنی ابوبکر الاسکاف کے قول کو ہم لوگ لیتے ہیں اور اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں) مگر یہ کہ ارادہ کرے بانی امام رکھنے کا اور مؤذن رکھنے کا اور قوم بھی ارادہ کریں زیادہ صالح کا"۔

تشریح

یہاں پر ان عربی عبارتوں کو سمجھنے کے لئے عربی سمجھنے والوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہے، پھر بھی میں کچھ تفصیل سے بیان کر رہا ہوں وہ یہ کہ:

واقف وہ شخص ہے جو اپنی ذاتی شرائط کے ساتھ یا بغیر شرائط کے کوئی چیز یا کوئی جائیداد یا کوئی آمدنی اللہ کے نام پر وقف کردے یا وقف کرتا رہے اس کو واقف کہتے ہیں، لیکن جب تک کہ وہ واقف وقف نہیں کرے گا، تب تک وہ چیز یا وہ جائیداد یا وہ آمدنی وقف نہیں ہوئی، جیسا کہ کوئی کسی جائیداد کی آمدنی کو کسی مسجد میں وقف کرتا رہتا ہے تو اس سے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ اس جائیداد کی آمدنی کو ہمیشہ کے لئے وقف کرتے رہنا پڑے گا یا ہمیشہ کے لئے وقف ہو گیا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ واقف جس وقت چاہے گا اسی وقت اس جائیداد کی آمدنی کو عطا کرنے سے بند کرسکتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جیسا کہ کسی نے ایک جائیداد کو یا اس کی آمدنی کو بیس سال یا تیس سال کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے چاہا وقف کر کے گیا اور اس کا ایک متولی بھی بنا کر گیا اور یہ شرط کر کے گیا ہے کہ اس آمدنی کا اتنا حصہ غریبوں کو تقسیم کرنا اور اتنا حصہ فلاں مسجد میں دینا یا کسی مسجد میں دینا اور اتنا حصہ ایسا ایسا کرنا اور اتنے سالوں کے بعد سب کو دینا بند کردینا تو اس متولی کو ان شرائط کے مطابق کرنا ضروری ہوگا اور ایسا کرنا صحیح ہوگا، لیکن بانی المسجد وہ شخص ہے جو کہ صرف بنادے ایک مسجد اللہ کے لئے، لیکن وقف نہیں کیا ہے اور مصلی لوگ اس میں پانچوں وقت نماز اور جمعہ کی نماز پڑھنے لگ گئے ہیں، اور وہ بانی ان لوگوں کو روکا نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر مصلی نے صرف ایک مرتبہ پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز اس میں پڑھ لیا ہو تو ہوگئی ہے وہ مسجد اللہ کے لئے، چاہے وہ بانی وقف کرے چاہے نہ کرے۔

پس شرعاً اس میں اس بانی کا کوئی اور حق نہیں رہ جاتا ہے کہ وہ بانی اس مسجد کو وقف نہ کرنے کی وجہ سے پھر واپس لے سکتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا ہے، یعنی نمازیوں کو نماز پڑھنے سے بھی روک نہیں سکتا ہے اور مسجد کو توڑ کر اس

زمین کو بھی واپس نہیں لے سکتا ہے، اگرچہ اس زمین کو وقف بھی نہ کیا ہو تو بھی وہ بانی اس زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، یعنی واقف اپنی شرائط کے ساتھ زمین کو واپس لے سکتا ہے، لیکن بانی المسجد کسی شرائط کے ساتھ بھی مسجد کو توڑ کر زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور اسی وجہ سے وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی واقف کے قول کے مطابق ہوگا۔

لیکن بانی المسجد پر وقف کرنا ہی ضروری نہ ہونے کی وجہ سے، اور بانی المسجد کی شرائط پر عمل کرنا بھی ضروری نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کا متولی وہی شخص ہونے کا لائق ہے جو مکانی علماء اور متدین ذی علم مصلیوں کی رائے سے لائق سمجھا جائے اور منظور ہو وہی شخص مسجد کا متولی بننے کے زیادہ حقدار اور زیادہ صحیح ہوگا اور اگر کسی مسجد کا متولی پہلے سے بنا ہوا ہو اور وہ آدمی نیک ہو اور شرعی احکام کے مطابق چلنے والا اور عمل کرنے والا آدمی ہو اور نظام مسجد کو احکام شرعی کے مطابق چلانے والا ہو کہ جس سے متدین ذی علم مصلی لوگ اس کے کاموں سے خوش اور راضی ہیں، تو ایسی صورت میں وہی متولی قائم رہنے کے لئے حقدار ہوگا اور قاضی یا حاکم اس کو ہی متولی قائم رکھے گا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پہلے سے جو متولی ہے وہ اگر مسجد کی امانت میں خیانت کرنے لگے اور مسجد کی آمدنی خود کھانے لگے اور نظامِ مسجد کو احکامِ شرعی کے مطابق نہ چلانے لگے، جس سے عام مصلیوں کو تکلیفیں اور متدین ذی علم مصلی لوگ سخت ناحق سمجھنے لگیں جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت ناخوش ہیں تو ایسی صورت میں ان مصلیوں کی رائے سے جو آدمی اچھا اور لائق ہوگا وہی شخص متولی بننے کے لئے زیادہ حقدار ہوگا اور اس کو قاضی یا حاکم متولی بنادے گا۔

ان تمام بیانات سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد کے متولی کا ہر کام متدین ذی علم مصلیوں کے پسندیدہ ہونا ضروری ہے، یہاں یعنی اس مذکورہ عربی عبارتوں کے اندر جو "إلا" لفظ آیا ہے، وہ "إلا" ایک ایسا لفظ ہے جس کو لفظ مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی إلا کے پہلے جو جملہ ہوتا ہے، اس کو مستثنیٰ منہ کہا جاتا ہے اور اس إلا کے بعد جو جملہ ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی اس إلا کے بعد والے جملہ کا مطلب اس پہلے والے جملے کے برعکس ہوتا ہے، خلاف ہوتا ہے، یعنی الٹا ہوتا ہے، چاہے وہ بعد والے جملہ کا مطلب صاف ہو، چاہے صاف نہ ہو اور چاہے وہ بعد والا جملہ لمبا ہو چاہے مختصر ہو۔

۸- اگر بانی صالح مؤذن مقرر کرے تو وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں (۱)۔

۹- اس کو حق ہے کہ بغیر اہلِ محلہ کے مشورہ کے کسی صالح امام فہم شخص کو امام یا مؤذن تجویز کردے (۲)۔

۱۰- صالح کو امام بنانے اور غیر صالح کو برطرف بھی کرنے کا اس کو حق ہے، اہلِ محلہ کو اعتراض کا حق اس وقت حاصل ہوگا، کہ وہ نا اہل اور غیر صالح کو امام بنادے اور صالح اہل کو امام نہ بنادے (۳)۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ چند اہلِ فہم متدین حضرات کی کمیٹی بنالی جائے، اس کے مشورہ سے کام کیا جائے تا کہ فتنہ برپا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بانی مسجد امام کے تقرر کا زیادہ حق دار ہے

سوال [۱۰۷۹۱]: کیا درمختار، شامی یہ کتاب حنفی مذہب کی کتاب ہے، اس کتاب کے تیسرے حصے کتاب الوقف میں لکھا ہے:

"البانی للمسجد أولی من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار، إلا إذا عین القوم أصلح ممن عینہ البانی؛ لأن منفعۃ ذلک ترجع إلیہم" (٤)۔

= (وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "وإن تنازعوا فی نصب الإمام والمؤذن مع أہل المحلۃ، إن کان ما اختارہ أہل المحلۃ أولی من الذی اختارہ البانی، فما اختارہ أہل المحلۃ أولی، وإن کانا سواء فمنصوب البانی أولی". (الأشباہ والنظائر، الفن الثانی الفوائد، کتاب الوقف: ۲/۱۱۰، ۱۱۱، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) راجع الحاشیۃ المتقدمۃ آنفاً

(۳) راجع الحاشیۃ المتقدمۃ آنفاً

(٤) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۰، سعید)

"البانی أولی من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار، إلا إذا عین القوم أصلح مما عینہ".

(مجمع الأنہر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲/۶۰۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

"وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر: لأہل المحلۃ، ولیس البانی للمسجد أحق منہم بذلک، وقال أبوبکر الإسکاف: البانی أحق بنصبہما من غیرہ کالعمارۃ، قال أبو اللیث: وبہ نأخذ إلا أن =

اس کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! یہ حنفی مذہب کی کتاب ہے، مطلب یہ ہے جس نے مسجد بنائی وہی موذن اور امام اس مسجد میں تجویز کرے تو یہ زیادہ مناسب ہے، البتہ اگر وہاں نماز پڑھنے والے کسی ایسے شخص کو تجویز کریں، جس میں زیادہ اہلیت وصلاحیت ہو تو پھر اسی کو ترجیح ہوگی، اس لئے کہ زیادہ صالح اور اہل کی تجویز کرنے کی مصلحت ومنفعت نمازیوں کو ہی حاصل ہوگی، یہ کہ اذان صحیح وقت پر ہوگی اور جماعت میں سنتوں اور مستحبات کا بھی اہتمام ہوگا، جس سے نماز کا درجہ بلند ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۱۴۰۱ھ۔

حساب کتاب نہ دینے والے متولی کا حکم

سوال [۱۰۷۴۲]: بکر کو باتفاق نمازیوں کے ایک مسجد کا متولی بنادیا گیا، جب عمر کے علم میں آیا تو اس نے آکر نمازیوں کو خوب ڈانٹا اور دھمکایا اور کہا کہ اس کا متولی پہلے بھی میں تھا اور اب بھی میں ہی ہوں، عمر چونکہ دنیادار، مالدار، بااثر ہے، لوگ خاموش ہوگئے اور عمر متولی بن بیٹھا، عمر نے جس مسجد کا متولی اپنے کو بنایا ہے، اس کی آمدنی کے ذرائع ہیں، کچھ اوقاف ہیں، کچھ دکانیں ہیں، لوگ شادی بیاہ میں بھی روپیہ دیتے ہیں، چندہ بھی ہوتا ہے، لیکن عمر کوئی حساب نہیں دیتا، اگر حساب مانگا جاتا ہے تو لڑنے لگتا ہے، پولیس کی دھونس دیتا ہے اور کہتا ہے کہ متولی ہوں، جو چاہوں جہاں چاہوں اختیار کلی رکھتا ہوں، کسی کو بولنے یا پوچھنے کا مجھ سے کوئی حق نہیں، عمر کا یہ عمل ہے اور وہ اپنے اس عمل پر بے حد مصر ہے، اصلاح ناممکن ہے، اگر عام مسلمان ان باتوں کی وجہ سے اس کو تولیت سے علیحدہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ متولی ان حالات میں نماز پڑھانا چاہے تو نماز اس کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟

= "یرید إماماً ومؤذناً ویریدون الأصلح فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۱، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ انتظام اور حساب صحیح رکھتا ہے، خیانت ثابت نہیں تو الگ کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، کہ اس میں فتنہ ہے، اس لئے کہ جب سب نے بالاتفاق عمر کو متولی بنایا تو پھر اپنے اثر وقوت سے عمر زبردستی متولی بن گیا اور زائد ڈیوٹی کرتا، وہ پولیس کی دھونس دیتا ہے، جس سے سب خائف ہیں، تو اس کو الگ کیسے کریں گے، اگر وقف کی آمدنی کی جانچ واقف لوگوں سے کرانے کا انتظام کر دیا جائے تو یہ صورت قابلِ اطمینان ہوگی (۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۱ھ۔

متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

سوال [۱۰۶۱۲]: ۱... موضع ... میں ایک خراسانی پیر صاحب سید ابوالقاسم تھے، تقریباً صد

---

(۱) "وقدمنا أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيدية)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين حتى يثبتوا عليه خيانة".

(الدر المنتقى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن طعن في الولي طاعن لم يخرجه القاضي إلا بخيانة ظاهرة" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۲/۴۱۵، رشيدية)

(۲) "ويكره تقليد الفاسق، ويعزل به إلا لفتنة" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۴۸، ۵۴۹، سعيد)

"(إلا لفتنة) أي إلا إذا خيف حصول الفتنة من عزله بسبب فسقه فلا يسعى في عزله، لأن ضرر الفتنة فوق ضرر خلعه". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۷۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۳۹، دار المعرفة بيروت)

(۳) "قد علمت أن مشروعية المحاسبة للنظار إنما هي ليعرف القاضي الخائن من الأمين، لا لأخذ شيء من النظار للقاضي وأتباعه، والواقع بالقاهرة في زماننا الثاني، وقد شاهدنا فيها من الفساد للأوقاف كثيراً بحيث يقدم كلفة المحاسبة على العمارة والمستحقين، وكل ذلك من علامات الساعة المصدقة لقوله عليه السلام: إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظروا الساعة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۸، رشيدية)

وقف کی آمدنی کوغیر وقف میں خرچ کرنا

سوال [۱۰۷۶۵]: ۳..... مسلمانان کوٹلپاڑہ کی انجمن خادم الاسلام بکس کی آمدنی کے پیسہ کو قبرستان اور مزار شریف کی حفاظت اور دیگر بہتر کاموں میں صرف کرنے کی حق دار ہوسکتی ہے یا نہیں؟ الغرض ان رقموں کو کن کن جگہ پر خرچ کیا جائے؟

آمدنی کے واسطے مزار اور قبرستان کے لئے صندوق لگانا

سوال [۱۰۷۶۶]: ۴..... قبرستان اور مزار شریف کے لئے جو روپے کرتے ہیں، ان روپوں کو جمع کرنے کے لئے بکس لگانے کا حق دار انجمن خادم الاسلام ہوسکتا ہے یا مرحوم موصوف کا نائی(۱)؟

۵..... قرآن مجید سورۃ النساء کے آٹھویں رکوع میں ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ سبب نزول میں جو کلید عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت میں وارد ہوا ہے، اس کلید کے حکم پر بکس مذکور کی چابی کا حکم قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۳..... پیسہ دینے والوں کا مقصد اگر صرف مزار کے خادم کی امداد واعانت ہے تو انجمن کو اس پر قبضہ کرنے اور دوسرے کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں(۲)، اگر عام قبرستان کی حفاظت کی غرض ہے یہاں تنہا مزار کے خادم کے لئے مخصوص نہیں دیتے تو پھر جو لوگ سب قبرستان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، ان کو حق ہے کہ وہ پیسہ لے کر حسب صوابدید قبرستان کی ضروریات میں صرف کریں(۳)۔ عوام کے سامنے اس مسئلہ کو پیش

(۱) "نائی: نواسہ" (فیروز اللغات، ص: ۱۳۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۳/۲۴۴، إدارة القرآن كراچی)

"الوقف لو عين إنساناً للمصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في القواعد الفقهية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۹، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۳) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب

کرکے ان کا نظریہ معلوم کرلیا جائے کہ وہ کس مقصد کے لئے دیتے ہیں، اگر کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہو سکے تو دو صندوق قائم کردیے جائیں، ایک مزار کے قریب جو صرف خادم مزار کے لئے ہو، دوسرا عام قبرستان کے لئے، دونوں پر امتیازی نشان لگا دیا جائے، یا لکھ دیا جائے۔

۲ جب کہ خادم مذکور نے عام قبرستان کی خدمت وحفاظت کی ذمہ داری سے صاف انکار کردیا تو وہ خود ہی معزول ہوگیا (۱)، البتہ مزار کی خدمت کا وہ مقرر وذمہ دار ہے، وہ مزار اس کے بڑوں کا ہے، عوام کو یہ حق نہیں کہ اس کے بڑوں کے مزار کی خدمت سے معزول کردیں (۲)، البتہ اگر وہ خدمت نہیں کرتا تو یہ حق ہے کہ جو

= الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۴۳، سعید)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۶، إمدادية)

(۱) متولی وقف کو وقف کی ذمہ داریاں پوری کرنی ہے ورنہ وہ مستحق عزل ہوگا کہ قاضی اس کو معزول کرکے کسی ذمہ دار شخصیت کو متولی بنائے، البتہ وہ خود بخود معزول نہیں ہوگا۔

"وينزع وجوباً لو الواقف غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه" (الدر المختار) "وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي ... قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن ... وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به ... وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل كالقاضي على الصحيح المفتى به". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۰۸، مكتبه عربية كوئٹه)

(۲) "وما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف لا يجعل المتولي من الأجانب" (الدر المختار) "(قوله: وما دام أحد) ولا يجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۷/۲۰۲، حقانيه پشاور)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

معاوضۂ خدمت دیتے تھے وہ دینا بند کردیں (۱)۔

۳… جس مقصد کے لئے یہ رقمیں دی جاتی ہیں اسی مقصد میں خرچ کریں، بشرطیکہ وہ مقصد خلاف شرع نہ ہو (۲)، اگر قبرستان کے علاوہ کسی دوسرے کار خیر میں صرف کرنا چاہیں تو دینے والوں سے بذریعہ اعلان اجازت حاصل کرلیں جب خرچ کریں (۳)۔

۴… مدرسہ کے ذمہ دار کو حق ہے قبرستان کے لئے ایک شخص رکھے جو اس کی حفاظت ونگرانی کرے۔

۵… علم اور یہ مذکورہ قیاس کی ضرورت نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "القيم لا يأخذ ما يأخذ إلا بطريق الأجر ولا يستوجب الأجر بلا عمل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول: ۲/۳۶۹، رشيدية)

(۲) "شرط الواقف معتبر إذا لم يخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

"الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۸، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۲۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

(۳) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۹، رشيدية)

"وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۵/۸۶۰، إدارة القرآن كراتشي)

(۴) "إن معنى الحكم الشرعي الثابت بالنص بعينه إلى فرع هو نظيره ولا نص فيه" هذا الشرط، وإن

واقف نے تولیت کے لئے کسی کو متعین کردیا تو اس کے خلاف کرنا

سوال[۱۰۷۱۷]: ۱..... ایک مسلمان نے اپنی جائیداد وقف علی اللہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ تاحیات میں خود اس کا متولی ہوں گا اور بعد میری وفات کے زید متولی ہوں گے اور بعد وفات زید یا میری زندگی میں زید فوت ہو جائے تو بعد میرے تولیت ایک کمیٹی کو پہونچے گی، جس کے تین مقتدر حضرات جو مذہب اسلام رکھتے ہوں اور ضلع مظفر نگر میں رہتے ہوں ممبر ہوں گے، کیا واقف کو مندرجہ بالا واضح اور صاف ہدایت کی موجودگی میں ضلع مظفر نگر کے مسلمان باشندے کے علاوہ کسی دیگر ضلع کے باشندہ کو بھی جو مظفر نگر ضلع میں سکونت پذیر نہ ہوں، وقف کمیٹی کا رکن خلاف مرضی وخلاف منشاء واقف بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا ضلع غیر کے کسی فرد کو ممبر یا رکن بنا کر مسلمان مظفر نگر کی حق تلفی ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب تک واقف کی بیان کردہ شرط کی رعایت ہو سکے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۱)۔

لہذا ضلع مظفر نگر ہی کے تین مقتدر ومتدین حضرات کو تولیت کا ذمہ دار بنایا جائے، تین کے علاوہ اگر کمیٹی کے لئے زائد افراد کی ضرورت پیش آئے تو حسب مصالح غیر ضلع سے بھی لئے جا سکتے ہیں(۲)۔

= كان واحداً تسمية لكنه يتضمن شروطاً أربعة .. الرابع عدم وجود النص في الفرع". (نور الأنوار، بحث القياس، ص: ۲۳۱، رحمانيه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۶۷، إمداديه)

(۲) "نصبا لو ثبت بالوجه الشرعي عدم كفاية المشروط له النظر للقيام بأمور الوقف، ينصب القاضي له شريكاً في النظر للقيام بالمصالح على سبيل الاشتراك". (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف: ۲/۴۰۹، مكتبه غربية كوئته)

حسابات میں خرابی ہے تو وقف بورڈ کو اس سے زبردستی لینے کا کوئی حق نہیں، نہ قانوناً نہ شرعاً۔ اس سے تحفظ کی قانونی تدبیر اختیار کی جائے (۱)۔

۲... اس کا حکم نمبر ا کی طرح ہے، وقف بورڈ کو نہ دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۱ھ۔

☆.....☆...☆...☆.....☆

---

(۱) "وقدمنا أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة، وأن له إدخال غيره معه إذا طعن في أمانته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۱، رشيديه)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين حتى يثبتوا عليه خيانة"

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۵، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجد کے بارے میں سرکاری کاغذات کا اعتبار کیا جائے یا محلے کے پرانے لوگوں کا؟

سوال [۱۰۰۳۶]: ہمارے محلے میں آج سے اکیاون سال پہلے ایک جماعت کی زمین لکھی گئی ہے، اس زمین پر بنیاد ڈال کر زمین کا احاطہ کر لیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس زمین پر اور کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی ہے، مذکورہ زمین چندہ کر کے قیمتاً خریدی گئی ہے، جیسا کہ پرانے دفتر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ زمین ہمارے محلہ فلاں فلاں لوگوں کی جامع مسجد والوں کی ہے، جس محلہ کے لوگ اس زمین سے تقریباً پون میل دور رہتے ہیں، اب مذکورہ زمین کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد بنانے کے لئے یہ زمین خریدی گئی ہے اور مسجد کی اقامہ زمین کے نام سے مشہور ہے، مذکورہ زمین سے جامع مسجد تقریباً دو سو گز دور ہے۔

فی الحال ہم لوگوں نے اس کی تحقیق کی (ہماری عمریں ۲۵ سے ۵۰ سال کی ہے) اور اس سے واقف ہونا چاہا کہ حقیقت کیا ہے؟ تو اس کی تحقیق کے لئے چند اس محلے کے عمر رسیدہ لوگوں کو جن کی عمریں ۷۰ سے ۹۰ سال کی ہے، بلا کر پوچھا، یہ لوگ حاجی اور پنج وقتہ نمازی و شریعت کے پابند ہیں، ان لوگوں نے صحیح بات یہ بتائی کہ زمین مسجد بنانے کے لئے رکھی گئی لیکن ایک آدمی نے افریقہ سے چندہ کر کے بھیجا تھا، وہ رقم ختم نہ ہو جائے اس لئے اس کی زمین خریدی گئی تھی کہ اس پر کچھ جماعت کا مکان بنا لیا جاوے، جو جماعت کے برتن وغیرہ رکھنے کے لئے کام آسکے، اس حساب سے مذکورہ زمین خریدی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف بنیاد ڈال کر احاطہ کر دیا گیا تھا۔

اب جس شخص نے افریقہ میں چندہ کیا تھا وہ آدمی اپنے وطن میں (یہاں آیا تھا اور لوگوں کے ساتھ جھگڑا ہونے کے سبب کام ملتوی ہو گیا ہے، یہ حقیقت اسی سال کے بزرگوں کی بات سے معلوم ہوتی ہے، ہم لوگوں

نے پہلے کے جماعت کے دفتروں میں دیکھا تو ایک دفتر میں لکھا کہ "یہ زمین فلاں لوگوں نے جماعت کی زمین خریدی اس کا روپیہ ثمن سوا ایک دیا" اور دوسرے دفتر میں ایسا لکھا ہے کہ "فلاں لوگوں کی مسجد کی زمین خریدی، اس کا روپیہ ثمن سوا ایک نقد دیا" دونوں دفتروں میں ایسا الگ لکھا ہوا ہے۔ پھر مذکورہ چار بزرگوں سے گفتگو کی کہ دفتروں میں تو ایسا لکھا ہوا ہے، تو ان چاروں نے ہمارا دفتر دیکھے ہوئے کہا کہ جو پہلے دفتر اصل نقد اور ہمارا ہے اس میں جو لکھا وہ صحیح ہے اور اس کے دفتر میں جو لکھا ہے وہ غلط ہے، اب یہاں کے ۸۰ سال کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بات صحیح ہے، لہٰذا شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تو ظاہر ہے کہ ابھی وہاں مسجد نہیں بنائی گئی ہے، اس زمین کے متعلق کاغذ میں دونوں قسم کی باتیں ہیں، جو بیان پرانے زندہ لوگ دیتے ہیں کہ وہ اس وقت میٹنگ میں بھی حاضر ہوتے تھے، ان کے بیان پر اعتماد کرنا شرعاً درست ہے کیونکہ بیان بحث شرعی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۸۷ھ۔

بانی کی طرف مسجد کی نسبت کرنا

سوال[۱۰۷۷۰]: ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اس مسجد پر یہ لکھوا دیا (کہ مسجد حمیدیہ یادگار ڈاکٹر عبدالوحید) بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں، بعض کہتے ہیں کہ درست ہے، تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "لایقضی بمجرد الصکوک والکواغذ لخروجها عن الحجج الشرعیة، والحجة: البینة أو الإقرار أو النکول، وصرحوا بقبول الشهادة بالتسامع علی أصل الوقف". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوقف: ۲/۱۵۳، المکتبة العربیة کوئٹه)

"وتقبل فیه الشهادة بدون الدعوی والشهادة علی الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لإثبات أصله، وإن صرحوا به بالسماع فی المختار حفظاً للأوقاف القدیمة عن الاستهلاک". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۰۰-۴۰۱، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۰۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مسجد بنادی گئی اور مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رکھا گیا تو اس میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے(۱)۔ محض عبارت غلط کندہ ہونے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، بانی کی طرف مسجد کی نسبت میں کوئی اشکال نہیں، حدیث شریف میں مسجد بنی فلاں کہنے کی اجازت ہے(۲)۔ مسجد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں، اس کا مقصد یا تو بانی کی یادگار ہے یا محلہ میں واقع ہے، یا قریب ہے۔ غرض یہ اضافت المملوک الی المالک نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لأنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة فإنه يصير مسجداً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۵، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۶، رشيديه)

(۲) عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق ... الخ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۵۹، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب المسابقة بين الخيل وتضميرها: ۲/۱۳۳، سعيد)

(وسنن ابن ماجه، كتاب الجهاد: ۲/۲۰۹، قديمي)

(۳) "المساجد وإن كانت لله ملكاً وتشريفاً فإنها قد تنسب إلى غيره تعريفاً، فيقال: مسجد بني فلان، وفي صحيح الحديث أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وتكون هذه الإضافة بحكم المحلية كأنها في قبلتهم، وقد تكون بتحبيسهم، ولا خلاف بين الأمة في تحبيس المساجد والقناطر والمقابر وإن اختلفوا في تحبيس غير ذلك". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۹/۱۸، الجن: ۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"هذا باب في بيان إضافة مسجد من المساجد إلى قبيلة أو إلى أحد مثل بانيه أو الملازم للصلاة

مسجدوں کو شہید کرتے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال [۱۰۰۷۷]: دہلی کی تین مسجدیں جس ڈھٹائی کے ساتھ دہلی کارپوریشن کی طرف سے شہید کردی گئی اور ہندوستان کے کسی بھی مقام پر کسی وقت بھی غنڈوں یا سیوک پارٹیوں کی طرف سے اس طرح شہید کرنے کا خطرہ لگا ہوا ہے، ایسی صورت میں ہندوستان یا دہلی دار الامن قرار پاتا ہے یا دار الحرب؟ شہید کی ہوئی مسجدوں کے متعلق اب مسلمانانِ دہلی ہندوستان و دنیا کو کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا شہید کرنا خلافِ قانون ہے (۱)، قانونی چارہ جوئی کی جائے، اگر کوئی حرکت کسی شہر یا ملک میں خلافِ قانون سرزد ہو اور اس پر حق حاصل ہوتے ہوئے بھی قانونی چارہ جوئی نہ کی جائے تو اس سے اس شہر یا ملک کا حکم نہیں بدلے گا، بلکہ اس کو اپنی کمزوری اور کوتاہی قرار دیا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

= فيه، هل يجوز أن يقال ذلك؟ نعم يجوز ذلك، والدليل عليه حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ... والجواب عن تمسكه بالآية أن الإضافة فيها حقيقة وإضافتها إلى غيره إضافة تمييز وتعريف". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۴/۲۳۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۵۲۸، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى: خراب المساجد قد يكون حقيقياً كتخريب بخت نصر والنصارى بيت المقدس على ما ذكر أنهم غزوا بني إسرائيل لقتلوا ... وألقوا في بيت المقدس العذرة وخربوه ... ويكون مجازاً كمنع المشركين المسلمين حين صدوا عن المسجد الحرام ... وبالجملة فنقول: لا يجوز نقض المسجد، ولا بيعه، ولا تعطيله". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: وظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه ... (وسعى في خرابها) أي: هدمها، وتعطيلها". (روح المعاني: ۱/۳۶۳-۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن طارق بن شهاب قال: قال أبو سعيد: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من رأى =

ایک مسجد کے متعلق اختلاف کہ وہ سنیوں کی ہے یا شیعوں کی

سوال [۱۰۶۶۴]: ایک مسجد جو اب سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل مختلف قوم کے افراد نے بنوائی تھی، جس میں حضرات سادات اہل سنت والجماعت بھی شریک تھے، زمین کے متعلق زیادہ قرینہ یہ ہے کہ حضرات سادات کی دی تھی، جو مذہباً اہل سنت والجماعت تھے۔ مسجد جب سے عالم وجود میں آئی اس وقت سے جماعت تقریباً متفقہ طور اہل سنت والجماعت کے کنٹرول میں چلی آرہی ہے۔ شیعہ صاحبان تب سے ایک آدھ آدمی نماز پڑھتے رہتے ہیں، تقریباً ۷۰-۸۰ سال قبل یہ مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی، اس مرتبہ مسجد مذکور کی تعمیر ایک بیوہ عورت جو کہ شیعہ ہوتی تھی اس نے کچھ رقم دی تھی اور بقیہ رقم ایک سنی صاحب نے دی، باقی کل محلے کے تمام اہل د[illegible] نے مل کر دی، مسجد تعمیر ہوئی جب سے آج تک اہل سنت والجماعت کی نگرانی میں رہی، تمام اخراجات امام و مؤذن دیگر ضروریات کے کفیل اہل سنت والجماعت ہیں۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے شیعہ صاحبان نے خفیہ طور سے مسجد مذکور کو شیعہ وقف بورڈ لکھنؤ میں وقف کردیا، جس کا علم اہل سنت والجماعت کو بالکل نہیں ہوا، اس مسجد کے بارے میں شیعہ صاحبان کا اصرار ہے، اسی نسبت پر دونوں کو ایک جگہ جمع کرا کے وقف کرادیا، پھر سنی سنٹرل وقف بورڈ کی جانب سے امام مسجد کے نام نوٹس آیا کہ آپ اس مسجد کو وقف کرادو، چنانچہ جب امام صاحب نے قدم اٹھایا تو شیعہ صاحبان نے شیعہ وقف بورڈ کا وقف نامہ پیش کرکے ہمارا وقف بند کردیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ مسجد ہمارے بڑوں نے بنائی ہے لہٰذا یہ مسجد ہماری ہے، صورت حالات کی تحقیق کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس مسجد کا حق دار کون ہیں؟

نوٹ: ۱۹۶۷ء کے بندوبست میں مسجد مذکور کے رقبہ میں مسجد تحریر ہے، امام باڑہ کا کوئی ذکر نہیں۔

---

* منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان». (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۲/۲۶۹، دار المعرفة بيروت)

(وسنن ابن ماجة، باب ما جاء في صلاة العيدين: ۳/۲۲۲، دار الجيل)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر: ۴/۳۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں تحریر کردہ حالات کے پیشِ نظر وہ مسجد اہلِ سنت والجماعت کی مسجد ہے، مسجد کے لئے زمین وقف ہونے کے بعد اگر کسی دفعہ تعمیر میں غیر مسلم بھی چندہ دے دے تو اس کو دعویٰ ملکیت کا حق نہیں ہوجاتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۰ھ۔

گیلری داخلِ مسجد ہے یا خارجِ مسجد؟

سوال [۱۰۶۶۳]: ایک دو منزلہ مسجد ہے، جس کے اوپر کی منزل کی گیلری باہر کو نکلی ہوئی ہے اور اس کے نیچے عام راستہ ہے، جس طرح عموماً کوٹھیوں اور بلڈنگوں کی گیلری باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے، زید نے کہا کہ گیلری مسجد کے باہر کے حصہ میں ہے، یعنی خارج عن المسجد ہے، لہذا وہاں کھڑے ہوکر جماعت میں شامل ہونے سے جماعت کے برابر ثواب نہیں ملے گا، عمر نے کہا کہ گیلری مسجد ہی میں شمار ہے، لہذا وہاں کھڑے ہونے سے جماعت خانہ کی نماز کے برابر ہی ثواب ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گیلری راستہ کے اوپر بنائی گئی ہے وہ خارج عن المسجد ہے(۲)، جب تک جماعت خانہ (مسجد) میں

---

(۱) "فإذا تم ولزم لا یملک، ولا یملّک، ولا یعار، ولا یرھن". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وحاصله: أن شرط کونه مسجداً أن یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العباد عنه لقوله تعالی: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشیدیہ)

"إن المسجد خالص لله سبحانه، لیس لأحد فیه حق، قال الله تعالی: ﴿وأن المساجد لله﴾ - مع العلم بأن کل شيء له فکان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

جگہ ہو، گیلری میں کھڑے ہونے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، مسجد پُر ہو گئی ہو تو گیلری میں مجبوراً کھڑے ہونے سے ثواب میں کمی نہیں آئے گی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مکان، مسجد شرعی کب بنتا ہے؟

سوال[۱۰۷۷۴]: ہمارے ایک قریہ میں ایک گھر کو مسجد کا نام رکھ کر نماز ادا کی جاتی تھی، اب اس گھر کے پینتیس گز فاصلہ پر زید نے اپنی خالی جگہ مسجد کے لئے دے دی اور مسجد بنادی گئی، اس میں نماز ادا کی جارہی ہے، اب زید اپنی خالی جگہ جو مسجد کے لئے جو دے چکا ہے، اس کے عوض پہلے (جس کا نام مسجد رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے، اب بیکار ہے) کو اپنے بودوباش کے لئے رکھ لینا چاہتا ہے، اس گھر کو توڑ کر مکان تعمیر کرانا چاہتا ہے، تو آیا یہ صورت از روئے شرع جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس گھر کو وقف کردیا اور اپنا مالکانہ قبضہ اٹھا کر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دے دیا تھا کہ اس میں اذان وجماعت ہوتی تھی اور جب جس کا دل چاہے وہاں آکر نماز پڑھ لیتا تھا، کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور اس شخص کا رہنا سہنا اس میں نہیں تھا، نہ وہاں اس کا سامان رکھا ہوا تھا، تو وہ مکان شرعی مسجد ہے(۲)، اب اس کو

---

(۱) "الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد، ولم يجد موضعاً، يصلي فيه فلابأس به". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۲۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، باب مايكره للمصلي: ۲/۲۳۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن بالصلاة فيه، وإذا –

واپس لینے کا حق نہیں رہا(۱)، اگر اس طرح اس کو مسجد قرار نہیں دیا گیا تھا، بلکہ دوسری کوئی جگہ نماز کے لئے نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر جب تک کوئی جگہ میسر آئے، نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، نہ اس کو وقف کیا تھا، نہ ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دیا تھا، نہ اپنا مالکانہ قبضہ اٹھایا تھا تو وہ مسجد شرعی نہیں(۲)، اب دوسری جگہ مل جانے کے بعد اس کو حق ہے کہ اس میں رہنا سہنا شروع کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۸۷ھ۔

= صلی فیه واحد زال ملکه. أما الإفراز فلأنه لا یخلص لله تعالی إلا به، وأما الصلاة فیه، فلأنه لا بد من التسلیم عند أبي حنیفة". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۱۶، رشیدیه)

"وإذا بنی مسجداً لا یصیر مسجداً حتی یفرزه بطریقه ... ویفتح الباب، ویؤذن فیه ویقیم، ویأذن للناس بالدخول فیه عامة، فیصیر مسجداً إذا صلی بجماعة فیه". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، قدیمي)

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالی عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی: إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلم جاز ولا یکون له أن یرجع". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشیدیه)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم یکن له أن یرجع فیه، ولا یبیعه، ولا یورث عنه؛ لأنه یحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في العنایة علی هامش فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۲) "رجل له ساحة لا بناء فیه، أمر قوماً أن یصلوا فیها بجماعة ... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات یکون میراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبید، والتوقیت ینافي التأبید". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فیها، أمر قوماً أن یصلوا فیها بالجماعة، فهذا علی ثلاثة أوجه: ... وأما إن وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لا تصیر الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، ۸۴۱، قدیمي)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۴۹، مکتبه بشاور)

عارضی مسجد کا حکم

سوال [۶۸۸۸]: آج سے تقریباً ۲۸ سال قبل میرے گاؤں کے دو پیر مرشدوں کے مریدوں کے دو گروہوں میں کسی مسئلہ پر جامع مسجد میں کشیدگی ہوگئی، جس کی بناء پر ایک گروہ عارضی طور پر تصادم سے بچنے کی غرض سے ایک بڑے مکان پر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ بعد ازیں پھر دونوں گروہوں میں اتفاق واقع ہو جاتا ہے اور پھر ایک ہی ساتھ جامع مسجد میں نمازیں ادا کرتے ہیں، مگر آج ۲۸ نومبر ۱۹۷۱ء کو چند حضرات اس قطعہ اراضی کو مسجد قرار دے کر اس شخص کو جو یقیناً اس کا اصل حقدار ہے، گھر خالی کرنے کو کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں اس شخص کو اس قطعہ اراضی کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ بیوی بچوں والا شخص جو عرصہ ۲۰ سال سے مقیم ہے، بے گھر ہو جاتا ہے۔ اب حضور والا سے التماس ہے کہ ایسی صورت میں اس شخص کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قطعہ اراضی کے لئے کیا فتویٰ ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مکان کو وقف نہیں کیا گیا اور مالک نے اپنا قبضہ مالکانہ نہیں اٹھایا، بلکہ عارضی طور پر وہاں کچھ روز تک نماز پڑھی گئی تو اس سے شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہوا، بدستور مالک کی ملک ہے، اس کو اس سے زبردستی خالی کرانے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيه، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، رشيدية)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة ... إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۰۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۲، ۸۵۱، قديمي)

عارضی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد اور اس میں اعتکاف کا حکم

سوال [۱۰۷۷۹]: جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں ساٹھ سال سے ایک مسجد تھی جس میں علاوہ پنجگانہ نماز جمعہ وتراویح کی پابندی کے ساتھ اعتکاف بھی رمضان میں ہوتا تھا، مسجد کی توسیع کے خاطر اسے شہید کردیا گیا اور دوسرے مکان میں مسجد کا بعض اثاثہ مثلاً: فرش، منبر وغیرہ کو منتقل کیا گیا اور وہاں اسی پابندی کے ساتھ مقررہ امام ومؤذن کے ساتھ پنجگانہ نماز وجمعہ ہونے لگا، رمضان میں معتکفین نے اعتکاف کرنا چاہا تو ایک مولوی صاحب نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ مسجد نہیں ہے، اس میں اعتکاف نہیں ہوگا، اعتکاف کے لئے مسجد ہونا شرط ہے، وہ لوگ اعتکاف سے رک گئے اور اعتکاف نہیں ہوا۔

کیا مذکور مولوی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اعتکاف نہ کرنے کی وجہ سے محلہ گاؤں والے گنہگار نہیں ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد شرعی وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو، عارضی طور پر اگر کسی جگہ اذان وجماعت کی جائے، مثلاً: اصل مسجد کی تجدید وتعمیر کی خاطر، تو وہ جگہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)، اعتکاف شرعی مسجد میں ہوتا ہے(۲)، عورت البتہ اپنے مکان کی کسی ایک مخصوص جگہ میں جہاں وہ نماز پڑھتی ہو،

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيه، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۰/۳، ۲۹۱، رشيدية)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة، فهذا على ثلاثة أوجه: .....
وإن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۴۵/۵، ۸۴۶، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۲۹/۷، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما شروطه (الاعتكاف) ... ومنها مسجد الجماعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۱/۱، رشيدية)

"وهذه العبادة أي: الاعتكاف لا تؤدي إلا في مسجد". (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف: ۲/۲۸۰، رشيدية) ...

اعتکاف کرسکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے دی ہوئی زمین پر مسجد بنانا

سوال [۱۰۷۷۷]: ۱..... ہری نگر جہاں مسلمان تقریباً ایک سو ہیں اور وہ جگہ ایسی ہے کہ سرکار کے حکم کے مطابق وہاں آدمی نہیں رہے گا، کیونکہ وہ اس جگہ میں ایک پتھر کا (ڈیم) باندھ پانی روکنے کے لئے تیار کر رہے ہیں، پانچ سال میں ختم ہوجائے گا، وہاں اکثر سرکاری آدمی ہی رہتے ہیں، جن کی تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، مزدور طبقہ سے لے کر افسر تک سب کی مجموعی تعداد ۱۰۰/ ہے، وہاں مسجد نہیں ہے، بلکہ ایک ہال میں نماز ادا کی جاتی ہے، ایسے وقت میں اگر حکومت کے لوگ مسجد بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۲..... مسلمان افسر کے ماتحت سیمنٹ اور مسجد بنانے کے سارے لوازمات ہیں، کیا ان کو تصرف کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر مناسب رائے اور اہل تدبر وہاں مسجد بنانا مفید سمجھتے ہیں تو بنالیں۔ اللہ پاک اس کے آباد رہنے کا انتظام فرمائے۔

۲..... اگر سرکار کی طرف سے اس کام کے لئے سیمنٹ وغیرہ خرچ کرنے کی اجازت ہے، تو درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۱/۲۲۱، رشيدية)

(۱) "(قوله: والمرأة تعتكف في مسجد بيتها) يريد به الموضع المعد للصلاة؛ لأنه أستر لها".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۸، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيدية)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: =

نماز کے لئے بنائے گئے چبوترے کو شرعی مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں:

ایک اراضی جس کا رقبہ تقریباً ۱۲/ بیگھہ کا ہے، اس اراضی کے ایک حصہ میں مالکانہ قبضہ رہتے ہوئے اپنے مردے دفن کرتے چلے آرہے ہیں اور کافی معتدبہ حصہ اراضی مذکورہ کا نمبر ہی نمبر جو مذکورہ اراضی میں مدت سے ایک مسجد بشکل چبوترہ بنی ہوئی ہے، مالکان نے لکھا اجازت دی جس میں مسلمان نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ جگہ وقف قبرستان نہیں ہے اور اس میں چبوترہ نماز کے لئے موجود ہے اور مالکان کی اجازت ہے تو اس کو مسجد کی شکل دے کر تعمیر کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے دکانیں

سوال[۱۰۷۷۹]: ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس کے نیچے دکانیں اور اوپر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئته)

(وكذا في السنن الكبرى للبيهقي: ۶/۱۶۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني الفوائد: ۲/۲۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۳/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

نئی مسجد اور پرانی مسجد میں نماز

سوال [۱۰۷۸۰]: ضلع ۲۴ پرگنہ کے ایک مسجد میں تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی ایک چھوٹی سی جامع مسجد تھی اور اس میں صرف ۲۰، ۲۲ کے قریب نمازی نماز پڑھتے ہیں، اس کے بعد آج سے تقریباً ایک سو سال قبل ایک زمیندار آدمی نے چاہا کہ یہ مسجد چھوٹی سی ہے، مصلیان کا گزارا نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے مسجد کے نام پر ایک سو بیگھہ دھان زمین اور پانی خانہ وقف کردیا جو بہت بڑا شاندار پختہ گنبد والا ہے، بجلی اور پنکھے بھی لگوا دیئے ہیں اور اب اس میں ساٹھ ستر مصلی نماز پڑھتے ہیں، جب وہ مسجد بنائی گئی اس وقت کوئی جھگڑا وغیرہ بھی نہیں ہوا اور سب نے مل جل کر مسجد بنائی اور سب کے سب آج تک نماز پڑھتے آرہے ہیں۔

ابھی وہ ایک آدمی بتلا رہے ہیں کہ پہلے والی چھوٹی مسجد کا کچھ نہیں ہے اور اس مسجد سے یہ نئی مسجد جو کہ تقریباً ۲۵، ۳۰ ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، مگر وجہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، اس لئے بڑی مسجد اس کے ساتھ (ملاوٹ) ایک ساتھ نہیں لگا سکتے، البتہ وہ جگہ بیکار پڑی ہوئی ہے، تو اب چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ چھوٹی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، ویسے آج تک سب لوگ اس نئی مسجد میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، لہٰذا اس چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا، میں نے یہ کہا ہے کہ جب مسجد کے اردگرد قبرستان ہے جب وہ چھوٹی سی جگہ ۲۲، ۲۵ آدمیوں کے نماز پڑھنے کا وہ قبرستان میں لگادینے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طریقہ پر مسجد بنادی گئی ہے اور وہاں اذان جماعت شروع ہوجائے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو (۱)، جب نئی مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی اذان

= متعلقاً به .... وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون علوه وسفله مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "قال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيدية)

"ولو خرب ما حوله، واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه =

وجماعت سب درست ہے(۱)۔ پرانی مسجد کا کوئی نشان اب موجود نہیں لیکن اگر دلیل سے ثابت ہو جائے کہ یہاں سے یہاں تک مسجد تھی تو اب اس کو قبرستان کے کام میں لانے کی اجازت نہیں، بلکہ اس جگہ کو قبر سے محفوظ کر دیا جائے تاکہ وہاں مردے دفن نہ ہوں(۲)، اور اذان نماز سے اس پرانی چھوٹی مسجد کو بھی آباد کیا جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۹۰ھ۔

غیر موقوفہ زمین سے مسجد ہٹا کر وہاں بیٹھک بنانا

سوال [۱۰۷۹۱]: ایک قطعہ زمین پر تقریباً نصف صدی سے ایک مسجد قائم ہے لیکن جس جگہ مسجد قائم ہے وہ جگہ وقف شدہ نہیں ہے، باوجود اس کے مسجد عام ہے، پنج گانہ جماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، اذان ہوتی ہے وغیرہ۔ اب محلہ والوں کا خیال ہوا ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹالی جائے، دوسری جگہ بنالی جائے اور اس خالی شدہ مسجد کی جگہ کو اپنے تصرف میں لائے مثلاً بیٹھک یا اصطبل کے، بچے کی جگہ بنالے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹانا اور خالی شدہ جگہ کا اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے

یفتی". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"وقال أبو يوسف: يبقى مسجداً أبداً" (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(و) "وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس فيه، فيصلي فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۲۰، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۰۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسجد پر مطلق زور دیتے ہیں، خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ، لیکن سہارنپور سے فتویٰ آیا ہے کہ غیر موقوفہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد کو ہٹانا درست ہے اور اس جگہ کو ہر قسم کے تصرف میں لانا بھی درست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کی اجازت اور رضامندی سے وہاں مسجد قائم کی گئی اور اذان اور جماعت پنجگانہ وجمعہ واذان عام سب کچھ نصف صدی سے ہورہا ہے، تو وہ شرعی مسجد ہے، اس کو وہاں سے ہٹانا اور اس جگہ بیٹھک یا تیل کے رہنے کا گھر بنانا جائز نہیں، مسجد کے لئے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں، نہ زبان سے اس کو یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ مسجد ہے، بلکہ مذکورہ بالا صورت حال کافی ہے۔

لیکن اگر بغیر مالک کی اجازت ورضامندی کے زبردستی بطور غصب اس زمین پر قبضہ کرلیا گیا اور مسجد بنالی گئی اور مالک اس کو واگزار کرانے سے عاجز ومجبور رہا تو شرعاً وہ مسجد نہیں ہوئی، اس کو وہاں سے ہٹانا لازم ہے، غالباً سہارنپور کا فتویٰ اس صورت کے لئے ہوگا۔

"لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح (إلى قولها) وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعلاه مسجداً، كذا في رد المحتار نعمانية: ١/٣٥٩"(١).

"ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل أي: بالصلوة فيه. ففي شرح الملتقى: أنه يصير مسجداً بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجداً أو أذن للناس بالصلوة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً اه"(٢).

---

(١) (رد المحتار، كتاب الوقف: ٤/٣٢١، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها". (فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/٢٠١، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣١٣، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ٢/٥٦٧، ٥٦٨، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ٤/٣٥٦، سعيد)

"فإذا تم ولزم لايملك أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، ولايعار، ولا يرهن لاقتضائهما الملك الخ"(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ۔

حکومت کی دی ہوئی زمین پر مسجد کی تعمیر کرنا

سوال[۱۰۷۸۴]: اسلامیہ اسکول ایک ہندو کی زمین پر واقع ہے، جو موجود ہے اور موجودہ حکومت کے قانون کے تحت گاؤں سماج یعنی پنچایت کے تحت ہے اور زمینداری کے زمانہ میں اسی ہندو کی تھی اور اس کے نیچے ایک تالاب ہے، ناظم مدرسہ نے اس زمین کو سرپنچ (۲) پردھان (۳) وممبران پنچایت سے مدرسہ کے نام پنچایتی قانون کے اعتبار سے مدرسہ کے نام کرالیا ہے، جس کا مقدمہ ہندو مدرسہ سے باقاعدہ لڑرہے تھا۔

جواب طلب یہ ہے کہ مدرسہ مقدمہ جیت گیا تو اس کے اوپر مسجد بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تمام زمینوں کی مالک حکومت ہے اور حکومت کے کارکنان نے یہ زمین مدرسہ کے نام پر لکھدی،

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۹/۵، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، ۳۵۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "سرپنچ: پنچایت کا سربراہ، پنچوں کا سردار، صدر، میر مجلس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پردھان: صدر، گاؤں کا مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۶، فیروز سنز لاہور)

تو یہ زمین مدرسہ کی ملک ہوگئی، مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر اس میں مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے(۱)۔

نظیره في الهداية: "وإذا غلب الترك على الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها" هدایه: ۲/۵۴۸(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۰ھ۔

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرکے مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۱]: گاؤں والوں نے ایک زمین پر ناحق قبضہ کرلیا اور مقدمہ لڑا کر مقدمہ جیت لیا اور اس پر مسجد بنالی، جب کہ ایک مسجد پرانی موجود ہے اور وہ بھی نمازیوں سے پُر نہیں ہوتی، کیا یہ مسجد شرعی مسجد ہوئی اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی اور جس نے مقدمہ لڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنا اور غلط مقدمہ لڑا کر اس کو حاصل کرلینا اور اس پر مسجد تعمیر کرلینا شرعاً درست نہیں(۳)، یہ کوئی دین کا کام نہیں ہے، یہ تو ظلم ہے(۴)۔ جب کہ ایک مسجد پرانی وہاں موجود ہے، وہی

---

(۱) "ولو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الهداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۵۸۰، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۵/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(۳) "ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها ودفع ثمنها إليه أو صالح على مال، دفعه إليه لا تكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم

نمازیوں سے پُر نہیں ہوتی تو دوسری مسجد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟! تاہم اگر مسجد بنالی گئی تو اس کی جتنی قیمت ہے، وہ مالک کو دی جائے یا اس کے عوض زمین دی جائے (۱)، وہ مالک خوشی سے پھر اس زمین کو مسجد کے لئے دے دے تو ٹھیک ہے اور شرعاً درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۱۴۰۰ھ۔

غیر مسلم کا حرم میں داخلہ کیوں ممنوع ہے؟

سوال[۱۰۷۸۳]: مکہ میں غیر مسلموں کو داخل کیوں نہیں ہونے دیتے؟ جب کہ ادارے

= يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"علم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب. ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۳، ۵۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۹/۱۹۶، رشيديه)

(۱) "ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها. وقال: ومن غصب ساحة فبنى عليها زال ملك المالك عنها، ولزم الغاصب قيمتها". (الهداية، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب: ۳/۳۷۶-۳۷۸، رحمانيه)

"ويجب رد عين المغصوب أو مثله إن هلك وهو مثلي، وإن انقطع المثل فقيمته يوم الخصومة". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۲، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب: ۵/۱۱۹، رشيديه)

(۲) "لو أجاز المالك وقف فضولي جاز". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعيد)

"ولو وقف ضيعة غيره على جهات فبلغ الغير فأجازه جاز بشرط الحكم والتسليم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۴، رشيديه)

ہندوستان میں مسلمان اور ہندو مل کر رہتے ہیں اور تمام ہندو لوگ مسلمان پیروں کے زیارت پر جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہی دربار میں وہی جاسکتا ہے جس کے پاس شاہی پروانہ ہو، دوسرا شخص نہیں جاسکتا، شاہی پروانہ ہے یہاں ایمان ہے جس کی علامت ہے "لا إله إلا الله محمد رسول الله"(۱) ہندو بھی اپنے مخصوص اور متبرک مقامات پر دوسروں کو آنے کی اجازت نہیں دیتے، بعض تیرتھ(۲) ایسے ہیں کہ وہاں کوئی غیر ہندو گھس (داخل) نہیں کرسکتا، تمام مساجد کا یہ حال نہیں، حرم محترم کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆ ... ☆.... ☆... ☆

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبة: ۲۸)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله ..." (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب أركان الإسلام، ص: ۱۹، دار السلام)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم، ص: ۵، دار السلام)

(۲) "تیرتھ: تباتھ کی جگہ، مقدس مقام یا مندر جہاں لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۳، فیروز سنز لاہور)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

دومنزلہ مسجد بنانا

سوال [۱۰۴۸۵]: دومنزلہ مسجد کا بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۹ھ۔

مسجد کی تعمیر کنکریٹ کے ذریعہ کرنا

سوال [۱۰۴۸۶]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں کنکریٹ ڈالنا بدعت ہے، بعض کہتے ہیں کہ بدعت نہیں، مسجد نبوی میں کنکریٹ موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! مسجد نبوی میں بھی کنکر موجود تھی اور اب بھی کچھ حصہ میں ہے، مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں بھی جگہ جگہ کنکر موجود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "لأنه مسجد إلى عنان السماء". (الدر المختار) "وكذا إلى تحت الثرى" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"صرح في الإسعاف: بأنه إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً". (الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم

سوال[۱۰۶۸۶]: تقریباً سو سال ہوگئے ہیں کہ ایک جامع مسجد میں تعلیم وتدریس جاری ہے اور اس تعلیم وتدریس کے لئے جو عالم کو رکھا جاتا ہے، وہی عالم پنجگانہ نماز وعیدین کی نماز اور جنازہ کی نماز پڑھانے اور جمعہ کی نماز پڑھانے کا ذمہ دار رہتا ہے، اس گاؤں میں دو عالم ہیں، وہ دو عالم بھی جب کبھی تعلیم وتدریس دیتے رہے، ان دونوں پر بھی بالا مذکورہ موقوف تھا، لیکن چند سال سے ان دونوں عالم کو تعلیم وتدریس کے لئے نہیں رکھا گیا اور دوسرے عالم کو رکھا گیا۔

اب گاؤں کے دونوں عالم نے جھگڑا شروع کیا، تب گاؤں کے عالم کہنے لگے کہ موجودہ عالم کے پیچھے دونوں کی نماز صحیح اور درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہم دونوں ان سے بڑے ہوئے ہیں۔ اور پڑھے ہوئے کے ساتھ کم عمر کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی، اس بات کے فیصلہ کے لئے ایک نامی گرامی عالم کو بلایا گیا، اس نامی گرامی عالم نے موجودہ عالم کو باطل قرار نہیں دیا اور کہا اس موجودہ عالم کے پیچھے بڑے چھوٹے مولوی ہوں یا عالم، سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن اس فیصلہ کے لئے جامع مسجد میں لوگ جمع ہوئے اور چند لوگ فساد کے خوف کی وجہ سے کچھ ہتھیار مسجد کے آس پاس مکان میں رکھے تھے، فیصلے کے بعد گاؤں کے دو عالم نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کر دی، تب گاؤں کے دونوں عالم سے پوچھا گیا آپ دونوں عالم نے کیوں دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کر دی؟ تو انہوں نے کہا: کہ دونوں عالم کو مارنے کے لئے مسجد کے آس پاس مکان میں ہتھیار جمع کیا تھا، یہ مسجد ضرار ہوگئی اور مسجد ضرار میں نماز پڑھنی درست نہیں۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ مسجد حقیقت میں مسجد ضرار ہوگئی؟ اور ان دونوں عالموں نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد نیک نیت سے بنائی گئی اور مدت تک اس میں سب متفق ہو کر نماز پنج وقتہ ادا کرتے رہے، اب اگر کسی وجہ سے اختلاف و نزاع کی نوبت آگئی تو اب اس قدیم مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا (۱) اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، اختلاف و نزاع ختم کر کے اس میں نماز ادا کیا کریں، عالم باعمل کو امام بنانا اولیٰ بات ہے (۲)۔ اگر کسی وجہ سے کسی غیر عالم کو امام بنایا جائے اور طہارت و نماز کے مسائل سے واقف اور صحیح طریقہ پر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے بھی عالم کی نماز ہو جاتی ہے (۳) اگر اس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لمسجد أسس على التقوى من أول يوم أحق أن تقوم فيه﴾ (التوبة: ۱۰۸)

"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه يقول: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: من بنى مسجداً، قال بكير: حسبت أنه قال: يبتغي به وجه الله، بنى الله له بيتاً في الجنة" (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجداً: ۱/۶۴، قديمي)

"إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحة وفساداً، بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۸، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۳۹۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۴) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: المصر ... أو فناؤه، والسلطان ... ووقت الظهر ... والخطبة فيه ... وكونها قبلها ... والجماعة ... والإذن العام". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة.

ایک مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ بنانا کیا مسجدِ ضرار کے حکم میں ہوگا؟

سوال[۱۰۷۹۹]: مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں دو مدرس رکھے تھے، جو کہ اسی مدرسہ کے شاگرد بھی ہیں، بہت عرصہ تک وہ مدرس رہے، لیکن ٹھیک کام نہ کیا، جس وقت میں نے کام شروع کیا وہ اڑھائی سو طلباء کو اکیلا تعلیم دیتا رہا، ہر سال دو چار حافظ ہو کر تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے، اس کے بعد ان لوگوں کو رکھا گیا تو تعداد طلباء سو رہ گئی، امتحان کے لئے باہر سے علماء کو بلایا تو نتیجہ ان طلباء کا ناقص رہا، مجبوراً میں نے ان میں سے دو مدرسوں کو علیحدہ کر دیا، اس کے بعد ان مدرسوں نے مخالفت شروع کی اور چند بچے لے کر مسجد میں بیٹھ گئے، مدرسہ قدیم کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو آپ لکھیں یہ مدرسہ ضرار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے، جس کو ختم کر دیا گیا تھا(۱)، اسی موقعہ پر تفسیر مظہری مدارک

= ۲/۱۴۷-۱۵۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۳، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيدية)

(۱) "قال أهل التفسير: إن بني عمرو بن عوف اتخذوا مسجد قباء، وبعثوا للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن يأتيهم، فأتاهم فصلى فيه. فحسدهم إخوانهم بنو غنم بن عوف وقالوا: نبني مسجداً ونبعث إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ليصلي لنا كما صلى في مسجد إخواننا ... فأتوا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يتجهز إلى تبوك فقالوا: يا رسول الله قد بنينا مسجداً لذي الحاجة والعلة ... ونحب أن تصلي فيه، وتدعو بالبركة، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إني على سفر وحال شغل فلو قدمنا لأتيناكم وصلينا لكم فيه. فلما انصرف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من تبوك أتوه ... فدعا بقميصه ليلبسه ويأتيهم، فنزل عليه القرآن بخبر مسجد الضرار، فدعا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مالك بن الدخشم ومعن بن عدي وعامر بن السكن ووحشياً قاتل حمزة فقال: انطلقوا إلى هذا المسجد الظالم أهله فاهدموه وأحرقوه، فخرجوا مسرعين ... فأحرقوا المسجد وهدموه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التوبة: ۱۰۷: ۴/۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۱۱/۱۷، ۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

دالکلیل وغیرہ میں لکھا ہے کہ جو مسجد باقاعدہ مسجد بنادی جائے یعنی اس کو وقف کرکے نماز، اذان، جماعت اس میں شروع کردی جائے تو وہ شرعاً مسجد ہو جائے گی، بنانے والے کی نیت اگر خراب ہو اور دوسری مسجد کو نقصان پہنچانے کی نیت سے مخالفت کی بناء پر بنائی ہو، تب بھی اس کو مسجد ضرار قرار دے کر مسمار نہیں کیا جائے گا(۱)، تو بنانے والا اپنی نیت کا پھل آپ ہی کھائے گا اچھا ہو یا برا(۲)۔ مگر نماز اس مسجد میں بھی درست ہوگی، اس لئے اگر ایک مدرسہ کی مخالفت میں کوئی مدرسہ قائم کرے گا اور دینی تعلیم دے گا تو اس کو مدرسہ ضرار قرار دے کر ختم کرنے کا حکم نہیں۔ بلاوجہ مخالفت کرنے والا اپنی خراب نیت کا نتیجہ خود بھگتے گا، دیکھنے والے خود دیکھ کر سمجھ کر جہاں

= (وكذا في تفسير ابن كثير: ۲/۱۱۵، مكتبه دار السلام)

(۱) تفسیر مظہری، مدارک میں مسجد ضرار کے بحث میں ایسی کوئی عبارت نہیں مل سکی۔ نیز ایسے موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عام طور پر اس بات کے مفہوم مخالف سے استدلال فرماتے ہیں۔

”كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار“. (تفسير المدارك، التوبة: ۱۰۷: ۱/۱۵۱، قديمي)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۲/۳۱۰، دار الكتاب العربي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نیز "اکلیل" نامی کتاب تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔ البتہ فقہی کتب میں ایسی عبارتیں موجود ہیں

”يعني أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً“

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۰، قديمي)

”إن جعل أرضاً له مسجداً لعامة المسلمين وبناها، وأذن للناس بالصلاة فيها، وأبانها من ملكه فأذن فيه المؤذن، وصلى الناس جماعة صلاة واحدة أو أكثر لم يكن له أن يرجع فيه، وإن مات لم يكن ميراثاً؛ لأنه حرزها عن ملكه، وجعلها خالصة لله“. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۱۲/۳۴، حبيبيه كوئٹه)

(۲) ”عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ ما نوى“ الحديث. (مشكاة المصابيح، قبيل كتاب الإيمان: ۱/۱۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قوله النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إنما الأعمال بالنية، ص: ۸۵۳، دار السلام رياض)

واقعی دینی تعلیم صحیح طریق پر ہوتی ہے، اس کی اعانت کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری بڑی مسجد بنانا

سوال [۱۰۶۸۹]: ایک محلہ میں مسجد موجود ہے، نمازی بھی بہت تھوڑے سے ہیں، مگر اہلِ محلہ نے دوسری بڑی مسجد بنانے کا ارادہ کرلیا ہے، جس کی بنیاد بھی ڈال دی ہے، اب دنیا بھر میں چندہ کرتے پھریں گے۔ کیا یہ طریقہ مناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ خلافِ عقل ہے، جب وہاں کے نمازیوں کے لئے وہ مسجد کافی ہے اور اس کو بھی پوری طرح آباد نہیں کرپاتے تو دوسری مسجد کے لئے چندہ کرتے پھرنا غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح". (مشكاة المصابيح، باب من لا تحل له المسألة: ۱/۳۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن سمرة بن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إن المسألة كد يكد بها الرجل وجهه، إلا أن يسأل الرجل سلطاناً أو في أمر لا بد منه". (جامع الترمذي، باب ما جاء في النهي عن المسألة: ۱/۱۴۲، سعيد)

وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/۱۹، رقم الحديث: ۲۰۲۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

مسجد کا منبر ہونا

سوال[۱۰۱۷۰]: کیا ہر مسجد کا منبر ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

---

(۱) اگر منبر کے بغیر بھی خطیب صاحب کی آواز سنائی دیتی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں کہ خطیب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو منبر ہونا ضروری نہیں ہے، اگر بنا لیا گیا تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، اس لئے کہ منبر ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة". (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۲/۱۷۸، إمدادية ملتان)

"عن أبي حازم بن دينار أن رجالاً أتوا سهل بن سعد الساعدي، وقد امتروا في المنبر مما عوده فسألوه عن ذلك، فقال: والله إني لأعرف مما هو، ولقد رأيته أول يوم وضع، وأول يوم جلس عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فلما فرغ أقبل عليه، فقال: أيها الناس إنما صنعت هذا لتأتموا بي ولتعلموا صلاتي". (سنن أبي داود، كتاب الجمعة، باب اتخاذ المنبر: ۱/۱۴۲، ۱۴۳، رحمانيه)

"عن أبي بكر البلخي رحمه الله تعالى: أنه سئل عن الوقف على المسجد يجوز لهم أن يبنوا منارة من غلة المسجد قال: إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلوا ذلك". (فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

کیا مسجد کا مسجد ہونا مینار پر موقوف ہے؟

سوال[۱۰۷۰۱]: ۱..... عیدگاہ گدوال کی تعمیر کے وقت ایک اپیل جاری کی گئی ہے، جس میں یہ الفاظ درج ہیں: "عیدگاہ کے اونچے میناروں کا کام باقی رہ گیا ہے، آپ دل کھول کر چندہ دیجئے تاکہ یہ اونچے مینار آسمان سے آنے والی بلاؤں کو آبادی میں جانے سے روک سکیں"۔ اس پر چند لوگ معترض ہیں، آپ سے یہ درخواست ہے کہ مسجدوں یا عیدگاہوں کے لئے مینار کا ہونا کیا ضروری ہے؟ کیا وہ بغیر مینار کے مسجد نہیں کہلائے گی؟

مینارۂ مسجد کا شرعی حکم

سوال[۱۰۷۰۲]: ۲..... مسجد کے میناروں کے متعلق شرعی مسئلہ کیا ہے؟ کیا مسجد کے مینار دعا کرتے ہیں؟ براہِ کرم توضیح فرما کر ممنون فرمائیں۔

۳..... اپیل میں جو الفاظ درج ہیں، کیا وہ صحیح ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مسجد کا شرعی مسجد ہونا مینارہ پر موقوف نہیں، بغیر مینارہ کے بھی مسجد ہے، البتہ مینارہ کی وجہ سے دور سے علم ہو جاتا ہے اور مسافر کو مسجد تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے، نیز مسجد کی شان نمایاں ہو جاتی ہے(۱)۔

۲..... حدیث شریف میں مینارہ بنانے کی تاکید نہیں، جس جگہ بھی اللہ کا نام لیا جائے اور اس کی عبادت کی جائے وہ جگہ پر نور ہو جاتی ہے اور خدائے پاک کی وہاں رحمت نازل ہوتی ہے، غضب سے محفوظ رہتی ہے۔

۳..... اپیل کے الفاظ میں اس کو حدیث کی طرف منسوب نہیں کیا گیا، ممکن ہے کہ اس کا مطلب دو ہو

---

(۱) "وأما بناء منارة المسجد من غلة الوقف إن كان بناؤها مصلحة للمسجد بأن يكون أسمع للقوم فلا بأس به، وإن لم يكن مصلحة لايجوز بأن يسمع كل أهل المسجد الأذان بغير منارة، كذا في التمرتاشي".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشيديه)

"أيجوز أن يبني من غلته منارة؟ قال في الخانية معزياً إلى أبي بكر البلخي: إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۰/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۷/۷، حقانيه پشاور)

جوکہ اوپر تحریر کیا گیا، اگر وضاحت کردی جاتی تو بہتر تھا۔ پھر اعتراض نہ ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

عمدہ مینار ہوتے ہوئے نئے مینار بنانا

سوال [۱۰۷۹۳]: ہماری جامع مسجد کے مینار بہت عمدہ بنے ہوئے ہیں، اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ اور مینار بنائے جائیں، جس پر چار ہزار روپیہ خرچ ہوگا اور چندہ کیا جائے گا، اہل محلہ کو یہ بات گراں معلوم ہورہی ہے، جب مینار موجود ہیں تو دوسرے مینار بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مینار اچھے اور عمدہ بنے ہوئے ہیں، تو نیا مینار علیحدہ بنیاد اٹھا کر کے بنانا اور اس پر کثیر رقم خرچ کرنا بیکار ہے، اس طرح روپیہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اس میں کوئی ثواب نہیں، بلکہ بلاوجہ روپیہ خرچ کرنا وبال ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگنا

سوال [۱۰۷۹۴]: مسجد کے اذان گاہ کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگا گیا ہے، چند قسموں کے رنگوں سے رنگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نے کہا ہے کہ اسی طرح رنگنا یہ تو مندر ہوگیا ہے۔ صحیح صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "سئل أبوبکر عن بناء المنارة من غلة المسجد قال: إن کان البناء مصلحة للمسجد ـــ أن یکون أسمع للقوم یجوز، وإن لم یکن في البناء مصلحة للمسجد ـــ أن یکون المسجد في موضع یسمع جمیع أهله الأذان من غیر المنارة لایجوز". (المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۳۷، حقانیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/ ۳۶۸، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/ ۳۲۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی آمدنی سے خوشنمائی اورزینت کے لئے رنگ کرنے کی اجازت نہیں، استحکام اور پختگی کے لئے جو رنگ مناسب ہو،اس کی اجازت ہے، جب کہ اس میں خلافِ شرع کوئی چیز نہ ہو۔(كذا في ردالمحتار)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مینار دعا کرتے رہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۹۵]: کیا کوئی ایسی حدیث موجود ہے کہ "مسجد کے دو مینار گویا دو ہاتھ ہیں، جو آبادی والوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں؟"

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے ایسی حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۷/۱۴۰۰ھ۔

کسی مسجد کا گنبد روضۂ اقدس کے گنبد کی طرح بنانا

سوال[۱۰۷۹۶]: مسجد میں روضۂ اقدس کے ڈیزائین کا گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله، لا من مال الواقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل ..... إلا إذا كان لإحكام البناء". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ولا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب ..... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي فيفعل من مال الوقف ما يرجع إلى إحكام البناء، دون مايرجع إلى النقش، حتى لو فعل يضمن". (فتح القدير، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۸، رشيديه)

"أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۶۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی شکل کا گنبد اگر تلبیس و فریب کے لئے بنائے کہ اس مسجد کو لوگ مسجدِ نبوی سمجھیں اور اس کے ساتھ وہی عقیدت رکھیں تو ناجائز ہے(۱)، جیسا کہ بعض اہلِ باطل نے یہی حرکت کی، اپنی مسجد کا نام مسجدِ نبوی رکھا، اپنے قبرستان کا نام جنت البقیع رکھا اور اپنے لئے منصبِ نبوت تجویز کیا، اگر تلبیس مقصود نہیں، تبرک کے طور پر یا تشویق کے لئے ہے کہ اس کو دیکھ کر زیارتِ روضۂ اقدس کا شوق پیدا ہو تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

پیشاب خانے اور بیت الخلاء کے اوپر مسجد کا گنبد بنانا

سوال [۱۰۷۹۷]: ہماری مسجد میں ایک گنبد بنتا ہے، جہاں یہ گنبد بنتا ہے، اس کے بالکل نیچے کے حصہ میں پیشاب خانہ بیت الخلاء ہے، ہمارے لئے اس پر گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی جس جگہ کو نماز کے لئے تجویز کر دیا گیا ہے، وہ اوپر نیچے سب مسجد ہے، اس کے نیچے کے حصہ

---

(۱) "وهذه المشاهد الباطلة إنما وضعت مضاهاة لبيوت الله وتعظيماً لما لم يعظمه الله وعكوفاً على أشياء لا تنفع ولا تضر، وصداً للخلق عن سبيل الله، وهي عبادة وحده لا شريك له بما شرعه على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واتخاذها عيداً. ويلحق بهذا الضرب، ولكنه ليس منه مواضع تدعى لها خصائص لا تثبت مثل: كثير من القبور التي يقال: إنها لبرنبي أو قبر صالح، أو مقام نبي أو صالح، ونحو ذلك، وقد يكون ذلك صدقاً، وقد يكون كذباً، وأكثر المشاهد على وجه الأرض من هذا الضرب، فإن القبور الصحيحة والمقامات الصحيحة قليلة جداً". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۳۳۴، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

صورت چیزے را تعظیم آمیز داون دایں وہم اکثر راہ بت پرستاں زدہ، و آنہا را در ضلالت آوردہ... و در شیعہ ایں وہم شیطانی قلیہ کردہ قبور حضرت امامین و حضرت امیر و حضرت زہرا را تصویر کنند و بجان آں می نگرند بایں قصور رفتہ تعظیم مع الوجوہ آں بزرگوار ایں است تعظیم را فرمایند، بلکہ ثبوت سجدات رساتند، و نہایت خواننند و سلام و درود رساتند و شمع را نہایتے عظمت و حرمت گرفتہ گردا گرد استاد شوند و رزنگ مجاوران واشرک و بتند۔ (تحفۂ اثنا عشریہ، باب یازدہم در خواص مذہب شیعہ، ص: ۳۵۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

میں پیشاب خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز نہیں (۱)، مسجد کی چھت پر ضرورت ہو، تو گنبد بنا سکتے ہیں، اگر اس کے نیچے پیشاب خانہ ہو، تو وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۲ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

(۱) "وکره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وكذا إلى تحت الثرى. بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحاً، نعم سيأتي متنا في كتاب الوقف أنه لو جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قال الرافعي: (قوله لم أره صريحاً نعم سيأتي متنا) الظاهر عدم الجواز، وما يأتي متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه". (تقريرات الرافعي على رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

پرانی مسجد کی بے کار چیزوں کا حکم

سوال[۱۰۷۹۸]: اگر قدیم مسجد کی بیکار چیزیں جیسے: ٹین یا لکڑی وغیرہ بغیر اجازت مصلیان کوئی فروخت کر کے اس پیسہ میں جدید مرمت کرالے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شخص کو اس قسم کے تصرف کا حق نہیں، متولی کو نمازیوں کے مشورہ سے مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہے۔ اور جب تک وہ چیزیں مسجد کے لئے کارآمد ہیں ان کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۳/۸۶ھ۔

پرانی مسجد کے بچے ہوئے سامان کا حکم

سوال[۱۰۷۹۹]: کیا پرانی مسجد کا سامان یعنی اینٹ پتھر اور لکڑی کوئی بھی چیز نئی تعمیر ہونے والی مسجد کے کام نہ آتی ہو، اس وقت پرانی مسجد کا سامان فروخت کر کے اس مبلغ کو نئی مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟ اور پرانی مسجد کا سامان خریدنے والا وہ سامان اپنے مکان کی تعمیر میں لگا سکتا ہے؟

---

(۱) "صرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۳۷۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ سامان نئی مسجد میں کارآمد نہیں، تو اس کو فروخت کر کے قیمت سے مسجد کے لئے دوسرا سامان خرید لیا جائے (۱) اور اس سامان کو خریدنے والا اپنے کام میں لا سکتا ہے، تعمیر وغیرہ میں جہاں ضرورت ہو استعمال کرے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۹ھ۔

مسجد کے پرانے ٹائیلوں کا حکم

سوال[۱۰۸۰۰]: مسجد میں پہلے ٹائیل لگے ہوئے تھے، لیکن جب وہ بوسیدہ اور کمزور ہو گئے، تو ان کو اکھاڑ کر پکا فرش بنایا گیا اور ٹائیل اکھاڑ لئے گئے اور بیکار پڑے ہیں، تو کیا ان کو فروخت کرنا جائز ہے؟ چونکہ پھر ان پر جوتے بھی پڑیں گے، گندگی بھی ہوگی، جب کہ ان پر عرصہ دراز تک لوگوں نے نماز پڑھی ہے، لہٰذا فروخت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو کس مد میں دیں؟

---

(۱) "قال رحمه الله تعالى: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۳/۱، إمداديه كوئته)

(وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الوقف: ۳۶۳/۲، مكتبه عربيه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۲) "وحكمه: ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۵۳/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی دوسری مسجد کے فرش کے لئے خرید کر استعمال کرلیا جائے (۱)، یہ بھی درست ہے کہ کوئی آدمی خرید کر دیوار میں لگالے (۲)، مسجد سے جدا ہونے کے بعد اس کا وہ حکم وادب نہیں رہا جو کہ مسجد میں تھا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالى في فصل الحصير أنه لا يعود إلى ملك صاحبه بخراب المسجد، بل يحول إلى آخر، أو يبيعه قيم المسجد للمسجد". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۶/۲۲۴، حقانيه پشاور)

"وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما فيصرف ... إلى أقرب مسجد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۸۴۲، قديمي)

(۲) "قال رحمه الله تعالى: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ... وإن تعذر إعادة عينه بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۳، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الوقف: ۲/۳۶۶، مكتبه عربيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۴، رشيديه)

(۳) "سئل الفقيه أبو بكر عن حشيش المسجد يخرج عن المسجد أيام الربيع، قال: إن لم يكن له قيمة فلا بأس بطرحه خارج المسجد، ولا بأس برفعه والانتفاع به ... وفي فتاوى سمرقند: حشيش المسجد إذا كان له قيمة فلأهل المسجد أن يبيعوه". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۶/۱۳۲، حقانيه پشاور)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۴، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

مسجد کی اراضی فروخت کرکے اس سے شیئرز خریدنا

سوال [۱۰۸۰۱]: کیا مسجد کی اراضی کو فروخت کرکے اس رقم سے شیئرز خرید کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

انقاضِ مسجد کا حکم

سوال [۱۰۸۰۲]: مسجد سابق کو ازسرِ نو بنانے پر جو اس کا سامان چونا، مٹی، اینٹ، روڑہ وغیرہ بچ رہے ہیں اور مسجد میں کوئی جگہ اس کے لگانے کی ضرورت نہیں رہی، اس کو فروخت کیا جائے، یا کسی اور جگہ گلی کوچوں یا عام راستوں وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اینٹ روڑا جدید تعمیر مثلاً مینار وغیرہ میں کسی کام آسکتے تو اس کو اسی کام میں لگا دیا جائے، ورنہ فروخت کردیا جائے اور قیمت مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولا يرهن" (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله لايملك) أي لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه، ولا تمليكه" (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "صرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج" (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين =

فقیروں کی دی ہوئی مسجد کی بیع وغیرہ کرنا

سوال[۱۰۸۰۲]: شہر پٹنہ کی مسجد گرہٹی والی کی پشت پر ایک افتادہ زمین تھی جو تکیہ کے نام سے موسوم تھی، دو فقیر اس پر قابض و متصرف تھے، فقیروں نے وہ زمین ایک شخص کو کاشت کرنے کے لئے دے دی، شخص مذکور نے کچھ خرچ کرکے اس میں کاشت درج کرالی، فقیروں کو جب علم ہوا کہ زمین ان کے قبضہ سے نکل گئی تو انہوں نے وہ زمین بازار کی مسجد کو دے دی اور احتیاطی طور پر بیع نامہ چار سو کے قریب میں لکھ دیا گیا مگر دیا کچھ نہیں، اس کے دو سال بعد جس شخص نے اپنی کاشت درج کرائی تھی، ان کے احباب میں کچھ وہ اشخاص تھے جو مسجد کے انتظامی امور میں دلچسپی رکھتے تھے، ان اشخاص نے کاشت درج کرنے والے پر زور ڈالا کہ کاشت سے استعفاء دے دو تو اس شخص نے اس شرط پر کہ جو میرا خرچ ہوا ہے وہ مجھے واپس کردیا جائے، استعفیٰ دے دیا۔

چار سو روپیہ شخص مذکور کو دے دیئے گئے اور مسجد کی کاشت درج ہوگئی، مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر ایک آرٹس کالج بالکل بندی کا ہے، جس نے بہت سی زمینیں الاٹ کرالیں، اندیشہ تھا کہ مسجد کی زمین پر بھی قابض ہوجائے، کیونکہ اس کے متصل ہی کالج کی زمین ہے، اس لئے متولی و سب نمازیوں کا مشورہ ہوا کہ مسجد میں اتنی گنجائش ہے کہ ساری زمین پر قبضہ کرکے اپنے استعمال میں لائے اور اس میں سے تھوڑا حصہ فروخت کرکے اس رقم سے اس مسجد کی پشت پر کوارٹر بنائے جائیں جس سے مسجد کی مستقل آمدنی ہو، بالاتفاق یہ مشورہ طے پایا اور قصبہ کے جو عالم مفتی تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کی اور جناب کے فتوے بھی مختلف جگہ سے حاصل کئے گئے، بیع نامہ ہوگیا، کوارٹر بھی بن گئے۔

سال دو سال بعد اس کو محکمہ سنٹرل بورڈ سے کرایا گیا، انہوں نے حسابات دیکھ کر اس کو تسلیم کیا، اس کے بعد مقامی اشخاص میں اختلاف شروع ہوا، بعض متولی صاحبان نے باصرار بیع کی، بعض اشخاص کے ہاتھ فروخت کی تھی، ان کے مخالف ہوگئے اور سنٹرل بورڈ کے کارکنان کے آگے بیان دے دیئے کہ یہ زمین موقوفہ تھی، اس کی بیع درست نہیں ہوئی تو براہ کرم چند امور سے مطلع فرمائیں۔

۱- کیا یہ بیع نامہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) رحمه الله تعالىٰ: فتصير هذه البقعة في موضعين عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه.

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۷، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۶، مكتبة غفاريه كوئٹه)

۲ــــ موجودہ صورت میں کیا یہ زمین وقف ہے؟

۳ــــ اگر بیع نامہ جائز ہے، تو جو مشتری لینے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا، بار بار یہی کہتا تھا کہ سو دو سو روپے حسبۃً للہ مسجد کے لئے دے سکتا ہوں، مگر اس کو مجبور کر کے یہ زمین لی گئی، تو اس کی رقم مسجد ادا کرے گی یا سابق متولی جنہوں نے بیع نامہ کرایا؟

۴ــــ بقیہ زمین موجود ہے، اس پر بھی مسجد اپنا قبضہ نہیں کر سکتی، یا تو کرایہ پر کوئی کرایہ دار قابض ہوگا یا دوبارہ اس کو فروخت کرنی ہوگی۔

۵ــــ کیا یہ بیع صحیح ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس زمین پر فقیر قابض تھے، اگر اس کا وقف یا کسی اور کی ملک ہونا ثابت نہیں تھا اور انہوں نے وہ فروخت کر کے مسجد کو دے دی اور قیمت نہیں لی تو وہ زمین مسجد کی ملک ہوگئی، متولیان صاحبان نے اگر اس کو خرید کر باقاعدہ وقف نہیں کیا تو وہ وقف نہیں ہوئی (۱)۔

۱ــــ اس صورت میں یہ بیع نامے جائز ہوئے (۲)۔

۲ــــ وقف نہیں (۳)۔

۳ــــ بیع جائز ہے (۴)، قیمت کی واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا (۵)۔

---

(۱) "اعلم أن عدم جواز بيعه إلا إذا تعذر الانتفاع به، إنما هو فيما إذا ورد عليه وقف الواقف، أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز ــــ فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى ــــ قال بعضهم: يجوز هذا البيع؛ لأن المشتري لم يذكر شيئاً من شرائط الوقف فلا يكون ما اشترى من جملة أوقاف المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲، ۳، ۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية =

۴- اس کا بھی وہی حکم ہے، مسجد کے ذمہ دار دیندار، سمجھدار، خیر خواہ اگر اس کو فروخت کرنا مصالح مسجد کے موافق سمجھتے ہیں، تو فروخت کر سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ وہاں بھی مسجد کے لئے مکانات یا دوکانات بنادیں تاکہ مسجد کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

کیا بلا وقف مسجد کو دی گئی جائیداد فروخت ہو سکتی ہے؟

سوال [۱۰۸۰۲]: ۱- تاحیات میں مقر اپنے مکان کا مالک وقابض رہوں گا اور کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے حاصل ہوں گے۔

۲- بعد وفات مجھ مقر کے مکان کے مالک وقابض مسجد اندرون کوٹلہ معرفت متولی محمد اقبال ہوں گے اور مسجد کو کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے حاصل ہوں گے۔

۳- بعد وفات مقر اگر کوئی شخص اس وصیت نامہ کے خلاف قانوناً و پنچایت وعدالت کارروائی کرے گا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور اس کی کل کارروائی کالعدم ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مکان وقف ہوگا یا نہیں؟ اور اس کو مسجد فروخت کرسکتی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ متوفی کا کوئی شرعی وارث نہیں ہے، اس کی بیوی کی چار لڑکیاں جو دوسرے شوہر سے تھیں،

= الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع: ۳/۳، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۲۵، رشيدية)

(۱) "وقد روي عن محمد رحمه الله تعالى: إن ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعاً كان له أن يبيعها، ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۵، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۱، إدارة القرآن كراچي)

ان کا کوئی حق اس مکان میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف نہیں (۱)، حسب صوابدید اس کو فروخت کرانا بھی درست ہے۔ جیسا کہ عبارت نمبر ۲ میں انتقال کی اجازت مذکور ہے، بہتر یہ ہے کہ اگر فروخت کریں تو اس کی قیمت سے کوئی جواہر یا مسجد کے لئے بنالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۳/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "وعندهما: هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب. وعليه الفتوى". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: فلو قال "حكم" ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف، ولا انتقل إلى ملك غيره، بل صار على حكم الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه".

(رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعيد)

"إذا جعل أرضه مسجداً، وشرط من ذلك لنفسه شيئاً، لا يصح بالإجماع". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۱۳۱/۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲۱۳/۵، رشيديه)

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو گرا کر نئی مضبوط مسجد تعمیر کرنا

سوال [۱۰۸۰۵]: شہر کی جامع مسجد قدیم زمانہ کی ہے اور چھوٹی ہے، اب اس کو ازسرِ نو بنانے کا ارادہ ہے، تاکہ مسجد بڑی ہو جائے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کو گرا نہیں سکتے، صرف آس پاس سے بڑھا سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس کو شہید کر کے ازسرِ نو بنایا جائے، اس پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پوری مسجد کی قدیم عمارت جب کہ وہ پختہ اور مضبوط ہو، شہید نہ کریں، ہاں موقع کے مناسب آگے پیچھے دائیں بائیں سے حسبِ صوابدید اس میں اضافہ کر لیں، لیکن اگر مسجد قدیم کے بانی اور اب جدید بناء کرنے والے سب ایک ہی محلے کے لوگ ہیں تو ان کو حق ہے کہ تمام مسجد کو ازسرِ نو تعمیر کر لیں۔

"مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه (ثانياً) أحكم (من البناء الأول) ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له (كذا في) المضمرات. (وفي النوازل) إلا أن يخاف أن يهدم إن لم يهدم، كذا في التاترخانية. وتأويله: إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهلها فلهم أن يهدموه ويجددوا بناءه"

(شامی کراچی: ۴/۳۵۷، کتاب الوقف)(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن أراد أن يهدم مسجداً ويبنيه أحكم من حاله الأول؟ قال: ليس له ذلك، –

تعمیرِ جدید کے وقت اگر مسجد کا کچھ حصہ دیوار میں آجائے

سوال[۱۰۸۰۹]: ایک مسجد کو منہدم کرکے جدید تعمیر کرنی ہے، منہدم کرنے پر قبلہ صحیح کرنے کی صورت میں مسجد کی قدیم جنوبی دیوار کا کچھ حصہ سابق فرش پر آجاتا ہے اور قدیم دیوار کا اکثر حصہ فاضل ہوجاتا ہے، اب اسی فاضل دیوار کو مسجد کی دوسری ضرورت کے لئے استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اب جو جگہ ایک دفعہ نماز پڑھنے کے لئے بنادی گئی ہے اس کو خارج مسجد قرار دے کر کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کرلینا درست نہیں۔ كذا في الدر المختار(۱)۔

البتہ دیوار کے اندر آیا ہوا کچھ حصہ مسجد ہی سے متعلق کسی کام میں آجائے تو مضائقہ نہیں، مثلاً: اس میں مسجد کی الماری بنادی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۱ھ۔

=وفي النوازل: إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، وتأويل هذه المسئلة: إذا لم يكن هذا الرجل من أهل هذه المحلة. فقد ذكر في الواقعات عن أبي حنيفة: لأهل المسجد أن يهدموا المسجد، ويجددوا بناءه — وفي السراجية: مسجد مبني معمور ليس للمتولي أن يهدمه ثانياً، ويتكلف في تربيته". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۲۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ۲/۴۵۷، رشيديه)

(۱) "يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة". (الدر المختار).

"(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء يصلون فيه أولا وهو الفتوى، حاوي القدسي، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد قدس — لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر، لأنه من=

مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت مسجد کا کچھ حصہ تعمیر میں شامل کرنا

سوال [۱۰۸۰۲]: ہمارے قصبہ کی بازار والی مسجد کی پرانی تعمیر ہے، کافی شکستہ ہوچکی ہے، خوف ہے کہ خدانخواستہ کسی بھی وقت ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ یہ جگہ تمام کی تمام عبادت گاہ نہ رہ سکے۔ أعاذنا اللہ منہ۔

دو منزلہ مسجد ہے، اوپر کی عمارت جماعت پنج وقتہ کے لئے مخصوص ہے اور اس کے نیچے تقریباً ۱۹ فٹ کی جگہ میں دکانیں قائم ہیں، بالائی مسجد کی قبلہ رخ دیوار کا بنیادوں سے تعلق نہیں، ۹/ فٹ کے طول میں کڑیاں اور چھت پر یعنی دکانوں کی چھت پر مسجد کی تعمیر ہے جو بالائی مسجد کے طول میں ہے، لیکن یہ چھجہ طبقہ حدود مسجد کے باوجود بھی کسی وقت نماز کے لئے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ صرف ماہ مقدس رمضان المبارک میں وہاں پر چولہا گرم کرتے ہیں۔

الغرض یہ جگہ کہ تعمیر مسجد مقصود ہے بصرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ آدھے حصہ میں مسجد رہے اور ۹ فٹ کا نصف دکانوں کے لئے چھوڑ دیا جائے، بہرحال تعمیر ضروری ہے، مذکورہ صورتوں میں جو صورت جواز کی ہو سکتی ہو ارشاد فرمائیں کہ عند اللہ ماجور ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ حصہ متعلقات مسجد سے لے کر اصل حصہ میں شامل کرکے کم از کم تلافی کی گنجائش ہو تو نکالی جائے، عیدگاہ، جامع مسجد اور مذکورہ مسجد کا متولی ایک ہی ہے، اول الذکر دو عبادت گاہوں کی کوئی آمدنی نہیں، نہ دکان نہ مکان، اس صورت میں ایک مسجد کی رقم سے چندہ فراہم کرکے ان دو عبادت گاہوں پر صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہر ایک کے لئے علیحدہ تعیین ضروری ہے، اس کی کیا صورت ہوگی شرح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کرکے عام اجازت اس میں نماز کی دے دی جائے اور اس پر کسی کا قبضہ مالکانہ نہ رہے، اس کو مسجد کہتے ہیں(۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ تحت الثریٰ سے فوق السماء تک سب حصہ مسجد ہوتا ہے، اس میں کوئی دوسرا

= المصالح". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۳/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "أن المسلم إذا اتخذ داره للمسلمين مسجداً وسلم المسجد إلى المتولي وأذن للناس بالدخول =

تصرف جائز نہیں(۱)، اگر واقف نے اول دکانیں بنائیں اور ان کی چھت پر مسجد بنادی اور وہ دکانیں بھی مسجد ہی کے لئے ہوں، تو اس میں بھی گنجائش ہے(۲)۔

جو جگہ فوقانی مسجد کے نیچے خالی ہو، اس جگہ کو نماز وغیرہ ہی کے لئے استعمال کرنا چاہیے، اس میں چولہا جلانا اور دنیا کے دوسرے کام کرنا درست نہیں(۳)۔ وقتی ضرورت پر گرمی سردی برسات کے لحاظ سے وہاں

= والصلاة فيه، فصلى فيه قوم بجماعة، يصير مسجداً باتفاق بين أصحابنا". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس والعشرون في الأوقاف: ۲/۴۷۲، رشيديه)

"أما إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد: ۳/۳۵۶، سعيد)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إذا جعل أرضه مسجداً وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(۱) "وكره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء ......". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وكذا إلى تحت الثرى". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۱۲۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى الطريق ...... لايكون مسجداً". (الدرالمختار). "(قوله: أو جعل فوقه بيتا) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفاً على المسجد، وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الوقف: ۲/۱۳۵، مير محمد كتب خانه)

(۳) "أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه، ولم =

جماعت بھی کی جائے اور سنن ونوافل کے لئے بھی اس جگہ کو استعمال کیا جائے۔ اب اگر مسجد مذکورہ شکستہ حالت میں ہے، گرنے کا قوی اندیشہ ہے اور دوبارہ یک منزلہ ہی تعمیر کرنا ہے تو جتنا تحتانی حصہ پہلے سے خالی تھا، اس حصہ پر کوئی دکان تعمیر نہ کی جائے اور مسجد کے نیچے کے جس حصہ میں دکان ہے اس کا نصف یا جتنا مسجد کے لئے مناسب ہو اس کو داخلِ مسجد کرلیا جائے (۱)، بقیہ نصف میں حسبِ مصلحتِ مسجد کے لئے دکانیں بنادی جائے (۲)۔

اگر دو منزلہ بنانا ہو، تو جتنا حصہ نیچے کا مسجد کے لئے خالی تھا، اس کو برقرار رکھتے ہوئے بقیہ حصہ متعلقہ پر دکانیں تعمیر کرکے بالائی حصہ پر مسجد بنائی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

=نين لأعمال الدنيا، ولو لم يكن فيه توهم تلويث وإهانة ...... تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١١، ٦١٢، سهيل اكيڈمي لاهور)

"أن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ٢/٠٦، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ٣/٥٣، إدارة القرآن كراچي)

(١) "سئل الفقيه أبو جعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فارادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ٧/١٢٩، حقانيه كوئته)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ٥/٥٤١، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ٢/٤٥٦، رشيديه)

(٢) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها ...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٦١، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣/٣٠٠، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ٧/٣٢، حقانيه)

(٣) راجع رقم الحاشية: ٢، ص: ١٤١

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع

سوال[۱۰۸۰۸]: موضع اچھ بل محلہ ملک پورہ سوپور کشمیر میں ایک مسجد ہے، جو نمازیوں کے لئے ناکافی وتنگ ہے، اہل محلہ اس مسجد کو شہید کر کے از سر نو بنانا چاہتے ہیں، مگر مغرب ومشرق کی جانب میں قبرستان ہے اور بطرف شمال مسجد کے ساتھ ایک زیارت ہے۔ جس میں ایک ولی مدفون ہیں، بطرف جنوب سیڑھی کے ساتھ ایک میت مدفون ہے، یہ میت قریباً بیس سال سے مدفون ہے، اس کے علاوہ اس کی طرف جگہ کافی ہے، اگر مسجد شریف کو جنوب کی جانب بڑھا دیا جائے گا تو یہ قبر مسجد کے نیچے آئے گی، نیز دوسرے محلے والے اپنے دور ہونے کا عذر بھی کرتے ہیں، اب دونوں محلہ داران اس مسجد کو شہید کر کے دوسری جگہ لے کر از سر نو بنانا چاہتے ہیں، کیا از روئے شرع شریف یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی بناء پر دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے اس مسجد کو شہید کرنا اور اس کی قیمت سے دوسری جگہ خریدنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)، اگر اس مسجد میں جگہ کم ہے، نمازی اس میں نہیں سما سکتے اور

---

(۱) "يبقى مسجداً (عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى (قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

"لو صار أحد المسجدين قديماً، وتداعى إلى الخراب، فأرادوا أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۸/۲، رشيديه) ----

آس پاس جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس میں توسیع نہیں کی جاسکتی، تو دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے مستقل انتظام کیا جائے (۳)۔ اس مسجد کو فروخت نہ کیا جائے اس کی کسی طرح اجازت نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چاروں طرف سے مسجد کی توسیع کرنا

سوال [۱۰۸۰۹]: مسجد کے چاروں طرف لوگوں نے قبرستان بنالیا ہے، اب مسجد تنگ ہوگئی ہے اور بستی کو چاروں طرف بڑھنا ہے تو مسجد کو چاروں طرف سے بڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ مسجد میں اگر تنگی ہو تو آس پاس چاروں طرف سے حسب مصالح توسیع کرنا درست ہے، اگر زمین مسجد کی نہ ہو تو خریدی جاسکتی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

= "وفي الحاوي: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول ويجعلوا بثمنه في الذي يبنونه، قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد. وعلى قول أبي يوسف: لا يجوز بيع المسجد بحال". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل الوقف المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

(۱) "قال علماؤنا: لا يجوز أن يبنى مسجد إلى جنب مسجد، ويجب هدمه، والمنع منه بناءه لئلا ينصرف أهل المسجد الأول فيبقى شاغراً إلا أن تكون المحلة كبيرة فلا يكفي أهلها مسجد واحد فيبنى حينئذ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۸/۱۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير المنير، التوبة: ۱۱/۴۸، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۲/۳۱۴، دار الكتاب العربي)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً". (الدر المختار، =

امام باڑہ سے مسجد کی توسیع کا حکم

سوال[۱۰۸۱۰]: محلہ تیراپور شہر گورکھپور میں ایک مسجد کے متصل جانب مشرق ایک امام باڑہ تھا، محلہ کے چھبیس گھر امام باڑہ کے منتظمین تھے، مسجد کی کمی کو دیکھتے ہوئے منتظمین امام باڑہ نے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ امام باڑہ مسجد کو دے دیا جائے اور اپنے اس فیصلے کے بعد منتظمین امام باڑہ نے مسجد کے منتظمین سے کہا کہ ہم لوگوں نے امام باڑہ مسجد کو دے دیا ہے، اب آپ لوگ جلد مسجد کی توسیع کر دیں، تا کہ جو تکلیف مصلیوں کو درپیش ہے، وہ رفع ہو جائے۔ چنانچہ منتظمین امام باڑہ کے فیصلہ اور ان کی اجازت کی بناء پر منتظمین مسجد نے توسیع مسجد کا کام شروع کرادیا اور دو دیواریں بھی مکمل ہو گئیں۔

اب کچھ لوگوں نے یہ اعتراض اٹھادیا ہے کہ امام باڑہ کی زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ امام باڑہ عام مسلمانوں کا ہے اور عام مسلمانوں نے اجازت نہیں دی، عام مسلمانوں سے معترضین کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ امام باڑہ کے جو چھبیس گھر منتظمین کے ہیں، ان کے کسی گھر میں دس افراد، کسی گھر میں آٹھ افراد، اس طرح ہر گھر میں کچھ نہ کچھ افراد ہیں ان سب کی اجازت ضروری ہے، حالانکہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ چھبیس منتظمین گھر کے ہر گھر میں سے کوئی فرد بھی کمیٹی میں شریک ہو گیا اور بالاتفاق کمیٹی نے جو فیصلہ پاس کر دیا تو اس فیصلہ کا ہر شخص پابند ہوتا تھا، کسی گھر کے بقیہ کسی فرد کو انحراف کا حق نہیں ہوتا تھا، آیا اس توسیع شدہ زمین پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں امام باڑہ کو توسیع مسجد کے لئے منتظمین کا متفقہ طور پر دے دینا مصرف کا صحیح تجویز کرنا ہے۔

= "وفي الفتح: "لو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يؤخذ ويدخل فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ٥/٣٧٩، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة وزادوا في المسجد الحرام ...... ولو كان بجنب المسجد أرض وقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا شيئاً في المسجد من الأرض جاز ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٢٢٨، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ٢/٥٩٥، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ٥/٨٤٢، إدارة القرآن كراچی)

وہاں نماز درست ہے، معترضین کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ اپنا اعتراض واپس لے لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۸ھ۔

مسجد کے قریب کی جگہ کو مسجد کے لئے لینا

سوال [۱۰۸۱۱]: ۱ ---- زید اور عمر مسجد کے منتظم ہیں، پس پشت مسجد کے ایک اراضی دیگر شخص کی ملکیت ہے، زید اور عمر اپنے اثر اور دباؤ سے اس پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مالک کسی طرح بھی اس اراضی کو مسجد کو دینے کے لئے تیار نہیں، تو ایسی حالت میں قبضہ جائز و درست ہے۔

۲ ---- کیا اراضی مذکورہ بالا پر غاصبانہ قبضہ کرنے پر زید و عمر کو کچھ ثواب ملے گا؟

۳ ---- کیا اراضی مذکورہ کو غاصبانہ قبضہ کے بعد مسجد کے کسی بھی کام میں لانا جائز و درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱ ---- اگر مسجد کی تنگی اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہو، تو مالک سے مناسب قیمت پر خرید لی جائے (۲)، اثر اور دباؤ سے زبردستی قبضہ کرنا غصب اور حرام ہے (۳)۔

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالى، عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

"فلو جعل وسط داره مسجداً، وأذن للناس في الدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشيديه)

"لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال والملک: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۲) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: بالقيمة كرهاً) لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنه: لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۷۹/۴، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنه لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۲۸/۵، رشيديه) =

۲۔۔۔۔ مظلوم ہونے کی وجہ سے وہ صبر کرے گا، تو بہت بڑا اجروثواب ملے گا(۱)، اگر راضی ہو کر مسجد میں دے دے گا تب بھی مستحق اجر ہوگا(۲)۔

۳۔۔۔۔ غصب کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مسجد کے کسی کام میں لانا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵۹۵/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع في الكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۹، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الغصب شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلاخفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، رشيديه)

(۱) "عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محقاً ۔۔۔۔ الخ". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق: ۳۱۳/۲، إمداديه)

(وكذا في رياض الصالحين، باب حسن الخلق، ص: ۳۷۰، دار السلام)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأخلاق، الجزء الثالث: ۲۵۶/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبيد الله الخولاني، أنه سمع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه يقول: ۔۔۔۔ إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: من بنى مسجداً قال بكير: حسبت أنه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجداً: ۶۳/۱، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۶۸/۱، قديمي)

(۳) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ۔۔۔۔ حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، وصح وقف ماشراه فاسداً ۔۔۔۔ وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعله مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۳، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

مسجد کے پرنالہ کو بند کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۱۲]: ۱..... مسجد شاہی مرادآباد کے شمالی جانب چھت کا کچھ حصہ مسجد کی وسطی چھت سے نیچا ہے، اس حصہ کا پرنالہ شمالی جانب مدرسہ امدادیہ میں جاری تھا، اب مدرسہ امدادیہ والوں نے یہ پرنالہ بند کردیا ہے اور اس پرنالہ کے پانی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے چھت کے اس حصہ پر برساتی پانی رک کر مسجد کی دیوار کو نقصان پہنچا رہا ہے اور دیوار کے گرنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔

۲..... نیز مدرسہ امدادیہ والوں نے مسجد کی شمالی جانب کی دیوار پر اپنے کمرہ کا لینٹر لگایا اور اس کے اوپر چندفٹ مزید چنائی بھی کردی، لہٰذا مدرسہ امدادیہ والوں کے لئے یہ دونوں فعل شرعاً کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ اب اس دورِ پرفتن میں مسجد کے حق کو حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی نہ کرنا کیا منتظمین مسجد کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر یہ پرنالہ زمانہ قدیم سے ہے، اب نیا نہیں بنایا گیا تو اس کو بدستور جاری رکھا جائے، مفتی بہ قول کے موافق اس کو روکنے اور بند کرنے کا حق نہیں۔

"لو كان مسيل سطوحه إلى دار رجل، وله فيها ميزاب قديم، فليس له منعه وهذا استحسان جرت به العادة، أما أصحابنا فقد أخذوا بالقياس وقالوا: ليس له ذلك إلا أن يقيم البينة أن له حق المسيل، والفتوى على ماذكره أبو الليث، وفي البزازية وبه نأخذ اهـ" وهو موافق للقاعدة الآتية أن القديم يترك على قدمه تأمل اهـ" شامي: ۲۸۵/۵(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۴۴۳/۶، سعید)

۲..... مسجد کی دیوار پر گاڈر، لینٹر، کڑی وغیرہ رکھ کر مسجد سے متعلق کوئی تعمیر بھی کرنا درست نہیں، چہ جائیکہ مدرسہ کے لئے تعمیر کی جائے، اس کا وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔

"لو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدیة، ثم أراد البناء منع. ولو قال: عنیت ذلك لم یصدق، فإذا کان هذا في الواقف فکیف بغیره، فیجب هدمه، ولو علی جدار المسجد" (درمختار)۔

"مع أنه لم یأخذ من هواء المسجد شیئاً، ونقل في البحر قبله: ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد، وإن کان من أوقافه" اه شامی: ۳۷۱/۳(۱)۔

متولی وجماعت منتظمہ کے ذمہ استخلاص ضروری ہے، بغیر مقدمہ کے ہو جائے تو بہتر ہے۔ مقدمہ میں دردسر ہے، خرچ زیادہ، وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے، حدود شرع کی رعایت نہیں ہوتی ہے، کبھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کبھی رشوت دینے کی نوبت آتی ہے، قلوب میں شحناء وبغض کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، دوسروں کو عیب جوئی اور غیبت کا موقع ملتا ہے، منتظمین اوقاف کی طرف سے عوام کو بے اعتقادی ہوتی ہے، کہ یہ لوگ اوقاف کا روپیہ مقدمہ بازی میں خرچ کرتے ہیں، علماء کی طرف سے بدظنی پیدا ہوتی ہے کہ یہ لوگ ارباب علم وصلاح ہونے کے باوجود معمولی باتوں کو بھی باہم مصالحت کر کے نہیں نمٹا سکتے اور قرآن وحدیث کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ خدا ورسول کے دشمنوں کے پاس اپنے مذہبی معاملات کا مقدمہ لے جاتے ہیں اور غیرت ایمانی کے بھی خلاف ہے کہ اہل علم ہو کر فیصلوں کے لئے ایسوں ویسوں کے پاس جائیں، بہتر یہ ہے کہ کسی ذی علم کو دونوں فریق ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں (۲)۔ واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۷ھ۔

= (وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الشرب، الثاني في سبیل الماء: ۱۱۷/۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الشرب، الباب الثاني في بیع الشرب: ۳۹۴/۵، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۳۵۸/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۳۱۹/۵، ۳۲۱، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۵۲/۵، ۵۵۳، قدیمی)

(۲) قال الله تعالی: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بین أخویکم﴾ (الحجرات: ۱۰) ــــــــــ =

مسجد پر قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۳]: ۱-ایک مسجد ودیشہ میں "بیجا منڈل" کے نام سے مشہور ہے، جس میں زمانہ دراز سے عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے، عید کے زمانہ میں مہاراجہ کی طرف سے بذریعہ حکام عطر، پان، مسلمانوں کو عید کی خوشی میں پیش کیا جاتا تھا۔

۲-جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو دشمن ملک اور دشمن اسلام ہندو مہاسبھا وغیرہ پارٹیوں نے ستیہ گرہ شروع کردی کہ مسجد بیجا منڈل مسجد نہیں ہے، بلکہ بیج مندر ہے، ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک عیدین کی نماز مسجد بیجا منڈل میں ہوتی رہی، کبھی دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ کبھی کرفیو کے ذریعہ ۸/۱۰ برس سے پرمٹ سسٹم جاری کردیا تھا کہ پرمٹ کے ذریعہ حکومت نماز عیدین پڑھواتی رہی۔

۳-امسال ۱۹۶۵ء میں کلکٹر صاحب مدھیہ پردیش نے بتاریخ ۶۵/۱/۱۶ء کو یہ حکم زبانی دیا کہ اس سال نماز عیدین کی اجازت مسجد بیجا منڈل میں نہ دی جائے گی، یہ مسجد آثار قدیمہ میں آگئی ہے، یہ نہ ہندوؤں کو پوجا کے لئے دی جائے گی نہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے دی جائے گی اور کہا کہ حکومت مدھیہ پردیش مسلمانان ودیشہ کے لئے دس ہزار روپیہ دینے کے لئے تیار ہے کہ تم اپنی عیدگاہ دوسری جگہ بنالو۔

۴-اور یہ مسجد بیجا منڈل محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۴۷ میں کرلی تھی، حکومت نے بھی قانون میں اس کو مسجد مانا ہے۔

۵-ہم مسلمانان نے دس ہزار روپیہ لینے سے انکار کردیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ ہم مسجد فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب تک حکومت مدھیہ پردیش ہمارا حق یعنی مسجد بیجا منڈل میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے گی تو اس وقت تک ہم عیدین کی نماز نہیں پڑھیں گے، جو حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارا حق زبردستی چھین لیا ہے۔

= "قال أبوشريح: يارسول الله! إن قومي إذا اختلفوا في شيء، فأتوني فحكمت بينهم، فرضي عني الفريقان، فقال عليه السلام ما أحسن هذا ــــ وذكر الشيخ عبدالقادر في الطبقات: أن الإمام أحمد الدامغاني تلميذ الطحاوي والكرخي لما تولى القضاء بواسط كان يقول: للخصمين أنظر بينكما؟ فإن قالا: نعم! نظر وتارة يقول: أحكم بينكما". (البحر الرائق، كتاب التحكيم: ٤٢/٧، ٤٣، رشيديه)

۶- ہم مسلمانوں کا خیال ہے کہ ہم حکومت پر عدالت میں دعویٰ کردیں کہ حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

۷- مسجد مذکور اسلامی قواعد کے ساتھ تعمیر ہے، جو احکام شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

۸- ایک زمانہ میں جب کہ اس کے قرب وجوار میں مسلم آبادی تھی، پانچوں وقت نماز ہوتی تھی، جب آبادی کم ہوئی تو صرف جمعہ قائم رہا۔

۹- جب دور تک آبادی ختم ہوگئی تو مسلمانان وودیشہ نے صرف عیدین کے لئے مخصوص کرلیا، تو آج تک عیدین کی نماز ہوتی رہی۔

۱۰- یہ مسجد شہر سے باہر ہے، عالی شان عمارت ہے، عیدین کی نماز آسانی سے پڑھی جاتی ہے۔

۱۱- مسلمانوں کی آبادی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسجد کی دیواروں سے متصل قبریں بنی ہوئی ہیں، جو آج بھی ظاہر ہیں۔

۱۲- اکثر وبیشتر علماء دین نے بھی کبھی اس مسجد میں وعظ اور نصیحت فرما کر مسلمانوں کو مستفیض فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ شرعی مسجد ہے اور حکومت کو بھی اس کا مسجد ہونا تسلیم ہے اور اس میں نماز باجماعت ہوتی چلی آئی ہے، حتیٰ کہ مخالفوں کی مخالفت کے باوجود کہ دفعہ ۱۴۴ پرمٹ سسٹم کی صورتوں میں اس کو مسجد ہی تسلیم کرتے ہوئے اس میں عیدین ادا کی گئی ہے، تو اب نہ اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ ہوسکتا ہے، نہ دعویٰ ملک قابل سماعت ہے(۱)، نہ اس میں نماز پڑھنے سے روکا جاسکتا ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے،

---

(۱) "(من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه)، لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان، الحبس والصدقة". (العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق. قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ مع العلم بأن كل شيء له، فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه". (فتح =

اس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، وہ عید بھی پڑھ سکتے ہیں، جمعہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پنجگانہ نماز بھی پڑھ سکتے ہیں، وہاں نماز پڑھنے سے روکنا سر بسر ظلم ہے(۱) اور خدائے پاک کے دیئے ہوئے حق کو غصب کرنا ہے(۲)۔

وہاں کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ آئینی طریق پر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد برقرار رکھیں اور اس پر کسی کا ناجائز قبضہ نہ ہونے دیں(۳)، اس کے لئے قانونی طور پر پوری جدوجہد کریں، عدالت میں دعویٰ کرنا مفید ہو، تو وکیلوں سے مشورہ کرکے عدالت میں دعویٰ کریں۔ اگر کوئی صورت بچاؤ کی نہ ہو، تو انتہائی بے بسی اور مظلومیت کی حالت میں وہ معاوضہ لے کر، جو دینا تجویز کیا گیا ہے، کسی دوسری مناسب جگہ مسجد بنائی جائے، اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مسلمانوں نے مسجد کو فروخت کردیا، بلکہ یہ معاوضہ ہوگا زبردستی قبضہ کرنے کا۔

"لو استولی علی الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن يدفع قيمتها كان للمتولي أخذ القيمة، أو الصلح على شيء، ثم يشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخرى فيجعله على شرائط الأولى؛ لأنه

- الفتاوی، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: وسعى في خرابها، أي: هدمها وتعطيلها". (روح المعاني: ۳۶۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وهو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لا يعود ميراثاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم" (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲۰، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"قال رحمه الله تعالى: "هو أي: الغصب إزالة اليد المحقة بإثبات اليد المبطلة في مال متقوم محترم" (البحر الرائق، كتاب الغصب، ۱۰۹/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۳) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه وإعادته مسجداً كما كان". (الفتاوى المهدية، كتاب الوقف: ۳۴۲/۲، عربيه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۲۳۰/۱، حقانيه پشاور)

حینئذ صار بمنزلة المستهلك فيجوز أخذ القيمة اهـ" (بحر: ۵/۲۴۴)(۱)۔

اس سلسلہ میں نمازِ عید کا ترک کرنا بے سود اور غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہاں کے مسلمان، دوسروں کی نظر میں اتنے محبوب ومعظم نہیں کہ ان کے ناراض ہو کر نمازِ عید ترک کردینے سے مخالف بے چین اور مضطرب ہو کر اپنے ارادوں سے باز آجائیں گے اور ان کی مسجد کو برقرار رکھیں گے اور وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

مسجد پر متولی کا دعویٔ ملکیت

سوال [۱۰۸۱۳]: ایک جامع مسجد ہے، اس کے متولیان کہتے ہیں کہ اس مسجد میں کسی مسلمان کو دخل دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی جانی مالی امداد کرسکتا، کیونکہ یہ تو ہماری ملکیت اور جاگیر ہے اور یہ بات اس بناء پر پیدا ہوئی کہ مسجد کی عمارت بے حد بوسیدہ ہوچکی ہے، تقریباً چھ سال سے سفیدی وغیرہ بھی نہیں ہوئی، مسلمانوں کی ایک جماعت جمِ غفیر نے چندہ کردیا، مسجد ہذا کو درست کرانے کے لئے، اس پر ان تینوں متولیان نے یہ جواب دیا کہ اس مسجد میں کسی کو کوئی حق نہیں، یہ مسجد ہماری ہے، ہم نے اس مسجد میں چندہ سے کوئی کام بھی نہیں کرایا ہے، یہ ہماری ملکیت اور جاگیر ہے، اس مسئلہ کے پیشِ نظر مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسجد کے ملا وغیرہ بھی متولیان سابق کی طرح جواب دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے، کسی اور کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی۔ ﴿وأن المساجد لله﴾ پس متولیان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے(۲)۔ جب کہ وہاں نماز باجماعت ہوتی ہے تو وہاں سب کو نماز پڑھنے کا حق ہے اور سب کی نماز وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۳، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (الجن: ۱۸) ....

مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۵]: زید کا مکان مسجد کے متصل ہے، مسجد کے کچھ حصہ پر اس نے زبردستی کر کے مکان تعمیر کر لیا ہے اور کچھ حصہ غیر تعمیر شدہ ہے، جو کہ اس کے گھر کا نکال ہے، اگر دباؤ ڈال کر اس زمین کو جس پر تعمیر نہیں ہوئی گھیر لیا جائے یا مناسب قیمت لے لی جائے، تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین کا جتنا حصہ اس نے اپنے مکان میں شامل کر لیا اس کو اس سے خالی کرایا جائے (۱)، اگر وہ خالی نہ کرے اور اس کے عوض اتنی ہی زمین مسجد کو دینے پر آمادہ ہو جائے تو مجبوراً اسی کو قبول کر لیا جائے (۲)،

= "إذا خرب وليس له ما يعمر به ...... هل يعود إلى ملك الواقف ـــ قال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه، لايحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۵/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وقد صرح علماؤنا قاطبة بأن يد الناظر على الوقف بالأمانة لايد عدوان". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۲۱۵/۱، ميمنية مصر)

(۱) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه، وإعادته مسجداً كما كان". (الفتاوى المهدية، كتاب الوقف: ۴۷۲/۲، عربيه كوئٹه)

"أنكر متولي الوقف وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له يخرج من يده". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۲۳۰/۱، حقانيه پشاور)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى الرجل، وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۴۴۷/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوي والخصومات: ۱۱۳/۷، حقانيه كوئٹه)

(۲) "لو استولى على الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن يدفع قيمتها كان للمتولي أخذ القيمة أو الصلح على شيء، ثم يشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخرى فيجعله على =

کوشش یہی کی جائے مسجد کی اصل زمین ہی مسجد کو مل جائے (۱)۔ مسجد کے لئے اس کے متصل زمین خریدنا مسجد کی مصلحت کے لئے ہر صورت میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں کنواں بنانا

سوال[۱۰۸۱۶]: مسجد میں کنواں بنانا کیسا ہے؟ جب کہ پہلے کبھی نہ تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف ہے، اس میں کنواں نہ بنایا جائے (۳)، ہاں! اگر ضرورت ہو اور کچھ

= شرائط الأولی". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۰۵/۵، رشیدیه)

"لایجوز استبدال العامر إلا في الأربع". (الدر المختار)

"وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله: إلا في أربع) ــــ الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أي: وأراد دفع القیمة فللمتولي أخذها یشتري بها بدلاً". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۹/۲، إدارة القرآن کراچي)

(۱) "فأما حکمه أي: الغصب ــــ وجوب رد العین علی المالک بقوله علیه السلام: علی الید ما أخذت حتی ترد، وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لایحل لأحد أن یأخذ متاع أخیه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فلیرد علیه". (المبسوط للسرخسي، کتاب الغصب: ۵۳/۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"ولو غصبها من الواقف أو من والیها فعلیه أن یردها إلی الواقف، فإن أبی، وثبت غصبه عند القاضي حبسه حتی رد". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۴۳۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الغصب: ۱۹۸/۸، رشیدیه)

(۲) "الفاضل عن وقف المسجد یشتری به مستغلاً للمسجد حانوتاً أو داراً". (خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف: ۴۲۳/۴، رشیدیه)

"إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز، لأن هذا من مصالح المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۶/۵، رشیدیه)

(۳) "ولا یحفر في المسجد بئر الماء، وما کان قدیماً کبئر زمزم یترک". (المحیط البرهاني، کتاب =

زمین مسجد سے متعلق نہ ہو تو وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی جگہ میں دکان بنانا اور ایک دکان سے دوسری دکان میں اقتدا کرنا

سوال[۱۰۶۰۲]: ۱..... زید نے دینی نفع کی خاطر مسجد کے سامنے کے احاطہ میں دکانیں باندھنا چاہتا ہے، جگہ کی قلت کے سبب ان کے بائیں جانب نماز پڑھنے کہتا ہے، اس جگہ کے مصلیوں اور امام کے درمیان ایک حجرہ واقع ہے، اس کی دیواروں میں کوئی دریچہ وغیرہ نہیں، اس جانب کے مصلیوں کو امام کے پیچھے مصلیان نظر نہیں آتے ہیں، اس صورت میں یہاں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

۲..... دیگر اس مسجد میں جگہ کی قلت کی وجہ سے عیدین میں مصلیوں کو جگہ کافی نہیں ہوتی، مسجد کی آمدنی کے بنسبت اخراجات کم ہیں، ایسی صورت میں مسجد کے روبرو جو لب سڑک ہے، کیا اس جگہ میں دکانیں بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر وہ جگہ نماز کے لئے وقف ہے تو وہاں دکان بنانا درست نہیں(۱)، اگر نماز کے لئے وقف

(الاستحسان والكراهية، الفصل الخامس في المسجد والقبلة ... الخ: ۶/۲۹۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولا يحفر في المسجد بئر ماء؛ لأنه يخل حرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب والحائض. وإن حفر فهو ضامن بما حفر، إلا أن ما كان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۲۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(۱) "ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

"قيم أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۳، رشيديه)

نہیں، لیکن مسجد کی ملک ہے اور مسجد میں جگہ کی قلت ہے کہ وقت ضرورت وہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور مسجد کی آمدنی کافی ہے، خرچ زیادہ نہیں تب بھی اس جگہ دکان نہ بنائی جائے (۱)۔ اگر مسجد میں جگہ کافی ہے، تو وہاں مسجد کے لئے دکان بنالی جائے، تا کہ اس کا کرایہ مسجد میں آئے اور ضروریات پوری ہوں (۲)۔

امام اور مقتدیوں کے درمیان اگر فصل ہو اس طرح کہ ایک گاڑی درمیان میں گزر سکے یا کچھ مقتدی سلسلۂ صفوف سے اس طرح منقطع ہو جائیں اور یہ فصل خارج مسجد ہو، تو اقتداء درست نہیں ہوگی اور ایسے مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۳)۔ اگر صرف دیوار حائل ہو اور امام کے انتقالات کی اطلاع ان مقتدیوں کو صحیح طور پر ہو جاتی ہو تو ان کی نماز درست ہو جائے گی (۴)۔

= (وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ٢٨٥/٦، رشيديه)

(١) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(٢) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتها فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ٤١٣/٢، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣٠٠/٣، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ٣٢/٧، حقانيه پشاور)

(٣) "ويمنع من الاقتداء طريقة تجري فيه عجلة، أو نهر تجري فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٥٨٤/١، ٥٨٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع: ٨٧/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٦٣٣/١، ٦٣٥، رشيديه)

(٤) "والحائل لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولما في البرهان: من أنه لو كان بينهما حائط كبير لا يمكن الوصول منه إلى الإمام، ولكن لا يشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته، لا يمنع صحة =

۲- جواب تحریرات اس کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۶ھ۔

الجواب کافی: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۶ھ۔

مسجد میں مکان یا حجرہ بنانا، مسجد کی دیوار پر کڑی یا گاڈر رکھنا

سوال [۸۱۱۵]: صحن جامع مسجد جہاں ایک عرصہ سے نماز ہوتی چلی آرہی ہے، جس پر باقاعدہ صفوں کے نشان بنے ہوئے ہیں، کیا اس صحن کے کسی حصہ میں حجرہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا کڑیاں رکھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصہ نماز کے لئے وقف کردیا جائے اور اس پر اذان وجماعت ہونے لگے، حتیٰ وہ شرعی مسجد بن جائے، اس کو کسی دوسرے کام میں مستقلاً لانا جائز نہیں، لہٰذا وہاں حجرہ بنایا جا سکتا ہے نہ دکان۔

"شرط الواقف کنص الشارع"(۱)

مسجد کی دیوار پر کسی حجرہ یا مکان کی کڑی یا گاڈر رکھنا بھی جائز نہیں، اگرچہ وہ دکان یا حجرہ مسجد ہی کے لئے ہو، کذا فی البحر (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۸ھ۔

= لاقتداء في الصحيح" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، ۵۸۷، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۳۵۰، ۳۵۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء: ۱/۸۸، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

مسجد میں میت کو دفن کرنا

سوال[۱۰۸۱۹]: حضرت الاستاذ مفتی صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

بعد سلام مسنون، چند مسائل کا جواب دریافت طلب ہے۔ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الف...... وقف کردہ جگہ میں مسجد ہے، اب اصل مسجد کے احاطہ میں اگر تمام اہل بستی متفق ہو کر کسی شخص کی قبر (روضہ) بنانا چاہتے ہیں، بلکہ ایسا ہوا بھی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

ب...... مسجد میں پہلے چھت نہیں بنی ہوئی تھی، بلکہ لکڑی وٹین کا چھپر تھا، تو اب جب کہ مسجد کی چھت بنائی گئی تو ان اسباب مسجد کو (لکڑی وٹین) وغیرہ کو فروخت کیا جارہا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کو جو مسجد سے مس کئے ہوئے تھے، اپنی عمارت وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہے، وہاں میت کو دفن نہ کیا جائے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔

ب...... جب مسجد کی چھت بنائی گئی اور ٹین وغیرہ پہلا سامان مسجد میں کارآمد نہیں رہا، تو اس کو فروخت کر کے قیمت مسجد میں لگا دی جائے (۲) اور خریدنے والے کو اپنے مکان وغیرہ میں اس سامان کو لگانے اور

= "قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران من وضع جذوع على جدار المسجد فإنه لا يحل، ولو دفع الأجرة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۳، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في =

استعمال کرنے کا حق حاصل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۶ھ۔

مسجد کی زمین میں تعمیر کرلی تو وہ کس کی ہے؟

سوال[۱۰۸۲۰]: ایک مسجد کی کچھ مملوکہ ومقبوضہ زمین جو سالہا سال سے بیکار پڑی تھی، اس کا کچھ حصہ لوگوں کے پاس کرایہ پر تھا، کرایہ کی مقدار بہت تھوڑی تھی، کچھ لوگوں نے اس پر عمارتیں بنالیں اور کرایہ دینا بھی بند کردیا۔ اس طرح زمین پر قبضہ کرکے مالک بن جانا چاہتے تھے، مسجد کی کمیٹی نے یہ دیکھ کر زمین فروخت کردینے کا اعلان کردیا اور کہا یا تو زمین کی قیمت ادا کردو یا اپنے مکان کی قیمت لے لو بعض کرایہ داروں نے یہ بات مان لی اور زمین کی قیمت دس ہزار روپے گراؤنڈ کے حساب سے دینے پر راضی ہوگئے، زمین کو فروخت کردینے میں مسجد کا فائدہ ہے، اس لئے مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوجائے گا اور اس آمدنی سے دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے، ورنہ لوگ زمین پر ناجائز قبضہ کریں گے، جس سے مسجد کو سخت نقصان ہوگا اور

= الوقف إذا خرب: ۳/۳۷۷، سعید)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۳/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

زمین مسجد سے نکل جائے گی۔

ایسی صورت میں اس زمین کا فروخت کر دینا اور اس کی قیمت لے لینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو چکی ہے، اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں (۱)، الا یہ کہ اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر اس کا وقف ہونا ہی ختم ہو جاتا ہو، تو ایسی صورت میں مجبوراً اس کی قیمت وصول کر کے مسجد کے لئے دوسری جائیداد خرید دی جائے (۲)۔ اب موجودہ صورت میں تین شکلیں ہیں:

اول یہ کہ وہ لوگ وہاں سے اپنی عمارت ہٹا کر مسجد کی زمین خالی کر دیں (۳)۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لایملک، ولا یملک، ولا یعار، ولا یرهن". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لایملک) لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملک أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه ...... أما امتناع التملیک فلما بینا من قوله علیه الصلاة والسلام: تصدق بأصلها لایباع، ولا یورث، ولا یوهب". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لایجوز استبدال العامر إلا في الأربع". (الدر المختار).

"(قوله: إلا في أربع) — الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أي: وأراد دفع القیمة، فللمتولي أخذها یشتري بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعید)

"لو استولی علی الوقف غاصب وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن یدفع قیمتها کان للمتولي أخذ القیمة أو الصلح علی شيء، ثم یشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخری فیجعله وقفاً علی شرائط الأولیٰ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۰۵، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچي)

(۳) "وأما البناء في أرض الوقف فإن کان الباني المتولي علیه — وإن لم یکن متولیاً فإن کان بإذن المتولي لیرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنی لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم یضر، وإن أضر فهو المضیع لما له فلیتربص إلی خلاصه". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۱، ۱۰۲، إدارة القرآن کراچي) =

دوسری صورت یہ ہے کہ تعمیر شدہ مکان کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ادا کر دیا جائے اور وہ مکانات مسجد کی ملک ہو جائیں (۱)۔

اگر ان دونوں شکلوں میں سے کسی پر عمل نہ ہو سکے، تو انتہائی مجبوری میں تیسری شکل یہ ہے کہ مسجد کو اس زمین کی قیمت دے دی جوئے اور اس قیمت سے مسجد کے لئے جائیداد خرید دی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۶ھ۔

مسجد میں مکان کا دروازہ کھولنا

سوال[۱۰۸۲۱]: ہمارے یہاں قصبہ کھتولی میں ایک زمین دو فریقوں نے شرکت میں خریدی تھی اور شرکت میں ہی اس کی تیوبھروائی تھی، عرصہ تک یہ زمین اسی طرح تیوبھری پڑی رہی، ایک فریق نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا اور دوسرے نے اپنے حصہ میں مکان بنا لیا، لیکن جو دیوار شرکت میں کرائی اس پر اپنی مکمل دیوار بنالی ہے اور اس پر مسجد کا کوئی حق باقی نہیں رکھا ہے اور مسجد کے اندر اپنا ایک دروازہ بھی کھول لیا ہے۔ اس کے لئے آپ بتائیے کہ اس کا یہ دروازہ مسجد میں کھول سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کی کوئی اور صورت ہے؟

" فإن كان الباني غير المتولي فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن لنفسه أو أطلق رفعه إن لم يضر بأرض الوقف، فإن أضر فالحكم ما تقدم أي: فهو المضيع لماله". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۱۳، امدادیه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۱۸۹، رشيديه)

(۱) "حانوت موقوف على الفقراء وله قيم بنى رجل في هذا الحانوت بناء بغير إذن القيم، ليس له أن يرجع على القيم بعد ذلك، ينظر إن كان أمكنه رفع ما بنى من غير أن يضر بالبناء القديم فله رفعه، وإن لم يمكن رفعه من غير أن يضر بالبناء القديم فليس له رفعه، ولكن يتربص إلى أن يتخلص ماله ... إن لم يرض هو بتملك القيم البناء للوقف بالقيمة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

"مستأجر حانوت الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لا يرجع عليه ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يمسكه القيم بأقل القيمتين منزوعاً وغير منزوع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۶/۲۶، حقانيه پشاور)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۶۱

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی دیوار مستقلاً مسجد کی ہونی چاہیے، وہ شرکت نہ رکھی جائے (۱)، اس شریک کے حصہ کی قیمت دے کر مسجد کے لئے خریدی جائے، اگر وہ بلا قیمت نہ دے، مسجد میں دروازہ اس کے مکان کا نہیں ہونا چاہیے، اس کو بند کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے کچھ حصے میں متولی کی قبر بنانا

سوال [۱۰۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ: قدیم مسجد جو کہ تقریباً دوسو سال سے بھی زائد کی ہے، جس کا نقشہ حسب ذیل ہے، مسجد مذکور کے صحن کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے، حسب ذیل احاطہ چہار سہ دیواری جنوب چبوترہ دوسو سال سے زائد ہوئے، ایک بزرگ عام مسلمانوں کی رائے سے مسجد مذکور

---

(۱) "لو بنی فوقه بیتا للإمام لایضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع ...... فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو كان على جدار المسجد". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، ونقل في البحر: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد، وإن كان من أوقافه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

"فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولايجوز أخذ الأجرة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰، رشيديه)

"دار لمدرس المسجد مملوكة أو مستأجرة متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد، ويجعل من بيته باباً إلى المسجد ....؟ فقالوا: ليس له ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۰، رشيديه)

کے امام ومتولی ہوگئے، انہوں نے اپنے اہتمام میں مسجد کو سہ دری کے بجائے پنج دری کیا، امام اول موصوف کا انتقال ہونے کے بعد بزرگ موصوف کے مزار کے قریب احاطہ سہ دیواری میں دفن ہیں۔

ان کے بعد ان کے بڑے لڑکے امام دوم بدستور سابق امام متولی ہوئے، انہوں نے صحن مسجد کی توسیع کر کے احاطہ سہ دیواری قبور کو وسط صحن میں شامل کیا، بعد انتقال امام دوم بھی امام اول اور بزرگ کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، اس کے بعد ان کے بھائی امام سوم بدستور سابق متولی ہوئے، ان کی حیات میں ان کے بھتیجے امام دوم کے بڑے لڑکے بھی اسی احاطہ قبر میں دفن ہوئے، امام سوم بھی بعد انتقال بھتیجے اور امام دوم کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، ان کے بعد ان کے دوسرے بھتیجے امام دوم کے لڑکے امام چہارم بدستور امام سابق متولی ہوئے، انہوں نے بھی مسجد کی توسیع جات کی، بعد انتقال امام چہارم بھی اسی احاطہ قبر میں امام اول کی پائتی میں دفن ہیں، جس میں کچھ جزء قبر مسجد کی زمین کا شامل ہوئے جب کہ حسب ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے، ان کے بعد امام سوم کے لڑکے امام پنجم بدستور سابق امام متولی مقرر ہوئے جو کہ موجود ہیں۔

اب صرف مسجد ہذا کی تنظیم کمیٹی بھی مقرر ہوگئی ہے، جس کے لئے یہ شرائط مسجد ہذا کی بھی تعمیری کام کے لئے امام کی رائے مشورہ وغیرہ دریافت کرنا ضروری ہے۔ منتظم کمیٹی مسجد ہذا کے کچھ ممبران نے بغیر اطلاع امام احاطہ نیز سہ دیواری کو منہدم کر کے ہر جانب سے تنگ کر کے اور احاطہ کی کچھ جگہ جہاں قبریں متعین ہیں، سب میں مسجد کرلی ہے، ایسی صورت میں بغیر اجازت امام جس کے آباؤ واجداد اسی احاطہ میں دفن ہیں اور منتظم کمیٹی بھی صرف مسجد ہی کے امور میں حق رکھتی ہے، تو احاطہ قبور سے زمین کا کچھ حصہ مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ امام وخاندان امام اور دیگر بہت سے لوگ (مسلمان) نہیں چاہتے، جواب باصواب سے مطلع فرمائیں تا کہ عوام الناس کسی قسم کے شک میں نہ رہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مسجد سے متعلق کسی بھی تعمیر کام کے لئے امام مسجد کا مشورہ ورائے ضروری قرار دے دیا گیا ہے اور یہ چیز طے شدہ شرط کے درجہ میں ہے، تو پھر تصرف مذکور کرنا خلاف شرط ہوا جو زمین مسجد میں داخل کی گئی ہے، اگر وہ مالک کی اجازت سے داخل کی گئی ہے، تو اس کو داخل کرنا صحیح ہوگیا(۱)۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: =

اور اگر وہ زمین وقف تھی، مسجد کے لئے تب بھی داخل کرنا درست ہوا(۱)، قبریں اگر اتنی پرانی ہیں کہ میت مٹی بن چکی ہوگی تو ان کا باقی رکھنا ضروری نہیں، ان کو ہموار کرکے وہاں مسجد کا فرش بنانا اور نماز پڑھنا بھی درست ہے، ایسی حالت میں قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، بلکہ بدل جاتا ہے(۲)۔ اور اس تصرف سے میت کی توہین نہیں ہوتی، آئندہ ایسا تصرف کرنے کے لئے جائز شروط کی پابندی کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۵/۹ھ۔

مسجد تعمیر کرنے والوں میں اختلاف ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۸۲۳]: ہمارے گاؤں میں بڑی مشکل سے مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق ہوا اور تعمیر کی ابتداء

= ألا لا تظلموا ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب: ۲۵۵/۲، قديمي)

"لايجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۳۳۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

"لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بآخر قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۱) "سئل الفقيه أبوجعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۷۱/۵، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۲۹/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(۲) "ولو بلي الميت، وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعيد)

"جاز زرعه أي: القبر، والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

ہوگی، اس کا کام لینٹر پر رہے گا، کوئی کہتا ہے کہ لینٹر میں نہ ڈلواؤ، کوئی کہتا ہے کہ صرف فرش ڈلواؤ، ایسے زمیندار لوگ متعدد ہیں، اگر ہم ان سے یہ سامان نہیں لیتے تو بدنامی کا خطرہ ہے اور کام بند ہو جائے گا، جس سے مسلمان بہت پریشان ہیں کہ آخر کیا کیا جائے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ایسی ہی الجھن ہے تو بہتر یہ ہے کہ جو شخص تعمیر کا انتظام کر رہا ہے، وہ زمیندار اس کو روپیہ دے دیں اور وہ شخص اس روپیہ سے لینٹر اور فرش تعمیر کرا دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "رجل بنى مسجداً لله تعالى، فهو أحق الناس بمرمته، وعمارته، وبسط البواري، والحصير، والقناديل، والأذان، والإقامة، والإمامة إن كان أهلاً لذلك، فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه"

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل كره غلق المسجد: ۱/۱۱۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، رشيدية)

الفصل الثامن في انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

ایک مسجد کی زائد اینٹیں خرید کر دوسری مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۵۴۴]: مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں قریب کی ایک مسجد میں اینٹیں زائد تھیں، وہاں سے خرید کر لگادی گئیں، یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک مسجد کا لوٹا، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر دوسری مسجد کے لئے لینا

سوال[۱۰۵۴۵]: کسی مسجد سے دوسری مسجد کے لئے لوٹے، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر لئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ..... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۳، مكتبه شركة علمية ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج أي إلى الاحتياج، لأنه لا بد من العمارة ..... وإن تعذر إعادة عينه بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۴۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اشیاء کو واپسی کے وعدہ پر بھی نہ لیا جائے (۱)، ہاں! اگر وہاں ضرورت سے زائد ہو، تو خرید لیا جائے (۲)، فروخت کرنے پر اعتراض ہو، تو نہ خرید ا جائے دوسری جگہ سے انتظام کرلیا جائے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مساجد کے لوٹے وغیرہ عیدگاہ میں لے جانا

سوال[۱۰۸۲۶]: زمانہ قدیم سے نظام حیدرآباد کے زمانے سے یہاں معمول یہ ہے کہ عیدین کے موقع پر متولیان عیدگاہ و منتظمین ان مساجد سے جہاں عیدگاہ نہیں ہوتی ہے، وہاں کے متولیان کی اجازت سے جائے نماز اور وضو کے برتن وغیرہ مصلیان کے لئے لے جاتے ہیں اور بعد نماز عید وہاں پہونچادیتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ عمل از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ معمول قدیم کو لیتے ہوئے تعامل ثابت کرتے ہیں اور جواز کا قول فرماتے ہیں کہ چونکہ دورِ آصفیہ میں محکمۂ اوقاف کے محلے اور تھے اور حکومت وقف کی اجازت سے ایسا کیا گیا اور مسجد کے ہر قسم کے انتظامات وہی لوگ کرتے تھے، تو جب کہ وہ عمل عرصے سے چلا آرہا ہے تو تعامل سے ثابت ہے، جس مسئلہ میں نص موجود نہیں اس میں تعامل

(۱) "فإذا تم ولزم لا یملک، ولا یملک، ولا یعار، ولا یرهن". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۸۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حيا ولورثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۳۲، حقانيه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: ۵/ ۸۴۳، قديمي)

تحت ہے، مگر اس وقت غور طلب بات یہ ہے کہ فی زمانہ اگرچہ محکمہ اوقاف ہے اور مساجد کو کچھ اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔

مگر کلیۃً دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ مساجد کی بجز ی ضرورتوں کو عوام پورا کرتے ہیں، اس میں سے مساجد کی صفیں اور دیگر سامان ہے۔

تجزیہ تفصیل کے شرائط ہو سکتے ہیں، اس طرح عیدگاہ کے لئے بسہولت دوسرے طریقے یا انتظام ممکن ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے اگر کوئی وقف اس تصریح کے ساتھ کیا ہو کہ عیدگاہ میں بھی اس کی آمدنی سے خرید کردہ سامان صف اور ظروف وضو وغیرہ لے جائیں، تب تو لے جانا درست ہے۔

"کہ شرط الواقف کنص الشارع"(۱)

لیکن آج جب کہ صف اور ظروف وضو کا نظم عوام کے چندہ سے ہے تو اس کو وقف سابق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، جو چیز جس مسجد کے لئے دی جائے اس کو اسی مسجد میں استعمال کیا جائے، عیدگاہ میں نہ لے جائیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۶ھ۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیہ)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "لو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثاني". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: "(قوله عند الإمام والثاني) فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

"وقال أبو یوسف: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشیدیہ)

مسجد کے قرآن کا حکم

سوال[۱۰۸۲۷]: ایک شخص حافظ ہے، جس قرآن پاک میں اس نے حفظ کیا ہے، اب وہ قرآن پاک قطعاً شہید ہو چکا ہے، بالکل ہی ناقابلِ انتفاع ہے اور اس چھاپ کا قرآن پاک اس وقت دستیاب بھی نہیں ہے، دہلی، دیوبند، علی گڑھ، تمام جگہ تلاش کیا، لیکن ناکامی رہی اور دیگر قسم کے مطبوعہ میں یاد نہیں ہوتا، کیونکہ ذہن میں وہ مطبوعہ رہتا ہے، جس میں کہ قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ اب اتفاق سے ایک مسجد میں اس جیسا مطبوعہ مل گیا ہے، وہ بھی شہید، مگر قدرے غنیمت ہے اور ایک قرآن ایسا مل گیا ہے کہ جتنے پارے اس حافظ کے قرآن پاک میں شہید ہو گئے ہیں اتنے پارے قابلِ انتفاع ہیں، تو کیا اس کے پارے اس میں لا کر اپنا ایک قرآن پاک صحیح کر لے یا پھر جو قدرے غنیمت ہے، اس کو لے کر انتفاع جائز ہے؟

وقف کا پتہ نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں جتنے بھی قرآن پاک ہیں، سب وقف ہوتے ہیں تو کیا اس طرح گنجائش ہے؟ اس سے استفادہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق ہے کہ جو قرآن کریم مسجد میں رکھا ہوا ہے، وہ وقف ہے، تب تو نہ اس کو لینا درست ہے نہ اس کے پارے نکال کر اپنا قرآن شریف مکمل کرنا درست ہے، البتہ وہیں مسجد میں بیٹھ کر پڑھنا درست ہے (۱)۔

= "الواقف لو عين انساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۱) "ووقف مصحفاً على أهل المسجد للقراءة إن يحصون جاز، وإن على المسجد جاز ويقرأ فيه". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أنه لو وقف المصحف على المسجد أي: بلا تعيين أهله قيل: يقرأ فيه أي: يختص بأهله المترددين إليه، وقيل: لا يختص به أي: يجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مر عن القنية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل الكتب: ۳۶۵/۴، سعيد)

"وفي الخلاصة: وقف مصحفاً على أهل المسجد لقراءة القرآن إن كان يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ في ذلك الموضع. وذكر في موضع آخر لا يكون مقصوراً على هذا المسجد. وفي القنية: سبّل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من =

"إذا تم ولزم لا یملک ولا یملک الخ" در مختار(۱)۔

بعض مسجدوں میں قاعدوں، سیپاروں اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جو کہ قابلِ انتفاع نہیں رہتے، اس لئے لاکر رکھ دیتے ہیں کہ بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور اہلِ مسجد ان کو باقاعدہ دفن کردیں گے۔ ایسی حالت میں جو شخص جو پارے اپنے لئے قابلِ استفادہ سمجھے لے لے، یہ درست ہے، یہ وقف نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں بطورِ ہدیہ دینا

سوال [۱۰۸۲۸]: ۱.. ایک مسجد میں قرآن پاک زیادہ ہیں، تو دوسری مسجد میں ہدیۃً دیا جاتا ہے یا نہیں؟

۲.. اسی طرح ایک مسجد کی چیز بوقتِ ضرورت بطورِ ہدیہ یا استعمال دوسری مسجد میں دیا جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.. جن لوگوں نے وہ قرآن شریف اس مسجد میں دیئے ہیں، ان کی اجازت سے صورتِ مسئولہ میں

= غير أهل تلك المحلة للقراءة، يوافق الأول، لا ما ذكر في موضع آخر. هذا ما ظهر لي بعد الفحص عن المسألة". (النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الثالث: ۴/۴۱۸، رشيديه)

(۱) "إذا تم ولزم لا يملك، ولا يملك، ولا يعار، ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) اس لئے کہ یہ بوسیدہ پارے بے حرمتی سے بچانے کے لئے مسجد میں رکھے جاتے ہیں، مسجد کے واسطے وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے اور وقف کے زمرے میں نہیں آتے ہیں۔

"وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب ... وعليه الفتوى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

دوسری مسجد میں دینا درست ہے(۱)۔

۲..... اگر وہ چیز اس مسجد کے پیسے سے مسجد کے لئے خریدی گئی ہے تو دوسری مسجد میں دینا درست نہیں، بلکہ وہ پیسے کے نا استعمال کے لئے(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

وفيه أيضاً: "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (كتاب الوقف: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيدية)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً والفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وقد علم منه أن لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۹۱، رشيدية)

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

مسجد میں تعلیمِ صبیان

سوال[۱۰۸۲۹]: ۱...... مسجد کے اندر لڑکوں کو قرآن اور دینیات پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد پنجم وششم ص: ۲۹۸، فتویٰ نمبر ۱۲۸۹، ۸۷۹، جس کی بعینہ نقل منسلک ہے، صاف ہے کہ اگر مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب ہے تو حرام ہے، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

چونکہ صورت مسئولہ میں مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب نہیں ہے، بلکہ یقین اور تجربہ ومشاہدہ یعنی ہے، لہذا تفصیلی سوال قائم کرکے مفتی صاحب شہر بے پور راجستھان مقامی سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو ممدوح نے ضرورت کی حد تک مسجد میں پڑھانے کی اجازت فرمائی، نیز اس کے علاوہ دیگر معترضین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ حرام کا ہے، اس دارالعلوم دیوبند کی مسجد چھتہ والی میں تو مدرسہ تھا، وہاں حرام کیوں نہ ہوا، چنانچہ مسجد چھتہ والی کے متعلق جو نوٹ آئینہ دارالعلوم دیوبند میں درج ہے۔

کیا مفتی بے پور کے فتوے پر عمل کیا جائے؟

۲...... معترض کا جو اعتراض ہے، تو کیا مسجد چھتہ والی دیوبند کی نوعیت یہ ہے یا جداگانہ؟ جب کہ اس میں صحت اور انار کے درخت کے نیچے لکھا ہے، یہ موقع اندرونِ مسجد تھا یا بیرونِ مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی تعلیم دینے کی اجازت ہے، جب کہ مسجد کا احترام برقرار رہے(۱)، شور شغب نہ ہو، بچے

---

(۱) "الحاصل: أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه...... لهذا مما كان فيه نوع عبادة وليس فيه إهانة ولا تلويث لا يكره، وإلا يكره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمى لاهور) =

ایسے چھوٹے نہ ہوں جو مسجد کو ناپاک کردیں، ان کو مار پیٹ ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے(۱)۔

تعلیم کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے، اگر ان امور کی رعایت نہ ہو سکتی ہو تو تعلیم کا انتظام مسجد سے علیحدہ کیا جائے، مسجد کو مستقل مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں(۲)۔ چھتہ والی مسجد دیوبند میں ایک استاذ نے ایک شاگرد کو انار کے درخت (پیڑ) کے نیچے پڑھانے کی ابتداء کی تھی، اس میں مسجد کا احترام پورا ملحوظ رہا۔ عالمگیری(۳)، بحر الرائق(۴)، شرح اشباہ(۵) میں مسجد سے متعلق جزئیات تفصیل سے مذکور ہیں، ان میں تعلیم کا مسئلہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۸/۹۴ھ۔

"لا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد، لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وقراءة القرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰۲، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۲/۲۳۰، إدارة القرآن كراتشي)

(۱) "يجب أن تصان المساجد عن إدخال الرائحة الكريهة ... وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ... عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰-۶۱۱، سهيل اكيدمي لاهور)

"ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: القول في أحكام المسجد: ۲/۲۳۰، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وحكم لا دليل عليه ... شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۶، امدادیہ)

(۳) "ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره، إلا أن يقع لهما الضرورة". (الفتاوى العالمكيرية، –

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۱۰۸۳۰]: مسجد میں بچوں کو پڑھانا اس طرح پر کہ بچوں کے لئے کوئی دوسری جگہ ہو پڑھنے کے لئے اور وہ بچے وہاں پر مستقلاً پڑھتے بھی ہوں، اس کے باوجود محض اس جگہ کو کرایہ پر اٹھانے کے لئے بچوں کی تعلیم کا انتظام مسجد میں کیا جائے، پھر اس کے بعد جب کرایہ دار چلے جائیں تو پھر بچوں کو اسی جگہ بھیج دیا جائے اور عذر یہ کیا جائے کہ انجمن مقروض ہے، اس لئے ایسا کیا جارہا ہے اور یہ تعلیم بچوں کی مع اجرت کے ہے اور بچوں سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے، تو اس حالت میں بچوں کو مسجد میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز کس شکل میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری جگہ نہ ہو تو مسجد میں بھی تنخواہ دار مدرس کو تعلیم دین دینا درست ہے(۱)، جب کہ بچے ہوشیار

= كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۴) "وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في المسجد: ۶/۳۵۷، رشيديه)

نوٹ: بزازیہ کے تمام نسخوں میں یہ عبارت اسی طرح ملی، جب کہ یہ عبارت دیگر کتب فتاوی کی عبارتوں کے معارض ہے۔ جیسا کہ ہندیہ اور اشباہ کی عبارت سے فرق واضح ہے۔

(۵) "معلم الصبيان القرآن كالكاتب إن بأجر لايجوز وحسبة لا بأس به". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۵۶، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "لايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد، لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وقراءة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۶۳، إدارة القرآن كراچی)

"الحاصل: أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها، وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ...... لهذا مما كان فيه نوع عبادة، وليس فيه إهانة، ولا تلويث لايكره، وإلا يكره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"لو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به، لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

ہوں، یا پاکی ناپاکی کی تمیز رکھتے ہوں، مسجد کا احترام کرتے ہوں(۱)، دوسری جگہ مناسب موجود ہو، تو پھر دوسری جگہ ہی تعلیم مناسب ہے(۲)۔ ضرورت کی بناء پر دوسری جگہ کو کرائے پر دے دیا ہو تب بھی مسجد میں تعلیم کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متصل خالی جگہ پر مدرسہ قائم کرنا

سوال[۵۸۳۱]: ۱- شاہانِ شرقیہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد جونپور کے حدودِ مسجد کے تعین کے بعد پکے فرش سے اس کا تعین کر کے اس سے ملحق نمازیوں کے وضو کے لئے دو دو حوض بنایا گیا تھا، جس پر علماء ومشائخ عمل درآمد کرتے چلے آرہے ہیں۔

۲- حدودِ مسجد کے علاوہ حوض میں مشرقی دروازے تک مع شمال وجنوب کچی زمین افتادہ ہے، اس افتادہ کچی زمین میں کنواں، نیز دو نشانِ قبر ہے، کنواں سے وقتِ ضرورت پرتل کے ذریعہ پانی حوض میں بھی بھرا جاتا

---

(۱) "ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسہم وإلا فیکرہ". (الأشباہ والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۳/۵۰، إدارۃ القرآن کراچی)

"ویجب أن تصان (المساجد) عن إدخال الرائحۃ الکریہۃ ... وإدخال المجانین والصبیان لغیر الصلاۃ ... عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی أحکام المساجد، ص: ۶۱۰-۶۱۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۶، سعید)

(۲) "لا یجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد للمروی "جنبوا مجانینکم وصبیانکم مساجدکم".

(الأشباہ والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۳/۹۶، إدارۃ القرآن کراچی)

"لو علم الصبیان القرآن فی المسجد لایجوز، ویأثم وکذا التأدیب فیہ أی: لایجوز التأدیب فیہ إذا کان بأجر، وینبغی أن یجوز بغیر أجر. وأما الصبیان فقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشیدیہ)

(وکذا فی سنن ابن ماجۃ، باب مایکرہ فی المسجد، ص: ۵۵، میر محمد کتب خانہ)

تھا، لیکن مولانا ظفر صاحب نے پوڈا اور نشان قبر خفیہ برابر کروا دیا، اسی افتادہ زمین پر لوگ اور خود مولانا موصوف بھی جوتا پہن کر چلتے اور اتارتے ہیں اور اسی زمین پر نماز جنازہ ہوتی چلی آ رہی ہے اور خود مولانا موصوف بھی پڑھایا کرتے ہیں۔

۳- یہ تحقیق نہیں کہ حوض، کنواں، پوڈا خود بانی نے بنوائے ہیں یا بعد میں بنائے گئے ہیں، بہرحال عرصہ دراز سے موجود ہیں۔

۴- یہ مسجد ۱۴۷۰ء میں مکمل ہوئی، سلطنت شرقیہ کے زوال کے بعد ایک مدت تک یہ مسجد ویران رہی، نماز، اذان کے علاوہ تعزیہ داری وغیرہ رسومات اور مختلف جرائم کی آماجگاہ تھی، اس لئے ۱۸۳۰ء میں مسجد کے تحفظ، آبادکاری، تبلیغ اور علوم دین کی اشاعت کی غرض سے حضرت مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کرامت علی کی اعانت سے مدرسہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ اور اس کے چند سالوں کے بعد حافظ صدیق صاحب نے مدرسہ دینیہ کی بنیاد ڈالی، جو حدود مسجد سے باہر افتادہ وکچی زمین میں جانب اتر کچی دالانوں اور کوٹھریوں میں قائم رہ کر علم کی شمع روشن کئے چلا آ رہا ہے اور انہی دالانوں اور کوٹھریوں میں اساتذہ وطلباء کی رہائش رہتی چلی آ رہی ہے، طلباء واساتذہ کی بود و باش کے ساتھ مطبخ اور پانی کی ٹنکی بھی اسی کچی زمین پر ایک عرصہ دراز سے چلی آ رہی ہے۔

۵- باوجود اس کے مسجد کا صحن جو حدود مسجد کا تعین کرتا ہے، بہت وسیع ہے اور آج تک جمعۃ الوداع عیدین و نماز جمعہ میں کبھی بھی نمازیوں سے نہیں بھرا اور نہ کسی قسم کی نمازیوں کو تکلیف ہوئی، حضرت مولانا کا کہنا ہے کہ حدود مسجد صرف اس کا فرش ہی نہیں ہے، بلکہ یہ افتادہ کچی زمین بھی ہے، اس لئے میں اس مسجد میں طے شدہ حدود مسجد کے باہر مدرسہ کو قائم نہ رہنے دوں گا۔

۶- حضرت مولانا مسجد مذکورہ بالا میں مذہبی وتبلیغی اجتماعات کو بھی روکتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اس مسجد میں نہیں کرنے دیا جائے گا، اس سے مسلمانوں میں نااتفاقی اور تصادم کی صورت پیدا ہوئی۔

۷- مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں از روئے شرع شریف آپ فیصلہ فرمائیں کہ طے شدہ حدود مسجد جس پر ایک عرصہ دراز سے عمل درآمد ہوتا چلا آ رہا ہے اور علماء ومشائخ کا اجماع ہو چکا ہے، کیا حضرت مولانا ظفر صاحب شرعی طور پر مذہبی اجتماعات اور دینی مدرسہ کے قیام پر پابندی لگا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے آس پاس عموماً اور بڑی مسجد کے پاس خصوصاً فرشِ مسجد سے متصل شمالاً و جنوباً و شرقاً افتادہ یا خالی جگہ باقی رکھنے کا عام معمول تھا، تاکہ بوقتِ ضرورت وہاں دینی مکاتب و مدارس قائم کیے جاسکیں، تاکہ تعلیم کا سلسلہ چلے، نیز خانقاہ و حجرات بنائے جاسکیں، تاکہ ذاکرین کے ذریعہ ذکر و شغل کا سلسلہ چلے۔ پس ایسی جگہ تعلیم گاہ بنانا اور دینی اجتماعات کرنا، مواعظ کی مجالس کرنا بلاشبہ شرعاً درست ہے(۱)۔ یہ سب جگہ متصل مسجد ہونے کی وجہ سے فناء مسجد بھی ہوتی ہیں، اس حیثیت سے کہ اس کا احترام مسجد کی طرح لازم نہیں ہوگا، یہاں کھانا پینا، سونا، بلا غسل آنا مکروہ نہیں ہوگا(۲)۔

قبر جب اتنی پرانی ہوجائے کہ میت باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، قبر کی طرح اس کا احترام لازم نہیں رہتا، وہاں نماز پڑھنا، کھیتی کرنا، زمین نکالنا، مکان بنانا سب درست ہوجاتا ہے۔

"ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء

---

(۱) مسجد کے آس پاس خالی جگہ میں دینی مکاتب و مدارس و خانقاہ و حجرات بنانا واقف کے منشاء کے موافق ہے، اس لئے بنانا جائز ہے۔

"أن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۴۵، سعید)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء، لا في حق غيره، فحل دخوله لجنب وحائض، كفناء مسجد، ورباط، ومدرسة، ومساجد حياض، وأسواق". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

"وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو اقتدى بالإمام منه يصح اقتداؤه، وإن لم تتصل الصفوف ولا المسجد ملآن. وينبغي أن يختص بهذا الحكم دون حرمة مرور الجنب ونحوه" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۲۷۷، دار المعرفة بيروت)

علیہ" کذا فی التبیین وعالمگیری(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۱۴۰۱ھ۔

پرانی مسجد کو مدرسہ بنالینا

سوال[۱۰۸۴۲]: ہمارے موضع کی مسجد گاؤں کے کنارے پر واقع ہے، وہ شکستہ ہوگئی ہے، اس لئے اب اہل دانے کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قدیم مسجد میں مدرسہ چلایا جائے اور جدید مسجد گاؤں کے وسط میں بنائی جائے اور مدرسہ مسجد کے انتظام میں ہی رہے تو قدیم مسجد کو مدرسہ بنانا کیسا ہے؟ اس کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بن جائے، وہاں نماز جماعت سے ہونے لگے، پھر وہاں سے نماز جماعت کو موقوف کرکے اس جگہ کو مدرسہ یا کسی اور کام کے لئے متعین ومخصوص کردینا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۲)۔

گاؤں کی مصلحت کی خاطر ضرورت کے وقت دوسری جگہ بھی مسجد بنالینا درست ہے، لہٰذا اگر آبادی کے

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

"لو بلي المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ في قبرہ، وزرعہ، والبناء علیہ". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۳۴۳، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار، باب صلاۃ الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(۲) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفہوم والدلالۃ، ووجوب العمل بہ". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل بہ، وفي المفہوم والدلالۃ". (الأشباہ والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وسط میں وہاں سب لوگ بسہولت آسکتے ہوں تو مسجد بنالینے میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔لیکن قدیم مسجد کو نہ شہید کیا جائے نہ اس کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے، نہ وہاں مدرسہ قائم کیا جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ کی تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۳]: یہاں ایک عجیب رسم ہے کہ شادی بیاہ میں لوگ مسجد میں تو روپیہ دیتے ہیں مگر مدرسہ کا نام لو تو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ، تو اس وقت ہمارے پاس مسجد کا روپیہ ۳۰۰/ موجود ہے اور مسجد میں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت والا سے دریافت کروں کہ مسجد ہی کے صحن کے کنارے

---

(۱) "قال علماؤنا: لایجوز أن یبنی مسجد إلی جنب مسجد، ویجب هدمه، والمنع من بنائه لئلا ینصرف أهل المسجد الأول فیبقی شاغراً، إلا أن تکون المحلة کبیرة، فلا یکفی أهلها مسجد واحد فیبنی حینئذ".
(الجامع لأحکام القرآن للقرطبي: ۱۹۳/۸، التوبة: ۱۰۷، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"وعن عطاء: لما فتح الله تعالیٰ الأمصار علی ید عمر رضي الله تعالیٰ عنه أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لا یتخذوا في المدینة مسجدین یضار أحدهما صاحبه". (الکشاف: ۳۱۰/۲، التوبة: ۱۰۷، دار الکتاب العربي بیروت)

(وکذا في روح المعاني: ۳۱/۱۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر معالم التنزیل البغوي: ۳۲۸/۲، إدارہ تالیفات اشرفیه ملتان)

(۲) "إذا خرب، ولیس له ما یعمر به، وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر، أو لخراب القریة ..... وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لایعود میراثاً، ولایجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

"ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثاني". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله عند الإمام والثاني) فلا یعود میراثاً، ولایجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر، سواءً کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی، وأکثر المشایخ علیه وهو الأوجه، فتح".
(ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

تھوڑی سی زمین ہے، وہ بھی مسجد ہی کے چہار دیواری کے اندر ہے، مگر صحن سے خارج ہے، مثلاً: نقشہ یہ ہے:
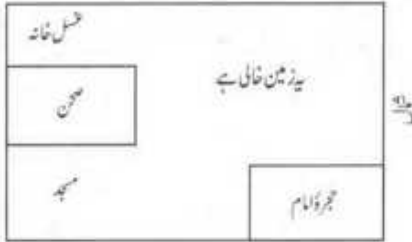
تو کیا میں اس خالی زمین کے لئے اینٹ منگوا کر مسجد کے روپے سے ایک مکتب کی شکل میں قائم کردوں؟ جس سے بچے سکون سے تعلیم حاصل کرسکیں، لہٰذا اگر کوئی گنجائش نکلتی ہو، تو بہت ہی جلد جواب مرحمت فرمادیں۔

یا دوسری صورت یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا روپیہ ہے، ان سے مشورہ کرلوں کہ تم اپنے روپے مدرسہ کی نیت سے دے دو، تاکہ مکتب بن جائے، بچے بارش سے اور دھوپ سے بچ جائیں، جو بھی صورت جواز کی ہو، مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے دیا گیا ہے، تو روپیہ دینے والے اور نمازیوں سے مشورہ کرکے اس خالی جگہ میں درسگاہ بنوادیں، جو کہ مسجد کی ملک ہوگی اور پھر اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کرایہ مسجد کو ادا کرتا رہے (۱)، جس سے مسجد کا بھی فائدہ ہو اور بچوں کو تعلیم کی بھی سہولت ہوجائے، بچوں پر مختصر فیس

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور)

مقرر کردیں، جو بچے مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو مد زکوٰۃ سے وظیفہ دے دیا کریں، تاکہ وہ فیس ادا کریں اور اس فیس سے اپنی ضروریات اور مدرسہ کی ضروریات کرایہ مکان وغیرہ پوری کرلیا کریں، ابتداءً دشواری ہوگی، پھر حق تعالیٰ نصرت فرمائیں گے اور باہر کے بچوں کو مدرسہ میں رکھ سکیں گے اور ان کے لئے دوسری ضروریات کا انتظام کرسکیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۰ھ۔

مسجد میں غیر دینی تعلیم دینا

سوال [۱۰۸۳۴]: مسجد میں اردو، ہندی، انگریزی اخبار یا سرکاری اسکولوں کے کورس کی کتابیں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر دینی تعلیم دینے کا بھی وہاں حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۸ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۳، رشيديه)

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد ... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذكر الله تعالى، والصلاة، وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۱۳۸، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف، وذكر شرعي ... وتعليم علم وتعلمه، وقراءة قرآن". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۲۳۳، إدارة القرآن كراچي)

"أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات، والأذكار، وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۲/۱۷۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کوکرایہ پر دینا)

مسجد کی دکانوں کی چھت پر کرایہ کے لئے مکانات تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۵]: جامع مسجد ہردوئی کی طرف سے گیارہ دکانیں تعمیر ہوئی ہیں، انجمن اسلامیہ ضلع ہردوئی ان دکانوں کی چھت کوکرایہ پر لے کر مکانات رہائش تیار کرانے کا قصد رکھتی ہے، اس کی آمدنی انجمن مذکور کی جنرل فنڈ میں رہے گی، جو مختلف شعبہ جات مدرسہ فرقانیہ، جامع مسجد، امداد بیوگان ومسافران وتجہیز وتکفین لاوارث مسلمان وغیرہ وغیرہ میں صرف ہوگی، اس انجمن کو یہ چھت کرایہ پر دی جاسکتی ہے، تاکہ اس کی آمدنی سے کارہائے مذکورۃ الصدر انجام دیئے جاسکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جامع مسجد کو اس سے نقصان کا خطرہ نہ ہو، تو دکانوں کی چھت کوکرایہ پر دیا جاسکتا ہے(۱)، پھر انجمن وہاں رہائشی مکانات تعمیر کرائے، چھتیں مسجد کی ہوں گی اور ان پر مکانات انجمن کے ہوں گے اور جب بھی حسب

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء".

(فتاوی قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

قاعدہ جامع مسجد کی طرف سے مطالبہ ہو تو مکانات وہاں سے ہٹا کر یا ملبہ کی قیمت پر فروخت کرکے مطالبہ پورا کرنا لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی دکان کرایہ پر ہے، کرایہ کا اضافہ کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۹۳۶]: ۱...ایک دکان زیر مسجد بغرض مصارف مسجد ۱۹۵۳ء میں مسجد کے ساتھ ساتھ تعمیر کردی گئی، وہ دکان ایک مسلمان کو چالیس روپے ماہواری کرایہ پر دی گئی ہے، اس سال کی تعمیرات پر اور اس سال کے بعد بھی سال رواں ۶۶ء کی تعمیرات پر بھارت کا قانون کنٹرول لاگو نہیں ہے، یعنی کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے اور اگر اضافہ پر کرایہ دار راضی نہ ہو، تو بے دخل ہوسکتا ہے، مگر ابھی تک کمیٹی انتظامیہ مسجد نے کوئی کارروائی اضافہ کرایہ یا بے دخلی کی نہیں کی، صرف زبانی کرایہ دار سے بار بار اضافہ کے لئے کہا گیا، انہوں نے ہر مرتبہ صاف انکار کردیا۔

اب اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ترمیم قانون میں پیش ہونے والی ہے، جس سے کنٹرول کا قانون ۵۳ء تک بنی ہوئی عمارات پر لاگو ہوگا، اگر قانوناً اضافہ کرایہ یا بے دخلی عمل میں آسکتی ہو اور انتظامیہ کمیٹی نے کوئی باضابطہ کارروائی نہیں کی تو آیا شرعاً ممبران کمیٹی قابل مؤاخذہ ہیں، یا اگر قانون مانع اضافہ کرایہ وبے دخلی

---

(۱) "مستأجر الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لا يرجع عليه، ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يتملكه القيم بأقل القيمتين منزوعاً وغير منزوع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۳، رشیدیہ)

"حانوت وقف بنى فيه ساكنه بلا إذن موليه إن لم يضر رفعه رفعه، وإن ضر فهو المضيع ماله ... ولو اصطلحوا أن يجعلوا ذلك للوقف بثمن لا يجاوز أقل القيمتين منزوعاً ومبنياً فيه صح" (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ثم هذا إذا كان البناء بغير إذن المتولي، فلو بإذنه فهو للوقف، ويرجع الباني على المتولي بما أنفق". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۲۵، سعيد)

"لو أحدث المستأجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة فالآجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء وإن شاء أبقى ذلك وأعطى قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في أنواع المأجور وأحكامه، الفصل الأول: ۱/۲۸۰، رقم المادة: ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

منظور ہوگئی تو ممبران اس سے قابل بریت ہیں یا نہیں؟ قبل کے بارے میں ممبران کی بریت اور مواخذہ کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟

۲ ــــ ایک مسلمان کو مسجد کی دکان پر باوجود اصرار انتظامیہ کمیٹی در بارہ اضافہ کرنے کرایہ یا تخلیہ وانکار کرایہ دریں امور شرعی حق دکان مسجد پر قبضہ رکھنے کا ہے اور کنٹرول کے قانون کی پناہ لینے اور اس سے مستفید ہونے کا حق شرعاً ہے یا شرعاً کرایہ دار کو لازم ہے کہ دکان کے کرایہ میں اضافہ کرے، حسب مرضی انتظامیہ کمیٹی ورنہ خالی کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ــــ جب کہ دکان کی حیثیت ایسی ہے کہ اس کو کرایہ دار زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہیں، جس میں یقیناً مسجد اور وقف کا نفع ہے اور قانوناً کوئی رکاوٹ بھی نہیں اور موجودہ کرایہ پر دینے اور موجودہ کرایہ دار سے خالی کرانے میں کوئی مضرت ومفسدہ بھی نہیں تو اس سے خالی نہ کرانا اور زیادہ کرایہ پر نہ دینا یقیناً حق تلفی ہے، ذمہ داران ممبران ومتولی سے مواخذہ ہوگا، اگر آئندہ کوئی ایسا قانون بن گیا کہ کرایہ میں نہ اضافہ کرایا جائے، نہ خالی کرایا جائے تو مسجد کا یہ مستقل نقصان اور خسارہ ہوگا، جو کہ ذمہ داران کی سستی اور بے توجہی کی وجہ سے ہوگا اور اس کی مکافات دشوار ہوجائے گی، ضابطہ میں ان سے خسارہ کا معاوضہ وصول کرنے کا مسجد کو حق نہیں، البتہ وہ مواخذہ دار ضرور ہیں (۱)۔

۲ ــــ شرعاً ایسے کرایہ دار کو قبضہ رکھنا اور کرایہ مناسب دکان میں اضافہ نہ کرنا شرعاً درست نہیں، اگر وہ

---

(۱) "وحاصل كلامهم في الزيادة أن الساكن ــــ إن كان مستاجراً صحيحة فإن كانت تعنتاً فهي غير مقبولة أصلاً، وإن كانت لزيادة أجر المثل عند الكل عرض المتولي الزيادة على المستأجر فإن قبلها فهو الأحق، وإلا آجرها من الثاني ــــ فإن كان المتولي ساكتاً مع قدرته على الرفع لاغرامة عليه ــــ وينبغي أن يكون خيانة من الناظر، وكذا إجارته بالأقل عالماً بذلك ــــ إذا قصر المتولي في شيء من مصالح الوقف هل يضمن؟ إن كان في عين ضمنها، وإن كان فيما في الذمة لايضمن". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۵-۴۰۱، رشيديه)

"والموقوف إذا آجرها المتولي بدون أجر المثل لزم المستأجر لا المتولي ــــ ولو كان القيم ساكتاً مع قدرته على الرفع للقاضي لاغرامة عليه، وإنما هي على المستأجر، وإذا ظفر الناظر بمال الساكن فله أخذ النقصان منه ــــ الخ". (الدر المختار) ــــــــــــــــــــــ =

حسبِ مرضی انتظامیہ کمیٹی کرایہ میں اضافہ نہیں کرتا، تو اس سے دکان خالی کرانا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۶ھ۔

مسجد اور مدرسہ کی دکان ومکان کے کرایہ کا مصرف

سوال[۱۰۸۳۷]: ہمارے یہاں مسجد اور مدرسہ کی دکانات اور مکانات ہیں، ان کی آمدنی کس طرح خرچ کریں؟ کیا مدرسہ کی آمدنی مسجد میں اور مسجد کی مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دکان یا مکان مسجد کی ملک ہو، اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات لائٹ اور خارج مسجد کی تنخواہ میں دینا اور خرچ کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو دکان یا مکان مدرسہ کی ملک ہو، اس کا روپیہ دوسری جگہ خرچ نہ کیا جائے، مدرسہ کا روپیہ مسجد میں نہ خرچ کریں، اسی طرح مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ نہ کریں(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "(قوله لاغرامة عليه) وعليه الحرمة ولا يعذر ..... قال في شرح الملتقى: فيأثم كلهم بنفس السكوت فما بالك بالمتولي والجابي والكاتب إذا تركوها ولا سيما لأجل الرشوة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۶۰۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة ..... ثم السراج، والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً =

زمینداری اوقاف ختم ہونے کی صورت میں اس کا معاوضہ مسجد میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۳۹]: خاتمہ زمینداری کی طرح اوقاف کا زمینداری بھی ختم ہو گیا تھا، حکومت معمولی معاوضہ متولی کے نام سے دے رہی ہے اور کچھ پونڈ(۱) کے نام سے جو چالیس سال میں روپیہ ملے گا، پوچھنا یہ ہے کہ آئندہ معمولی روپیہ ملے گا، اس کا سود لے لئے یا منافع یا منافع وہ ہر سال دیتی ہے، یہ سود مسجد کے ہر کام میں لگ سکتے ہیں، لیکن معاوضہ بھی زمین کی نصف قیمت پوری نہیں ہو سکتی اور کیا صورت ہو، معلوم ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب معاوضہ زمین شمار ہو کر مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

- لایجوز لہ ذلک". (الدر المختار).

"(قولہ: لایجوز لہ ذلک) أي: الصرف المذکور". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۶، رشیدیہ)

(وکذا في درر الحکام شرح غرر الأحکام، کتاب الوقف: ۲/۱۳۶، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۱) "پونڈ: بیس شلنگ کا انگریزی سکہ، انگریزی وزن کا باٹ جو سولہ اونس یا آدھ کلو کے برابر ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ویبدأ من ارتفاع الوقف أي: غلتہ التي تحصل منہ، وھو من إطلاق المصدر ... بعمارتہ ... ثم ما ھو أقرب لعمارتہ کإمام مسجدہ ومدرس مدرستہ ... إلی السراج والبساط". (الدر المنتقی شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۲/۵۸۳-۵۸۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعید)

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

اوقافِ مساجد کے مصارف

سوال[۱۰۸۴۹]: اوقافِ مساجد کے مصارف کیا کیا ہیں؟ کیا وقف واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے؟ منقود رعلی النقدی دو صورتیں ہیں: ایک مشروط اور ایک غیر مشروط، مثلاً: واقف نے دس روپے نقد جائے نماز کی خرید کو دیئے، ایسا وقف جائے نماز خرید کر ہی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دس روپے غیر مشروط مسجد کو دیئے، اس وقف کو کارکنانِ مسجد متعلقاتِ مسجد میں کہیں بھی خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کیا ایسے نقد کو امام کی تنخواہ میں دیا جاتا ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ اجرت ادائیگی فرض میں شامل ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی نے مصالحِ مسجد کے لئے وقف کیا ہے، تو امام، خطیب، قیم، روشنی، چٹائی وغیرہ یہ اس کے مصارف ہیں۔

"لو وقف على المصالح للإمام والخطيب والقيم وشراء الدهن والحصير اهـ" الأشباه والنظائر مع الحموي، ص: ۲۷۱، "وقف"(۱)۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف، ۲/۱۰۰، إدارة القرآن كراچي)

"ويدخل في وقف المصالح: قيم، إمام، خطيب والمؤذن يعبر الشعائر التي تقدم .... بعد العمارة هي إمام وخطيب ومدرس ووقاد وفراش ومؤذن وناظر، وثمن زيت وقناديل .... الخ". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله في وقف المصالح) أي: فيما لو وقف على مصالح المسجد" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۱، سعيد)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۳، رشيديه)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملک واقف میں رہتا ہے، مگر اس کی منفعت کا تصدق لازم ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ملک واقف سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہو جاتا ہے اور اس کی منفعت کو صرف کیا جاتا ہے (۱)۔ جو نقد معطی نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ فلاں چیز مسجد کے لئے خریدی جائے، تو اس کے خلاف کرنے کا حق نہیں (۲)۔ جو نقد بلا تعیین کے مصالح مسجد کے لئے دیتا ہے، اس کو تنخواہ امامت وقیم وغیرہ میں بھی صرف کرنا درست ہے۔ جیسا کہ عبارت اشباہ سے مستفید ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

مسجد کا سامان ذاتی مصرف میں لانا

سوال [۱۰۸۲۰]: جب آدمی مکان تعمیر کرا رہا تھا اول سے آخر تک مسجد کے حوض کے اندر سے پانی استعمال کیا، مسجد کا سامان بھی استعمال کیا، مثلاً: ڈیگ، فاوڑا، لکڑے وغیرہ، تو کیا اس طریقہ سے ہر آدمی مسجد کے سامان کو استعمال کر سکتا ہے؟ شریعت میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) "الوقف هو لغة: الحبس. وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده، وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۳۷/۴-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) "الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

"رجل قال جعلت حجرتي هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك، قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولي، وعليه الفتوى، وليس للمتولي أن يصرف الغلة إلى غير الدهن". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد: ۲۶۹/۶، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۸۸

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے سامان کو اس طرح استعمال کرنا درست نہیں، بدعتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۲۰۱ھ۔

مسجد کا فرش یا روپیہ اپنے کام میں لانا

سوال[۱۰۸۴۱]: مسجد کی کوئی چیز مثلاً: فرش، دری بچھائی جائے یا روپیہ بلا کسی عذر امام صاحب خود اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں کہ نہیں؟ یا بستی کا کوئی آدمی کی شادی وغیرہ میں کرایہ پر لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ طالب علم مسجد کا تیل اپنے کام میں بلا کسی عذر کے استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا فرش، دری وغیرہ امام یا کسی اور کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا حق نہیں (۲)، نہ کرایہ پر دینا درست ہے(۳)، مسجد کا روپیہ بھی کسی اور کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں (۴)، مسجد کے لئے تیل جس شخص نے دیا

---

(۱) "متولي المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(۲) "لیس للمتولي المسجد أن یحمل سراج المسجد إلی بیته". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "فإذا تم ولزم لایملک، ولایملک، ولایعار، ولایرهن". (الدرالمختار).

"أي لایکون مملوکاً لصاحبه (ولایملک) أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه".

(رد المحتار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید) ...

ہے، اگر امام یا کوئی طالب علم وہ چیز کام میں لانا چاہے، تو دینے والے کی اجازت سے لاسکتا ہے، بلا اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

مسجد کے بیت الخلا کا استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۴۲]: (۱)... ہماری مسجد کے قریب موجود رہتے ہیں شیعہ اثنی لوگوں کی دکانیں ہیں، وہ پیشاب

= (وكذا في الهداية، كتاب الوقف، ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(۳) "لو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حاجته، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الباب الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۶۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل في المتفرقات: ۷/۲۴۲، حقانيه پشاور)

(۴) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام، ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد فليس له ذلك، إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف، لو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبين قدره يصرف إليه إن كان فقيراً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴/۴۲۳، رشيديه)

پاخانہ کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور حوضِ مسجد میں وضو بھی کرتے ہیں، نماز مسجد ہذا میں پڑھتے ہیں، ان کے مسجد میں آنے سے کوئی حرج تو نہیں ہے، ان کو مسجد میں آنے سے روکنا چاہیے یا نہیں؟

۲۔ مسجد کے بیت الخلا میں رفعِ حاجت کے لئے بہت سے غیر نمازی لوگ بھی آتے ہیں، مصلیان مسجد کا کہنا ہے کہ بیت الخلا کو تالا لگادو، اکثر تالا لگایا جاتا ہے تو نمازی اور غیر نمازی دونوں کو تکلیف ہوتی ہے، جب کہ مسجد کا کوئی نقصان یا تکلیف نہیں ہے، اس کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ مسجد اصالۃً نماز کے لئے ہے(۱)، نماز کی خاطر طہارت وضو وغیرہ کی بھی وہاں اجازت ہے(۲)، لیکن نماز نہ پڑھنا اور مسجد کے بیت الخلاء، حوض کو استعمال کرنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے، ان کو اس سے روک دیا جائے اگر قدرت ہو۔

۲۔ مسجد کے بیت الخلاء پر تالا لگادیا جائے اور صرف اوقاتِ نماز میں کھول دیا جایا کرے تاکہ جو لوگ نماز

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: مه مه، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا تزرموه دعوه فتركوه، حتى بال، ثم إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله والصلاة، وقراءة القرآن". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم وتعلمه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول ... الخ: ۱/۱۳۳، دار السلام بيروت)

(۲) "ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء ... والوضوء إلا فيما أعد لذلك". (الدر المختار، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۶۶۰، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد إلا أن يكون فيه موضع اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

کے لئے مسجد میں آئیں، وہ اپنی ضرورت پوری کرسکیں، مسجد پر سب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد سے متعلق جگہ پر کھانا پکانا

سوال[۱۰۸۴۳]: مسجد کا حصہ جہاں شرعی احکامات لاگو ہوتے، جہاں ناپاکی کی حالت میں نہیں جاسکتے ہیں، وہاں دیگ میں کھانا پکایا جاتا ہے اور وہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ یہ ایک رسم بنتی جارہی ہے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کی ہے تو اس کو اس طرح اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۶/۱۴۰۰ھ۔

پرانی مسجد کا سامان اپنی بلڈنگ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۱۰۸۴۴]: پرانی مسجد کا پورا سامان دینی مدرسہ کی بلڈنگ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے خرید کر لگا سکتے ہیں(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالۃ، ووجوب العمل بہ". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل بہ، وفي المفہوم والدلالۃ". (الأشباہ والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) "وصرف الحاکم أو المتولي نقضہ أو ثمنہ إن تعذر إعادۃ عینہ إلی عمارتہ إن احتاج، وإلا حفظہ =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۹۱ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

= لیحتاج إلا إذا خاف ضیاعه، فیبیعه، ویمسک ثمنه لیحتاج". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعید)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاکم في عمارة الوقف إن احتاج إلیه، وإن استغنی عنه أمسکه حتی یحتاج إلی عمارته فیصرفه فیها، وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه بیع، وصرف ثمنه إلی المرمة صرفاً للبدل إلی مصرف المبدل". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۳، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

"ویصرف نقضه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتیاج، وإن تعذر إعادة عینه، بیع وصرف ثمنه إلی العمارة". (تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۱، رشیدیه)

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۳۵]: ہندوستان کی تمام مساجد کے وقف کا روپیہ گورنمنٹ لے جاتی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس روپیہ کو قومی کاموں مثلاً: کالج کھولنا، ہسپتال کھولنے میں خرچ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد تقی میرٹھی بنگلہ نمبر ا، فیض محمد سوسائٹی احمد آباد

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کو جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کو وہیں صرف کرنا ضروری ہے، "شرط الواقف کنص الشارع" کتب فقہ میں صراحۃً موجود ہے، واقف کی منشاء کے خلاف صرف کرنا درست نہیں (۱)۔ البتہ اگر کسی مسجد میں روپیہ زیادہ ہو، جس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، وہاں ضرورت نہ ہو، تو ارباب حل وعقد کے مشورہ سے دوسری مسجد میں اس کو صرف کرنا درست ہے (۲)۔ دوسرے قومی کاموں میں اسکول وغیرہ میں

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، إنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: لو لا أن قومك حديث عهد بجاهلية أو قال بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله .... الخ". (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها: ۱/۴۲۹، قديمي) =

صرف کرنا جائز نہیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۵ھ۔

ایک مسجد کے لئے چندہ کرکے دوسری میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۹]: سائل کا بیان ہے کہ یہاں محلّہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اندرونی حصہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، صحن میں گرمی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اگرچہ اب شامیانہ کا انتظام ہوگیا ہے، قبل اس کے محلے کے چند حضرات نے مل کر کچھ روپیہ جمع کیا کہ باہر سائبان بنوالیا جائے، لیکن متولی صاحب جو کہ چندہ جمع کرتے وقت باہر ملازمت پر تھے، وہ ریٹائرڈ ہوکر واپس آگئے، وہ سائبان بنوانے کی اجازت نہیں دیتے، اینٹ، ریت اور بجری وغیرہ سامان بھی آگیا اور کچھ نقد بھی موجود ہے، مسجد چونکہ نامکمل ہے، مینار اور گنبد بھی نہیں ہے، متولی صاحب مینار اور گنبد وغیرہ بنانے کی تو اجازت دیتے ہیں، لیکن سائبان کے لئے یہ عذر کرتے ہیں کہ صحن چھوٹا ہوجائے گا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس موجودہ سامان کو اسی مسجد میں دوسرے حصوں میں لگایا جائے یا دوسری مسجد کو

= "ولا بأس بنقشه خلا محرابه ...... بماله لا من مال الوقف ...... إلا إذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خيف الخ) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد، وهو مستغن عن العمارة، وإلا فيضمنها". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ومثله حصير المسجد وحشيشه إذا استغني عنهما، والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه إذا اتحد الواقف والجهة". (الدرر الحكام في شرح غرر الحكام، كتاب الوقف: ۲/۱۳۵، ۱۳۶، مير محمد كتب خانه كراچي)

"إذا اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنها حينئذ كشيء واحد". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۹۵

دے دیا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اینٹیں اور سب کچھ دوسری مسجد کو دے دیا جائے اور نقد کنوئیں کی مرمت کرا کر نل لگوایا جائے، یا مع نقد کے دوسری مسجد کو دے دیا جائے، جیسا حکم شرع ہو اس سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سائبان بنانے کی مصلحت نہیں ہے تو جن لوگوں نے سائبان بنانے کے لئے چندہ دیا ہے، ان کی اجازت ومرضی سے اس روپیہ کو کنوئیں کی مرمت، نل وغیرہ میں صرف کر دیا جائے یا دوسری مسجد میں دے دیا جائے، اسی طرح اینٹ بالو(۱) وغیرہ سامان کا حکم ہے کہ ان کی اجازت کے موافق صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "بالو: ریت، ریگ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہلِ چندہ صراحۃً یا دلالۃً العام دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں"۔ (امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۵۷۵، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في تحفة العلماء: ۱/۳۱۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف في الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۲۲۲، إدارة القرآن كراچي)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۵۱، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۰۰، سعيد)

مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی رقم دینی مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۷]: مسجد کی تعمیر کے لئے جو رقم وصول کی جاتی ہے، کیا اس میں بچی ہوئی رقم دینی مدارس کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ تعمیر کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ضرورت نہیں ہے، نہ اب نہ آئندہ، تو جن لوگوں نے رقم دی ہے، ان کی اجازت کے موافق دینی مدرسہ میں دے دیں(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

مسجد کے زائد چندہ کو مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۴۸]: مسجد بنات میں ایک کنواں ہے، جس پر الیکٹرک (بجلی) کا پمپ نصب ہے، نل کا پانی کافی نہ ہو تو کنویں پر بجلی کے پمپ سے پانی بھر لیا جاتا ہے، آج کل پانی اور بجلی کی شدید قلت ہوگئی ہے، الیکٹرک کے صرفہ پر تحدید کردی گئی ہے، مسجد کے حوض میں الیکٹرک پمپ سے پانی بھرنے پر اس کو ہر ایک شخص (مسلم وغیر مسلم) بھر کر لے جانے لگا، مسجد کے اصحاب رائے کی رائے ہوئی کہ مسجد کے کنویں پر اور ایک ہاتھ کا پمپ لگا دیا جائے تاکہ جس کو ضرورت ہو وہ لے جاسکے، اس کے لئے مسلم احباب میں چندہ کیا گیا اور ہاتھ کا پمپ لگا دیا گیا، پمپ لگانے کے بعد کچھ چندہ کے پیسے بچ گئے، ان پیسوں کے صرف میں اختلاف ہو رہا ہے، اس مسجد میں ایک مدرسہ شعبہ حفظ کا قائم کیا گیا، اس مدرسہ کی تنخواہ چندہ سے دی جاتی رہی، لیکن ماہ صیام کی تنخواہ مدرس صاحب کی باقی ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ مدرس صاحب کو دے دی جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ بجلی برابر نہیں آرہی ہے، اس لئے خارج از مسجد قندیل لگا کر اس میں گیس جلائی جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ وہ چندہ کے پیسے محفوظ رکھے جائیں، جب پمپ خراب ہو جائے تب اس کو استعمال کیا جائے، سب آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلان کر دیا جائے کہ اتنے پیسے بچ گئے ہیں، آپ لوگوں کی اجازت ہو تو مدرس کی تنخواہ میں دے دیں،

---

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشیة: ۲

اگر رائے ہو تو تبدیل کا انتظام کردیا جائے جس کی وہ لوگ اجازت دیں، وہاں خرچ کردیں، یہ خود سوچ لیں کہ کہاں زیادہ ضرورت ہے، پھر اعلان کردیں کہ بچے ہوئے پیسے فلاں ضرورت میں خرچ کرنے کی تجویز ہے، کسی صاحب کو اعتراض وانکار تو نہیں، پھر کوئی معترض نہ ہو تو خرچ کردیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۳۹۳ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہلِ چندہ صراحۃً یا دلالۃً اجازت دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں"۔ (امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۷۰۶، دار العلوم کراچی)

(وکذا في تحفة العلماء: ۱/۳۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً" (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله، أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۱۱، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۶/۴۰۰، سعيد)

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۴۹]: ۱... کالاگڑھ بجنور میں سیمنٹ قیمت سے نہیں ملتا ہے، اگر ملتا ہے تو بلیک سے ملتا ہے، اگر اس کا پتہ گورنمنٹ کو ہو جائے تو ٹھیکیدار اور لینے والے کی گرفت ہو جائے اور کہ باہر سے منگوائیں، تب بھی مشکل ہے کہ سرکاری محکمے کی بلیک کا ہے تو اس صورت میں بلیک سے خرید کر جو ٹھیکیدار لوگ اس حکومت کے سیمنٹ میں سے کچھ سیمنٹ مسجد میں دینا چاہیں تو وہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۲... مندرجہ بالا صورت میں جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو آیا اس صورت میں وہ سیمنٹ جو کہ گودام وغیرہ میں جمتر جاتا ہے، ظاہر ہے وہ حکومت کا ہوتا ہے، مگر حکومت اس پر توجہ نہیں کرتی تو کیا وہ مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کو استعمال کرتے دیکھ لے تو پکڑ ہو سکتی ہے؟

۳... جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے تو جو حکومت کے ملازم ہیں، ان کے پاس بچا ہوا سیمنٹ جسے وہ پھینک دیتے ہیں یا اسے خراب کر دیتے ہیں، اس کو مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ مسجد کا فرش بنانا ضروری ہے، کیونکہ چٹائیوں میں دیمک لگ جاتی ہے، مٹی بہت خراب ہے، پیر بھی گندے ہو جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱... چوری کا سیمنٹ خرید کر مسجد کے فرش میں استعمال نہ کریں(۱)۔

---

(۱) "أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالیٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ شرنبلالي". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في بيان السنة والمستحب: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۲۷۸/۱، دار المعرفة)

۲..... ایسا سیمنٹ بھی وہاں استعمال نہ کریں(۱)۔

۳..... اگر اس کے استعمال پر گرفت نہیں تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں(۲)، روڑی کوٹ کر بھی اس سے فرش بنا سکتے ہیں، پہلے یہی طریقہ تھا، اب بھی بہت سے مقامات پر یہی طریقہ ہے، اس کے ذریعہ سے جو تعمیر کی جاتی ہے، وہ بھی مضبوط ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۰]: یہاں شہر کا قاضی صاحب چندہ وصول کرکے جامع مسجد تعمیر کرا رہے ہیں، ان کی قضیات میں اگر کوئی مقدمہ آتا ہے، شرعی مقدمہ یا غیر شرعی، قاضی صاحب اس شرط پر مقدمہ لیتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کوئی بھی مقدمہ جیت گیا تو مسجد کی تعمیر میں اتنا روپیہ دینا ہوگا، پھر آگے رشوت وغیرہ دے دلاکر مقدمہ کا فیصلہ کرا دیتے ہیں اور فریق سے روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

یہاں کچھ لوگ کہتے ہیں پیسہ لینا رشوت میں شمار ہوا، اس لئے مسجد میں نہیں لگانا چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ جائز ہے لگانا چاہیے، اس لئے شریعت کی رو سے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً

(۲) وہ سیمنٹ اگر حکومت نے ان حاجتمندوں کو دیا ہے تو وہ ان کی ملک ہے، اگر وہ لوگ مسجد میں استعمال کرنے کی اجازت دیدیں تو اس سیمنٹ کو مسجد میں استعمال کرنا درست ہے۔

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه" رواه البیهقي في شعب الإیمان".
(مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمي)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۳/۳۳۳، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في القواعد الکلیة الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه کراچي)

بلیک سے خریدے ہوئے سیمنٹ کا مسجد میں استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۵۱]: زید ایک مسجد کی تعمیر کرانا چاہتا ہے، سیمنٹ کی بوریاں بلیک میں کرکے بہت مل رہی ہیں، بعض ٹھیکیدار کو حکومت کی طرف سے حسب ضرورت کافی مقدار میں سیمنٹ ملتا ہے اور اس کو تاکید ہے کہ چار ایک کے حسب سے بالو اور سیمنٹ کی آمیزش کی جائے، مگر ٹھیکیدار مثلاً: ایک بوری سیمنٹ اور سات بوری بالو ملاتا ہے، اس طرح سیمنٹ بہت بچا لیتا ہے اور سستے نرخ سے بیچ لیتا ہے، وہ سیمنٹ خرید کر مسجد وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیکیدار مالک نہیں، حکومت کی طرف سے وکیل واجیر ہے، فروخت کرنے کے لئے وہ فریب وخیانت کرکے سیمنٹ بچاتا ہے، وہ مالک نہیں ہوجاتا (۱)۔ ایسا سیمنٹ مسجد میں نہ

= والطیب فیکرہ، لأن اللہ تعالیٰ طیب لا یقبل إلا الطیب، فیکرہ تلویث بیتہ بما لا یقبلہ". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا: ۱/۶۵۸، سعید)

"قال ابن هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الکعبة) وبنائها قام أبو وهب بن عمرو بن عمران بن مخزوم، فتناول من الکعبة حجراً، فوثب من یده حتی رجع إلی موضعه، فقال: یا معشر قریش! لا تدخلوا في بنیانها من کسبکم إلا طیباً، لا یدخل فیها مهر بغي، ولا بیع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السیرة النبویة لابن هشام، ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها: ۱/۲۸۶، دار المعرفة بیروت)

(۱) "وأما شرائط المعقود علیه، فأن یکون موجوداً متقوماً مملوکاً في نفسه، وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه". (البحر الرائق، کتاب البیع: ۵/۴۳۳، رشیدیه)

"وشرط المعقود علیه ستة: کونه موجوداً مالاً متقوماً ... وکون الملک للبائع فیما یبیعه لنفسه". (رد المحتار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۵، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب البیع: ۴/۳۳۰، رشیدیه)

لگایا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شراب کا روپیہ مسجد میں لگ جائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۰۵۲]: کسی مسجد میں اگر شراب کا روپیہ کچھ غلطی سے لگ گیا، اس کو کیسے پاک کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت پیش آئی، اگر فرش لگوایا گیا ہے، اس کو بدلوادیا جائے یا اس پر سیمنٹ کرادیا جائے، تاکہ ایسے پیسے کی اینٹوں پر قدم نہ پڑیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) لتقدم تخریجہ تحت عنوان: "ناجائز شراب سے لیا ہوا روپیہ مسجد میں لگانا"۔

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إن الله طيب لا يقبل إلا الطيب". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۰، قديمي)

"(ومعناه لمحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالى طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"قال ابن هشام: ثم إنهم أجمعوا أمرهم في هدمها وبنائها ... فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: يامعشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي ولا بيع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنا)

غیر مسلم کا مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا

سوال [۱۰۸۵۳]: ایک دیہات میں مسلمانوں کے بیس مکان ہیں، لیکن سب غریب اور تنگ دست ہیں، بفضل خدا ایک مسجد بھی یہاں پر ہے، مسجد کے صحن میں جگہ خالی ہے، مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور نہ کوئی جگہ ہے کہ وہاں پہ تعلیم حاصل کر سکیں اور قرآن مجید کی تعلیم سیکھیں، اس دیہات میں ایک ہندو پارسی رہتا ہے، وہ مسلمانوں سے جمعہ کے روز کہتا ہے کہ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں اس مسجد والی جگہ کو اپنے پیسے خرچ سے تعمیر کرا دوں اور اس کے بنانے میں مجھے دو ہزار روپیہ بھی خرچ آ گئے، تو میں آسانی سے خرچ کر سکتا ہوں، تا کہ تمہارے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہو سکے اور آپ دینی اور خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کو حاصل کر سکیں۔

چند لوگ اس بات پر راضی ہوئے اور چند لوگوں نے انکار کیا، اب اس پارسی نے چند لوگوں کی رضامندی پر کچھ اینٹیں اور لکڑیاں خریدیں اور اس سامان کو اس نے مسلمانوں کے حوالہ کیا، وہ سامان تعمیر مسلمان کے نزدیک موجود ہے، تو شریعت اس پارسی کے روپیہ سے تعمیر کی اجازت کے لئے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کا کمرہ بنوانے کے لئے اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جب کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تعمیر کر سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر تعلیم کا نظم نہ رہا تو دہریت پھیلنے کا خطرہ ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے بچے دینی تعلیم سے گمراہ ہو جائیں گے، وہ سامان جو اس پارسی نے مسلمانوں کے حوالے کیا ہے، اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اور دو ہزار روپیہ دینے کا اس نے وعدہ کیا ہے، تو کیا وہ دو ہزار روپے اور سامان تعمیر میں لگایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پارسی وہ سامان اور روپیہ کسی مسلمان کو دے دے اور مالک بنا دے، پھر وہ مسلمان اس سے تعمیر کا

کمرہ اور مسجد کے منارہ بنادے (۱)۔ مسجد کے صحن میں جو جگہ خالی ہے یعنی وہ جگہ نماز کے لئے نہیں ہے، اگر وہ مسجد کی ملک ہے تو اس جگہ کا کرایہ مسجد کے لئے تجویز کردیا جائے، اس طرح کہ جگہ مسجد کی رہے اور اس پر کمرہ مدرسہ کا رہے (۲)۔ اگر وہ مسجد کی ملک نہیں تو کرایہ تجویز کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوگئی اور شرعاً تبدیل ملک سے تبدیل عین کا حکم ہوجاتا ہے، گویا کہ جدا حیثیت ہوگئی، یہ روپیہ مسلمان کا ہی ہے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الاحکام میں لکھا ہے کہ ہنود کے یہاں بھی مسجد بنانا قربت و ثواب کا کام ہے، جو ان کے یہاں جائز ہو، اس واسطے ان کی مسجد بن سکتا ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط، فيصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم"

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣١٦، رشيدية)

"عن أم عطية الأنصارية رضي الله تعالى عنها قالت: دخل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على عائشة رضي الله تعالى عنها فقال: هل عندكم شيء؟ فقالت: لا، إلا شيء بعثت به إلينا نسيبة من الشاة التي بعثت لها من الصدقة، فقال: إنها قد بلغت محلها (قد بلغت محلها) أي: لما تصرفت فيها بالهدية لصحة ملكها لها انتقلت من الصدقة وحلت محل الهدية". (فتح الباري، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة: ٣/٣٥٥، قديمي)

"وما أدى المكاتب من الصدقات إلى مولاه ثم عجز فهو طيب للمولى لتبدل الملك، وتبدل الملك بمنزلة تبدل العين في الشريعة". (فتح القدير، كتاب المكاتب: ٩/٢١٤، رشيدية)

"ولا يجوز أن يبنى المسجد بالزكاة ... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/١٢٠، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣/٣٠٠، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في —

غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۴]: ہمارے پاس کچھ رقم مشاعرہ فنڈ میں سے باقی ہے، اس میں اہلِ ہنود کی رقم بھی شامل ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقم دینے والوں کی اجازت سے مسجد میں بھی لگائی جاسکتی ہے(۱)، لیکن اہلِ ہنود صاحبان کی رقم بہتر یہ ہے کہ ان کو واپس کردی جائے، از خود مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کی اجازت نہ لی جائے(۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

= الأوقات: ۲/۳۱۳، رشیدیہ)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القیم في الأوقاف: ۷/۳۲، حقانیه پشاور)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي علی الأشباه، کتاب الغصب: ۲/۳۳۳، إدارة القرآن کراچی)

"لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الکلیة الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "لیس للکافر أن یقدم علی مرمة المسجد، وإنما لم یجز له ذلک؛ لأن المسجد موضع العبادة فیجب أن یکون معظماً، والکافر یهینه ولا یعظمه ..... وأیضاً إقدامه علی حرمة المسجد یجري مجری الإنعام علی المسلمین، ولا یجوز أن یصیر الکافر صاحب المنة علی المسلمین". (التفسیر الکبیر للإمام الفخر الرازي: ۱۶/۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالاً﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالیٰ: ﴿لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ أولیاء، بعضهم أولیاء بعض ومن یتولّهم منکم فإنه منهم﴾ الآیة "فنهي في هذه الآیات عن موالات الکفار، وإکرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي =

شیعہ اور چماریوں اور غیر مسلم کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال [۱۰۹۵۵]: سائل کا بیان ہے کہ مسجد کی تعمیر میں شیعہ حضرات کا اور ان چماریوں کا جن کے گھر آدمی مانگنے والے ایک دو ہوں اور محنت مزدوری کرنے والے زیادہ ہوں، پیسہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اہل ہنود کا روپیہ بھی مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر لکھے گئے لوگوں کے گھروں کے پیسے مسجد کی لکڑیوں میں جو پانی گرم کرنے کے لئے فراہم کی جاتی ہیں اور رمضان المبارک میں جو ختم قرآن کے نام سے وصول کئے جاتے ہیں جن سے مؤذن اور امام مسجد کی خدمت کی جاتی ہے، لئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بھی مسلم یا غیر مسلم شیعہ یا کوئی روپیہ مسجد کی تعمیر یا دیگر ضروریات مسجد و ختم قرآن شریف و تنخواہ امام یا مؤذن کے لئے بخوشی دے اور اس کو ثواب سمجھتا ہو، اس کا روپیہ لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ حلال روپیہ ہے(۲)، یا

= عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين مما فيه من العز وعلو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۱۳۱/۳، قديمي)

(۱) "وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

"شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد قدس".

(رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "(وبمال الحلال) أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالى طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱۱۰/۱، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲۸۴/۱، دار المعرفة بيروت)

غالب روپیہ اس کا حلال ہو، اس میں سے دے(۱) اور اندیشہ نہ ہو کہ یہ بعد میں احسان جتائے گا یا تولیت کا دعویٰ کرے گا یا یہ کہے گا کہ ہم نے تمہاری مسجد میں چندہ دیا تھا تم ہمارے مندر یا امام باڑہ میں چندہ دو(۲)۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے نذر ماننا اور پھر اس میں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۹۵۰]: ایک بزرگ کے مزار پر جہاں سالانہ عرس ہوتا ہے، ایک بزرگ عبدالرحیم شاہ صاحب (مدفون در بنارس) نے ایک مسجد بنائی تھی جو شہید ہوگئی، ایک ہندو تیلی نے منت مانی کہ اگر مراد پوری

= "قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها قام أبو وهب بن عمرو بن عمران بن مخزوم تناول من الكعبة حجراً، فوثب من يده حتى رجع إلى موضعه فقال: يا معشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيه مهر بغي، ولا بيع ربا ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "غالب مال المهدي إن حلالاً: لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه حرام، وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهبة: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "ليس للكافر أن يقدم على مرمة المسجد، وإنما لم يجز له ذلك؛ لأن المسجد موضع العبادة فيجب أن يكون معظماً، والكافر يهينه ولا يعظمه . وأيضاً إقدامه على مرمة المسجد يجري مجرى الإنعام على المسلمين، ولا يجوز أن يصير الكافر صاحب المنة على المسلمين". (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي: ۱۶/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالى: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾ الآية "النهي في هذه الآيات عن موالاة الكفار، وإكرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العز وعلو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۳/۱۰۲، قديمي)

ہوگی تو مسجد بنواؤں گا اور کنواں کھدواؤں گا، مراد پوری ہوگئی اس نے یہ دونوں کام کردیئے، اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس نے ثواب کی نیت سے خدا کو راضی کرنے کے لئے وہ مسجد بنوائی ہے تو وہاں نماز درست ہے اور اس کنوئیں کا پانی استعمال کرنا بھی درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۵۷]: سائل کا بیان ہے کہ چھترپور مدھیہ پردیش میں ایک مشہور تاریخی مقام کھجورا ہے، جہاں پر کہ ہندو دھرم کی تہذیب و تمدن کی کھنڈرات و نایاب یادگاریں محفوظ ہیں، ان کو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے تمام ممالک سے بکثرت سیاح روزانہ آتے ہیں، جن میں مسلم و غیر مسلم سب ہی لوگ آتے ہیں، اس تاریخی مقام میں مسجد نہیں ہے، والیٔ ریاست چھترپور کا ارادہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم کی یادگار کے طور پر کھجورا کے مقام پر ایک مسجد تعمیر کرادیں۔

اب فرمائیں کہ کیا غیر مسلم کے روپیہ سے مسجد بنانا اور اس کو نماز کے لئے استعمال کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو والیٔ ریاست کی خواہش کی تکمیل کے لئے کیا جائز صورت ہوسکتی ہے؟

---

(۱) "وشرطه شرط سائر التبرعات ... أن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أن هذا شرط في وقف المسلم فقط، بخلاف الذمي لما في البحر وغيره: أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ والیٔ ریاست کسی قابلِ اعتماد کو روپیہ دیدے، وہ اپنے انتظام سے مسجد بنوادے(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوجائے گی اور شرعاً تبدیلِ ملک سے تبدیلِ عین بھی ہوجاتا ہے، گویا کہ بعد تملیک مسجد میں لگنے والا روپیہ مسلمان کا ہی روپیہ ہے۔

"وما أدى المكاتب من الصدقات ثم عجز طاب لسيده؛ لأن الملك يتبدل، وتبدل الملك كتبدل العين، فصار كعين أخرى، وإليه أشار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بقوله في حق بريرة: هي لها صدقة ولنا هدية". (البحر الرائق، كتاب المكاتب: ۱۰۲/۸، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب المكاتب: ۲۱۰/۹، رشيدية)

"لا يجوز أن يبني المسجد بالزكاة؛ لأن التمليك شرط فيها ... والحيلة في هذه الأشياء: أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء". (تبيين الحقائق، باب المصرف: ۱۲۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ اگر والیٔ ریاست ہندو ہے اور مسجد کو کارِ خیر سمجھتا ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، براہِ راست مسجد بنا سکتا ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط، فيصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۹/۵، رشيدية)

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتساب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

مسجد کے لئے ایک مٹھی چاول ہر روز چندہ کرنا

سوال[۱۰۸۵۸]: مسجد کے چندہ کے لئے محلہ کے گھر میں ایک برتن رکھا ہوا ہے تاکہ ہر روز ایک مٹھی چاول اس میں ڈال دیا کریں، ایک ماہ میں تقریباً ۵ مٹھی چاول ہر گھر سے آتا ہے، ان کو فروخت کر کے مسجد کا کام تھوڑا تھوڑا چلتا رہتا ہے، یہاں پر لوگ مسجد کے چندہ کے عادی نہیں ہیں اور بھی مسجدوں میں یہی صورت ہے تو یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ لوگ خوشی سے اس کا چندہ دیتے ہیں تو اس سے مسجد کا کام چلانا درست ہے، یہ طریقہ بہت اچھا ہے، اللہ برکت دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب - ولا يقبل الله إلا الطيب - فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ١٦٧، قديمي)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ٢٥٥، قديمي)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل =

چندہ بکس کی آمدنی مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۹]: جماعت کی آمدنی کے لئے ایک ڈبہ بنا کر اس ڈبہ کو مؤذن یا اور کوئی شخص دکانوں اور مکانوں میں سے جا کر جو رقم وصول ہوتی ہے، جس میں ہم قوم اور غیر قوم دونوں طبقے کے آدمی پیسے ڈالتے ہیں، تو اس مبلغ کو مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۱۴۰۱ھ۔

بھیک کا پیسہ مسجد میں صرف کرنا

سوال[۱۱۲۰۰]: ہمارے ایک قریب کے گاؤں میں ایک مؤذن جی نے اپنے قرب وجوار میں صدقۂ زکوٰۃ فطرہ، چرم قربانی، چہلسواں، دسواں کا پیسہ اور غلہ وغیرہ بھیک مانگ کر چندہ کرکے جمع کیا، حج کرنے کے لئے، چندہ رقم سات سو اکٹھا ہوئی تھی، تو اس گاؤں میں جس مسجد میں بانگ دیتے تھے، اس مسجد کی تعمیر کے لئے گاؤں والے اس میں چندہ وغیرہ اکٹھا کر رہے تھے، تو جی نے جذبہ میں آکر سب روپیہ مسجد کی تعمیر میں دے دیا، تو بتایئے اس روپے کا مسجد میں لگانا درست ہے؟ یہ بھی ہے کہ مسجد غریب بھی نہیں ہے، اس لئے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے روپیہ کو کسی مسجد میں لگانا درست نہیں۔

الأول: ۳/۳۲۲، رقم المادة: ۱۳۹۲، رشیدیه)

(۱) جب یہ شخص طیب خاطر سے اس میں پیسہ ڈالتا ہے تو اس پیسہ کو مسجد میں لگانے میں کوئی کراہت نہیں۔

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف يشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۳/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو اس طرح بھیک مانگنے کی اجازت نہیں تھی (۱)، لیکن جو روپیہ ان کی ملک ہو چکا اور ان نے مسجد میں دے دیا وہ مسجد کے لئے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چندہ دینے والے نے جس کام کے لئے روپیہ دیا ہے اس کو کسی دوسرے کام میں صرف کرنا

سوال [۱۰۸۰۱]: زید نے مسجد کی سفیدی کرانے کے لئے روپے دیئے یا کسی اور کام کا نام خاص کر دیا، مگر ان روپے کو اس کام میں خرچ کرنا، پیسے دینے والے کے بتائے ہوئے کام میں ہی خرچ کرنا چاہیے یا مسجد کے دوسرے اخراجات مثلاً تیل لوٹے فرش دری، بتی یا تعمیر مسجد یا خرچ بجلی میں خرچ کئے جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معطی نے مصرف کی تعیین کردی تو کسی دوسرے کام میں روپے خرچ نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عبد اللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: من سأل الناس وله ما یغنیه جاء یوم القیامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو کدوح". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الزکاة، باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له، الفصل الثاني: ۱۶۲/۱، ۱۶۳، قدیمی)

(وکذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵۰۵/۱، ۵۰۶، رقم الحدیث: ۴۴۲۰، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وجامع الترمذي، أبواب الزکاة، باب ما جاء من لا تحل له الصدقة: ۱۴۱/۱، سعید)

(۲) "لأن الملك ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعریف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعید)

"کل یتصرف في ملکه کیف یشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب البیوع: ۳/۳، دار المعرفة بیروت)

(۳) "الواقف لو عین إنساناً للصرف تعین حتی لو صرف الناظر لغیره کان ضامناً". (البحر الرائق، کتاب —

مورتی، پوجا میں کام آنے والی اشیا کی کمائی سے چندہ لینا

سوال[۱۰۸۶۲]: ہمارے محلہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور(۱) سندور(۲) ورگیٹی(۳) مودوص(۴) نرسوہا(۵)۔ ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے پوجا کے کام بھی آتی ہے اور خود وہ چیزیں نجس اور حرام نہیں، جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے، ان کا مسجد میں دینا درست ہے، اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۶)۔

= الوقف: ۳۸۱/۵، رشیدیہ)

"شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "کافور: کپور، ایک نہایت خوشبودار تیز ذائقے کا سفید مادہ جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے اور کھلا رہنے سے اڑ جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "سندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں، اس کے کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) لم أجد

(۴) لم أجد

(۵) لم أجد

(۶) "ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۱/۸، رشيديه)

ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کر کے دیں، تو مسجد میں لیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۳ھ۔

☆ ... ☆ ... ☆ ... ☆ ... ☆

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملک الغير

(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

بلا اجازت وارث زمین پر مسجد بنانا

سوال [۱۰۸۹۳]: محمد حسین مرحوم، امیر حسین مرحوم، وزیر حسین مرحوم تینوں حقیقی بھائی تھے، ان میں سے محمد حسین مرحوم کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ ان کی اہلیہ زندہ ہیں، امیر حسین مرحوم کے دو لڑکیاں جمیلہ اور جلیلہ اور ایک حقیقی پوتا محمود جو کہ اس وقت پاکستان میں موجود ہے، وزیر حسین مرحوم کے دو پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن ہیں جو کہ بھوپال میں ہیں۔

الف... دریافت طلب یہ ہے کہ محمد حسین اور امیر حسین مرحوم کی افتادہ زمین اور مکانات جو موجود ہے، ان کے وارث صحیح پاکستان میں رہتے ہیں امیر حسین مرحوم کی لڑکیاں جلیلہ وجمیلہ اور پوتا محمود ہوں گے یا محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے بھائی وزیر حسین مرحوم کے پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن جو کہ ہندوستان میں موجود ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ:

ب... محمد حسین مرحوم نے مرنے سے قبل اپنی بھائی کی اہلیہ مرحومہ سے وصیت کردی تھی کہ میری جائیداد سے وزیر حسن مرحوم کے بیٹے یا پوتے کو کچھ نہ دیا جائے، اسی طرح محمد حسین مرحوم کی بھابھی اہلیہ امیر حسن مرحوم نے بھی وصیت کردی تھی کہ وزیر حسن کے بیٹے یا پوتوں یعنی نفیس الحسن اور حبیب الحسن کو کچھ نہ دیا جائے۔

ج... محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے مکان وغیرہ اس کے صحن کی زمین پر کچھ پڑوس کے لوگوں نے چندہ سے مسجد بنانا شروع کردی ہے اور کسی بھی وارث سے اجازت نہیں لی ہے، لہٰذا ایسی زمین پر مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اس میں چندہ دینا اور نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد، مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

د... مسجد بنوانے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم کسی نہ کسی وقت وارثان سے یہ زمین خرید لیں گے یا ان

سے وراثت لے لیں گے، کیا ان کا یہ کہنا اور خیال از روئے شرع کچھ وقعت رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف۔ امیر حسین کا ترکہ افتادہ زمین وغیرہ تین حصے قرار دے کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ حمیدہ بیٹی کا، ایک حصہ خلیل کو ملے گا، ایک حصہ محمود کو ملے گا(۱)۔ محمد حسین مرحوم کا انتقال اگر ایسے وقت ہوا کہ امیر حسین، وزیر حسین اور ان کا لڑکا پہلے انتقال کر چکے تھے تو محمد حسین کا ترکہ (افتادہ زمین وغیرہ) تین حصے کر کے اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ محمود کو ملے گا، ایک حصہ نفیس الحسن کو ملے گا، ایک حصہ حبیب الحسن کو ملے گا(۲)۔ کسی دوسرے ملک میں چلے جانے سے حصہ وراثت ختم نہیں ہوگا۔

ب۔ شرعاً یہ وصیت معتبر نہیں، شریعت نے جو حق جس وارث کا مقرر کر دیا ہے، وہ کسی وصیت سے ختم نہیں ہوگا(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك﴾ (النساء: ۱۱)

"وللبنت النصف وللأكثر الثلثان". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۴، سعيد)

(۲) "وعصبة أي: من يأخذ الكل والأحق الابن ثم ابنه.

(قوله من يأخذ الكل) أي: إذا انفرد وما أبقت أصحاب الفروض". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۹۱، رشيدية)

"يحوز العصبة بنفسه، وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته إلى الميت أنثى ما أبقت الفرائض، وعند الانفراد يحوز جميع المال، ويقدم الأقرب فالأقرب كالابن ثم ابنه". (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۴، سعيد)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، كتاب الوصايا، الفصل الثالث، ص: ۲۶۶، قديمي)

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإقرار، مطلب الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط: ۲/۵۴، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

ج۔ جب تک زمین کے مالک اجازت نہ دیں، وہاں مسجد بنانا جائز نہیں، اس میں چندہ نہ دیا جائے، وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اولاً مالکان سے اجازت حاصل کی جائے یا ان سے زمین خریدی جائے تب مسجد بنائی جائے (۱)۔

د۔۔۔۔ یہ تجویز غلط ہے، قابلِ عمل نہیں، پہلے اجازت لیں ورنہ شرعاً غاصب شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

جتنی زمین خریدی، اس سے زائد پر مکان بنالیا

سوال [۱۰۵۲۳]: ۱۔۔۔ یسین نے مسجد کی زمین مکان بنانے کے لئے کرایہ پر لی اور حرکت یہ کی کہ جتنی زمین لی تھی، اس سے زیادہ زمین پر مکان بنالیا، یہ حرکت یسین کی جائز تھی یا نہیں؟

۲۔۔۔ یسین یہ مکان انجمن سوامیہ والوں کو بیچ کر پاکستان چلا گیا، انجمن اصلاح اشرکانج والے یہ کہہ

---

(۱) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، وصح وقف ما شراه فاسداً ... وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعله مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"الغصب شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلا خفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۹، رشيديه)

۳… مسجد کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والے بلاشبہ فاسق اور گنہگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆……☆……☆……☆……☆

= وإعادته مسجداً كما كان". (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۶۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"رجل وقف أرضه أو داره ودفعها إلى رجل وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب يحرم الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الواقف: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، مكتبه پشاور)

باب آداب المسجد

(آداب مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

مسجد میں پرندوں کے گھونسلے کا حکم

سوال [۱۰۸۲۵]: پرندوں کا گھونسلہ مسجد یا مکان میں ہوتو اس کو نکال کر پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں پرندوں کا گھونسلہ ہو اور وہ بیٹ کر کے مسجد کو خراب کرتے ہوں تو گھونسلہ وہاں سے باہر پھینک دینا درست ہے(۱)، مکان سے بھی پھینکنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے دروازے پر لغویات کی مجلس کرنا

سوال [۱۰۸۲۶]: حدودِ مسجد کے دروازہ پر نماز کے وقت یا غیر وقت نماز میں چند حضرات جمع ہوتے ہیں، جن میں اہلِ دین کی سمجھ رکھنے والے اور کچھ کم سمجھ رکھنے والے دونوں قسم کے افراد ہوتے ہیں اور

---

(۱) "إذا كان في المسجد عش الخطاف، ويقذر المسجد لابأس بأن يرمى بما فيه؛ لأن فيه تنقية المسجد".

(المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد: ۳۸/۹، ۴۰، مكتبه غفاريه كوئته)

"ولو كان في المسجد عش خطاف أو خفاش يقذر المسجد لابأس برميه بما فيه من الفراخ".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الملتقط في الفتاوى الحنفية، كتاب الآداب، ص ۲۶۷، مكتبه حقانيه پشاور)

وہاں بیٹھ کر لایعنی باتیں کرتے رہتے ہیں، کبھی فلمی کہانی وہاں بیٹھ کر ہوتی ہے اور کبھی کوئی گانا بھی گا لیتا ہے اور کبھی باتوں میں گالی بھی ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں اور دوسری بھی ناجائز باتیں اور غیبت وغیرہ بھی ہو جاتی ہے۔

تو کیا ایسے حضرات کو حدودِ مسجد کے دروازہ پر بیٹھنے سے روکا جائے یا نہیں؟ ان کو روکنے کا کس کو حق ہے؟ متولی صاحب یا مسجد کے اہلِ جماعت، اگر متولی صاحب یا اہلِ جماعت میں سے کسی نے ان کو بیٹھنے سے منع کیا، اس کے باوجود وہ نہ مانتے اور دروازہ پر بیٹھنا جاری رکھیں تو اس کا کیا گناہ ہوگا؟ اور کوئی دوسرا شخص کچھ دیر کے لئے ان کے ساتھ ایسے ہی تفریحاً بیٹھ جائے، تو کیا وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مجالس کرنا خاص کر حدودِ مسجد میں شرعاً قبیح ومذموم ہے(۱)، ان لوگوں کو متولی اور دوسرے باثر لوگ فہمائش کریں کہ شرعاً غیبت کرنا گالی دینا وغیرہ جائز نہیں، گناہ ہے(۲)، ایسی چیزوں سے باز آنا اور توبہ کرنا

---

(۱) "وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم فلا تجالسوهم، فليس لله فيه حاجة". (مشكاة المصاحيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع: ۱/۷۱، قديمي)

"الجلوس في المسجد لتكلم أحاديث الدنيا يحرم بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لذلك ـــ ولا يجوز الكلام المنكر كالقصص وحكايات الدنيا الكاذبة". (مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل: ۳/۱۸۱، مكتبه إمداديه ملتان)

"والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله". (الدرالمختار)

"(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا ـــ وفي المدارك ـومن الناس من يشترى لهو الحديثـ المراد بالحديث الحديث المنكر كما جاء "الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش" فقد أفاد أن المنع خاص بالمنكر عن القول". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۲/۹۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سباب =

ضروری ہے، سب کو اپنے اپنے جائز کام میں مشغول رہنا چاہیے، وقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کی جائے (۱)، لغویات میں اس کو ضائع کرنا بڑی دولت کو برباد کرنا ہے، ایسے آدمیوں سے لڑائی نہ کی جائے، کہ اس کے نتائج نہایت خراب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۵ھ۔

مسجد میں سیاسی واقتصادی باتیں کرنا

سوال [۱۰۸۹۷]: مسجد میں دینی باتوں کے علاوہ سماجی، سیاسی، اقتصادی باتیں کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ کا گھر ہے جو کہ اس کی عبادت کے لئے ہے: اس میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا اس

= المسلم فسوق، وقتاله كفر".

وعن أبي سعيد وجابر رضي الله تعالى عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الغيبة أشد من الزنا". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة: ۲/۴۱۴، ۴۱۵، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب: ۲/۳۲۶، رحمانية)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرة كانت أو كبيرة" (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۵، قديمي)

(وكذا في رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمي)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس الصحة والفراغ". (سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب الصحة والفراغ نعمتان الخ: ۳/۲۸۷، رقم الحديث: ۲۳۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الصحة والفراغ، ص: ۱۱۱۲، رقم الحديث: ۶۴۱۲، دار السلام رياض)

کے ادب واحترام کے خلاف ہے،اس سے نیکیاں اسی طرح برباد ہوجاتی ہیں،جس طرح آگ سے لکڑی جل جاتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱/۱/۸۹ھ۔

مصلی کے قریب باتیں کرنا

سوال[۱۰۸۶۸]: امام کے لئے جماعت کے فوراً بعد مسجد میں ہی مصلی کے قریب لوگوں سے روزانہ عادتاً باتیں کرنا اور وہ بھی اس طرح زور سے کہ لوگوں کی نماز میں خلل آئے،جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زور سے باتیں کرنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل آئے،منع ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۰/۳/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۳/۶۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۳/۱۸۱، إمداديه)

(۲) "عن السائب بن يزيد قال: كنت قائماً في المسجد فحصبني رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب فقال: اذهب فأتني بهذين فجئته بهما فقال: من أنتما؟ أو من أين أنتما؟ قالا: من أهل الطائف قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم".

(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت في المسجد: ۱/۶۷، قديمي)

"(قوله: ورفع صوت بذكر الخ) ـــ وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أوقارئ الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد) =

عورتوں کا طاق بھرنے کے لئے مسجد میں جانا

سوال [۱۰۸٦۹]: عورتوں کو مسجد کے اندر چراغ جلانے اور خوشیوں میں گلگلے لاکر طاق بھرتے یا اور دیگر کاموں کو پورا کرنے کے لئے مسجد کے اندر جانا اور نمازیوں کو وہ گلگلے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد نماز، ذکر وغیرہ عبادت کے لئے ہے(۱)، عورتوں کو چراغ جلانے اور خوشی میں گلگلوں سے طاق بھرنے کے لئے وہاں جانے سے روک دیا جائے (۲)، جو کچھ صدقہ دینا ہو غرباء کے پاس بھیج دیں، چراغ کے

= "وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة ..... وإنشاد الضالة، والسرور فيها لغير ضرورة، ورفع الصوت". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال: أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مه مه، فقال: رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لا تزرموه دعوه، فتركوه حتی بال، ثم أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله، والصلاة، وقراءة القرآن. أو كما قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وتعلمه، وقراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۲) "عن عمرة بنت عبد الرحمن أنها سمعت عائشة زوج النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد: ۱/۱۸۳، قديمي)

"ويكره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

لئے تیل وغیرہ دینا ہو تو وہ بھی کسی کی معرفت بھیج دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تصویر دار اخبار مسجد میں پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۰]: مسجد میں اخبار لے جانا جس میں تصویریں ہوں، نیز مسجد میں اخبار پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تصویریں جاندار کی رکھنا اپنے مکان میں بھی منع ہے، چہ جائیکہ مسجد میں، اس لئے مسجد میں نہ لے جائیں(۱)۔ اخبار میں عامۃً سچی جھوٹی، جائز ناجائز سب قسم کی باتیں ہوتی ہیں، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اس کو مسجد میں نہ پڑھا جائے، کوئی خاص ضروری وقتی چیز ہو تو اتفاقاً مسجد میں بھی گنجائش ہے، ورنہ اخبار کی جگہ مسجد کو تجویز نہ کیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۱۳ھ۔

---

(۱) "عن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره، فصنعه حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس. وقال الزهري: النهي في الصورة على العموم، وكذلك استعمال ما هي فيه، ودخول البيت الذي هي فيه سواء كانت رقما في ثوب أو غير رقم، وسواء كانت في ثوب أو حائط الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۲/۱۹۹، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۲۲/۱۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۷، سعيد)

(۲) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه ما يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم

تعمیر کے وقت جوتے پہن کر مسجد میں جانا

سوال [۱۰۸۷۱]: مساجد کی تعمیر کے وقت کام کرنے اور کرانے والے جوتے پہنے ہوئے اندر بھی جاتے ہیں مسجد کے اور چھت کے ڈالتے وقت جوتے لے کر مسجد کی چھت پر بھی جاتے ہیں، مسجد کے اندر جانے کی صورت میں بھی ان اینٹوں اور لکڑیوں پر جوتے لے کر جاتے ہیں، جن اشیاء کو تکمیل مسجد پر مسجد کے اندر سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے اور کبھی جوتے اندر جانے کی صورت میں بیرن واسطہ مسجد کی چھت پر جوتے لگتے ہیں، اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے، چھت پر جوتے لے جانے کی صورت میں اگرچہ بعض اوقات مسجد کی چھت پر بھی جوتے بالواسطہ مسجد کی چھت پر پڑتے ہیں، نیز کام کرانے اور کرنے والے کبھی مجبور ہوتے ہیں، جوتا پہننے پر جیسے شدید گرمی اور شدید سردی کے وقت اور جب غار والر تاریں چھت پر بچھا دی جائیں اور کبھی کام کرنے اور کرانے والے جوتا پہننے پر مجبور نہیں ہوتے ہیں، مذکورہ بالا جملہ صورتوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتا اگر پاک ہو، اس میں نجاست نہ لگی ہو اور مسجد میں تعمیر ہو رہی ہو سامان تعمیر پڑا ہو، گارہ وغیرہ ہو، یا سردی گرمی کی وجہ سے تعمیری کام کے لئے جانے کے وقت جوتا پہننے کی ضرورت ہو یا چھت پر ہو، اگر یہ بات نہ ہو تو مسجد میں نماز کے لئے جب جائے اس وقت جوتا پہن کر جانا مسجد کے کسی حصہ میں ہو مکروہ ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۳۹۳ھ۔

= في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة".

(شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها ما يتعلق بالمسجد: ۴/۱۸۱، إدارة القرآن)

(۱) "وينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث النجاسة. وقد قيل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۱، رشيدية)

گوبر سے دیوار لیپ کر وہاں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۲]: خام مسجدوں کی دیوارں میں مٹی میں گوبر ملا کر اور سڑا کر پتواتا کیسا ہے؟ جب کہ گوبر نجاست غلیظہ ہے اور ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گوبر قلیل ہو اور مٹی زیادہ ہو اور گوبر کا اثر ظاہر نہ ہو، تو وہاں نماز درست ہے، فقہاء نے گنجائش لکھی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا

سوال[۱۰۸۷۳]: اگر کسی شخص کو بلغم کھانسی کا عارضہ ہو اور اس کو سردی سے تکلیف ہوتی ہو تو اس کو مسجد میں تھوکنے کے لئے لوٹا رکھنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص معذور ہو اور کھانسی کی وجہ سے باہر آ کر سردی میں تھوکنا مشکل ہو، تو اس کے لئے مسجد میں

= "وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب".

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۱) "ويكره أن يطين المسجد بطين قد بل بماء نجس بخلاف السرقين إذا جعل فيه الطين؛ لأن في ذلك ضرورة وهو تحصيل غرض لايحصل إلا به". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية في آخر قاضي خان، باب الكراهية والاستحسان، باب المسجد، ص: ۶۹، المطبع العالي الواقع في اللكنو)

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

مسجد کے حجرہ سے بحالتِ جنابت مسجد سے گزرنا

سوال[۱۰۸۷۳]: مسجد کے متصل ایک حجرہ امام مسجد کا ہے، امام صاحب وہاں آرام کرتے ہیں، لیکن چند لوگوں کے کہنے پر امام صاحب نے اپنے اہل وعیال کو اپنے ہمراہ لا کر اسی حجرہ میں رکھے ہیں، اور مباشرت ضرور ہوتی ہوگی، کیونکہ جوان آدمی ہیں، حجرہ سے مسجد کے اندر راستہ ہے اور ناپاک حالت میں مسجد سے نکل کر تالاب میں جاتے ہیں، دوسرا اور کوئی راستہ نہیں، کیا یہ روا ہے؟ جو کہ داخل مسجد میں اہل وعیال ہوتے کر رہے ہیں اور ناپاک حالت میں وہ اسی راستہ سے نکلے، یہی حرکت ہوئی تو صدر صاحب نے بلا کر کہا، کیا یہ ٹھیک نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ٹھیک کرتے ہیں۔

اب ایسا امام جو جماعت میں پھوٹ ڈالی اور فساد پھیلایا تا ہو، ایسا شخص امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں آئیں اور اہلیہ کو مسجد کے حجرہ میں رکھ کر اس سے مباشرت کرے، جب کہ حجرہ کا راستہ مسجد ہی میں سے ہے، دوسرا راستہ نہیں، شرعاً جائز نہیں (۱)۔ ورجس امام کو امامت

---

(۱) "(ویحرم بالحدث الأكبر دخول مسجد ولو للعبور إلا لضرورة) حيث لا يمكنه غيره، ولو احتلم فيه، إن خرج مسرعاً تيمم ندباً، وإن مكث لخوف تيمم وجوباً" (الدر المختار). "وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أقول: والظاهر أن مثله في الخروج، أما في الدخول فيجب". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب مسح الخفين: ۱/۲۷۱، ۱۷۲، سعيد)

"ويحرم على الجنب دخول المسجد ولو للعبور إلا لضرورة، كأن يكون باب بيته إلى المسجد

سے الگ کردیا گیا ہو، اس کا مسجد کے حجرہ میں رہنا بھی درست نہیں، بلکہ ظلم اور غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= "وينبغي أن يقيد بكونه لا يمكن تحويل بابه إلى غير المسجد، وليس قادراً على السكنى في غيره، كما لا يخفى، وإلا لم تتحقق الضرورة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۹، رشيديه)

"ويحرم الوطء فيه وفوقه كالتخلي". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض: ۱/۳۸، رشيديه)

(۱) "اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ثم هو فعل محرم، لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيبة نفس منه، الخ". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۱۰۸۷۵]: اگر کسی علاقہ میں پہلے سے ہی مسجدوں میں مٹی کا تیل جلتا آرہا ہو اور یک بیک اس کا چھوڑنا بھی مشکل ہو تو مٹی کا تیل جلانا اب مجبوری کے بعد کیسا ہے؟ اور مٹی کے تیل سے نماز میں کوئی خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ اگر مٹی کا تیل جلانے میں گناہ ہوتا ہے تو اس بستی میں کس پر گناہ ہوگا؟ اور اگر امام مٹی کا تیل جلانے سے ناراض ہو، لیکن بستی والوں کو سمجھانے کے باوجود وہ لوگ نہ مانتے ہوں تو اس امام کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر کسی علاقہ میں اس بات کو اٹھانے پر جھگڑا ہونے کا خطرہ ہو تو اس بات کو جانتے ہوئے بھی ٹالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدبودار تیل، مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، اگر

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

"قال الإمام العيني رحمه الله تعالى: قلت علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء. ويلحق بما نص عليه كل ما له رائحة كريهة من المأكولات وغيرها". (عمدة القاري، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل: ۶/۲۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاويه أن قولهم إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيد بغير المساجد، فإنه لا يجوز الاستصباح به في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: =

روشنی کا کوئی اور انتظام نہ ہوسکے، تو مٹی کا تیل ایسی طرح جلایا جائے کہ مسجد کے اندر نہ ہو، بلکہ باہر ہو اور روشنی مسجد میں آتی رہے، اگر صحیح مسئلہ بتاتا ہے اور لوگ نہیں مانتے، بلکہ ضد کرتے ہیں، تو لوگوں کی پکڑ ہوگی(۱)، اگر ایک آدمی یا چند آدمی مٹی کے علاوہ دوسروں وغیرہ کے تیل کا انتظام کرلیں یا موم بتی کا انتظام کریں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ نزاع نہیں ہوگا۔ عامۃً نزاع اس وقت ہوتا ہے جب کوئی فریق یہ سمجھتا ہے کہ ہماری مخالفت مقصود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

مسجد کی تپائی میں بدبودار رنگ کا استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۷۱]: مسجد کی تپائی و رنگائی کے لئے ان رنگوں کا استعمال، جس میں اسپرٹ، مٹی کا تیل استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ اس کی تپائی بغیر ان اشیاء کے ملائے ہوئے ناممکن ہے، مگر چونکہ تزئین مقصود ہے، اس لئے ان اشیاء کی ملاوٹ کی جاتی ہے، اس حکم کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں پیاز کھا کر جانے کو منع فرمایا ہے، تا کہ ملائکہ کو اذیت نہ ہو، کیا اس سے ملائکہ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

= ۱/۱۱۰، رشیدیہ)

"ويجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم" (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) قال الله تعالى: ﴿فذكر إنما أنت مذكر لست عليهم بمصيطر إلا من تولى وكفر فيعذبه الله العذاب الأكبر﴾. (الغاشية: ۲۳)

"إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا يعمل بهذا، كان عليه التعزير وفي "اليتيمة" سئل والدي عن قائل يقول: "لا أقول بفتوى الأئمة ولا أعمل معتبرهم" ما حاله؟ قال: يلزمه التوبة والاستغفار". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء: ۳۲۶/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء ۲۷۲/۲، رشيديه)

الفصل الرابع في زخرفة المساجد والكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

مسجد کی زیبائش کے لئے روپیہ خرچ کرنا

سوال [١٠٨٧٧]: وقف مسجد کے روپے سے رنگ برنگ کے ہنڈوں، درو دیوار وغیرہ سے مسجد کو روشن کرنا درست ہے یا نہیں؟ بلاضرورت کسی تعمیر کو توڑ کر دوسری تعمیر کر دی ہے، تا کہ جاذب نظر اور دل کش ہو جائے، یہ علامات قیامت میں سے تو نہیں ہے؟ اور مسجد کی ضرورت میں کیا چیزیں داخل ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا پیسہ زیبائش کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں، استحکام کے لئے خرچ کیا جائے۔

"كذا في كتب الفقه من رد المحتار(١)، والبحر الرائق وغيرهما(٢). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعمیر مسجد کی تاریخ کندہ کرا کے مسجد میں لگانا

سوال [١٠٨٧٨]: مسجد میں بھی پتھر کھدوا کر لگا دیتے ہیں، سنہ ہجری بھی کھدوا دیتے ہیں، یہ عمل درست ہے یا ناجائز؟

---

(١) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص، وماء ذهب بماله لا من مال الوقف، وضمن متوليه لو فعل) النقش والبياض ... (إلا إذا كان لإحكام البناء)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/٦٥٨، سعيد)

(٢) "أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف ما يحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن، لما فيه من تضييع المال". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ٢/٦٥، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ١/٤١٩، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ١/٤٤٢، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وغیرہ کی تعمیر کی تاریخ پتھر میں کندہ کرا کے لگوا دینے میں مضائقہ نہیں، مگر ایسی جگہ نہ ہو کہ نمازی کی حالت میں اس پر نظر پڑے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ناپاک کپڑوں کو دھونا

سوال [۱۰۶۷۹]: دوبارہ قطرے کی حرکت کی اور کپڑے کسی مسجد میں دھوئے اور وہیں سکھائے، کیا مسجد ایسے کام کے لئے ہے؟ ایسی حالت میں دل نے کراہت کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرشِ مسجد پر ناپاک کپڑوں کا دھونا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة، وفي حظر المجتبى: يكره في المحراب دون السقف والمؤخر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ولا يكره نقش المسجد ... وقيل: يكره ... ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۲/۶۵، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۴۲۹، رشيدية)

(۲) "وإدخال نجاسة فيه". (الدر المختار). "(قوله: وإدخال نجاسة فيه) عبارة الأشباه: وإدخال النجاسة فيه يخاف منه التلويث ... وفي الفتاوى الهندية: لا يدخل المسجد من على بدنه نجاسة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وأشار إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيدية)

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا

سوال[۵۸۸۰]: ۱... کیا یہ مسجد یں سیاسی جلسوں کے لئے ہیں، جھوٹا پروپیگنڈا کرکے غلط بیان کرکے فریب وچالاکی سے چندہ جمع کرنا جائز ہے؟ کیا یہ مسجد یں دینی وعظ کے لئے نہیں ہیں؟

۲... جو شخص مسجد میں وعظ وذکر سے روکے، وہ کیسا ہے؟ اور جو سیاسی جلسوں کی اجازت دے اور کرائے وہ کیسا ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مسجد یں نماز، تلاوت، ذکر، دینی وعظ وتبلیغ کے لئے ہیں (۱)، سیاسی جلسوں کے لئے کوئی اور میدان تجویز کیا جائے، کیونکہ آج کل عامۃً سیاسی جلسے حدودِ شرع میں نہیں ہوتے، جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا ہے، شوروشغب بھی بہت اور حدود سے تجاوز ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد ..... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذكر الله تعالیٰ، والصلاة، وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم". (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي ... وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۳/۹۳، إدارة القرآن كراچی)

"أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۲/۱۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: =

۲..... اگر وعظ وذکر سے نمازیوں کی نماز میں خلل آتا ہو اور وعظ بھی صحیح ہو تو اس کو روکنا ظلم ہے، بلکہ بڑا ظلم ہے۔

لقولہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰہ أن یذکر فیہا اسمہ﴾ الآیة (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں سیاسی جلسہ وغیرہ کرنا

سوال [۱۰۸۸۱]: شہر جلگاؤں میں ایک جامع مسجد ہے، اس کی ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے صدر محمد موسیٰ مالی اعتبار سے تو اچھی حیثیت ہیں، مگر کردار کے لحاظ سے شرابی ہیں، زانی ہیں، شراب کا باقاعدہ پرمٹ حکومت سے حاصل کر رکھا ہے اور ہر ماہ سینکڑوں روپیہ کی شراب آتی ہے، اب چیئرمین بھی منتخب کر لئے گئے جامع مسجد میں، آپ کا استقبال کیا گیا مسجد کے اندر آپ کی شان میں قصیدے بھی پڑھے گئے، واہ واہ کے نعرے اور تالیاں بھی

= نقلاً عن شرح الجامع الصغیر: الجلوس في المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنیت لأمور الدنیا، وفي خزانة الفقه مایدل علی أن الکلام المباح من حدیث الدنیا حرام، فإنہ قال: ولا یتکلم في المساجد بکلام الدنیا لمن تکلم في المساجد بکلام الدنیا أحبط اللّٰہ عنہ عمل أربعین سنة". (شرح الحموي علی الأشباہ، القول في أحکام المسجد: ۳/۱۹۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیہا: ۱/۶۶۲، سعید)

(وکذا في مجموعۂ رسائل اللکنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنہا مایتعلق بالمسجد: ۳/۱۸۰، إدارہ)

(۱) (البقرة: ۱۱۴)

"لایجوز لأحد مطلقاً أن یمنع مؤمنا من عبادة یأتي بہا في المسجد؛ لأن المسجد مابني إلا لہا من صلاة، أو اعتکاف، وذکر شرعي، وتعلیم علم وتعلمہ، وقراءة القرآن". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیہا: ۲/۶۰، رشیدیہ)

(وکذا في شرح الحموي علی الأشباہ، القول في أحکام المسجد: ۳/۱۹۰، إدارة القرآن کراچی)

بجائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ ایسا جلسہ مسجد میں کرنا کیسا ہے؟ اور موصوف کا استقبال مسجد کے اندر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر کمیٹی مسجد متقی آدمی ہونا چاہیے (۱)، مسجد کو ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف رکھا جائے، تالیاں بجانا اور اس قسم کا شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن، لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۸/۲، رشيدية)

(۲) "ومما تصان عنه المساجد وتنزه عنه الروائح الكريهة، والأقوال السيئة ..... وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال ..... والأصل أن لا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال لأعرابي بال في المسجد: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۸۷/۱۲، ۱۷۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيدية)

(وكذا في رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، منها ما يتعلق بالمسجد: ۱۸۱/۳، إدارة القرآن)

باب المتفرقات

مسجد کے قریب جگہ کو راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۸۲]: ایک مسجد کے ارد گرد جگہ ہے، اتر کی جانب جو جگہ ہے اس میں ایک شخص نے آنے جانے کا راستہ نکال لیا، جو راستہ نکالا گیا اس راستے سے گائے، بیل سب کچھ نکل کر آتا جاتا ہے اور اس راستہ کی اجازت سب محلہ والوں نے نہیں دی، چند شخصوں نے دے دیا تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس جگہ کے وقف مسجد ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور عام ضرورت کی وجہ سے وہاں راستہ بنالیا ہے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

برمے کی مشین بدل دی تو کیا اب بھی اول برما لگانے والوں کو ثواب ملے گا؟

سوال[۱۰۸۸۳]: ہمارے یہاں مسجد میں کنویں کے اندر پانی نکالنے کا برما، جس کو ہینڈ پمپ بھی کہتے ہیں لگا ہوا ہے، یہ چونکہ دس گیارہ سال سے لگا ہوا تھا اس لئے بہت پرانا ہونے کے اکثر خراب رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی، اور اس کی مرمت بھی ہمیشہ ہوتی رہتی تھی، اس برمے سے اہل محلہ اور

---

(۱) "(وللإمام تلتي ولاه الخليفة أن يقطع)". (الدر المختار). "(قوله: أن يقطع) أي: يعين له قطعة ....

قوله: (لأن للإمام ولاية ذلك) ... فإذا رأى مصلحة فيه كان له أن يفعله، ألا ترى أنه رأى أن يدخل بعض الطريق في المسجد، أو عكسه وكان في ذلك مصلحة بالمسلمين كان له أن يفعل ذلك".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۵، ۷۵۶، سعيد)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۲۱: ۱/۵۵، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۳۵۹، دار المعرفة بيروت)

بازار کے لوگ فیض یاب ہوتے تھے، اس بورے کی مکمل مرمت کرانے میں خرچ کافی آرہا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے بغیر اطلاع منتظمہ کمیٹی مسجد مذکورہ بورے کی مشین بدل کر دوسری مشین لگادی، لیکن پہلے بورے کا کچھ سامان (ہینڈ پمپ) اس نئے بورے میں بھی بطریق سابق لگا رہا۔

اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ پہلے بورے لگوانے والے کو ثواب اب بھی ملے گا یا ختم ہوگیا؟ جب کہ اس کا کچھ مذکورہ سامان اس نئے بورے میں بھی موجود ہے۔

اگر بورے میں سے مذکورہ سامان (ہینڈ پمپ) نکال دیئے جائیں تو بھی اس کو بدستور ثواب ملتا رہے گا یا ختم ہوجائے گا؟ جب کہ یہ سابقون اولون میں ہے، بعد میں لوگوں نے اس کی سنت میں عمل کیا ہے اور یہ صرف الدال علی الخیر ہی نہیں بلکہ خود فاعل بھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک پہلا کچھ بھی سامان موجود ہے، اس کو ثواب پہونچتا رہے گا، اگر سب سامان بدل دیا گیا تب بھی بورے کو وقف کرنے کے لئے جو راستہ پانی تک پہلے شخص کا بنوایا ہوا ہے، وہ باقی ہے، اس کا ثواب پہونچتا رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۷/۹۶ھ۔

---

(۱) "أربعة تجري عليهم أجورهم بعد الموت: من مات مرابطاً في سبيل الله، ومن علم علماً أجري له عمله ما عمل به، ومن تصدق بصدقة فأجرها يجري له ما وجدت، ورجل ترك ولداً صالحاً فهو يدعو له. وقال العلامة المناوي رحمه الله تعالى: تحت قوله: فأجرها يجري له ما وجدت أي: ليجري له أجره مدة بقاء العين المتصدق بها". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۹۲۵/۲، ۹۲۴، رقم الحديث: ۵۳۳، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية ... الخ" (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب الوقف: ۲۵۵/۱، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجداً: ۶۲/۱، قديمي)

متعلقین مسجد کو انعام دینا

سوال[۱۰۸۸۴]: زید ایک مسجد میں قرآن کا ترجمہ بیان کرتا ہے اور مقررہ امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھاتا ہے، اہل مسجد رمضان المبارک میں جب کہ قاری اور سامع کو بعد ختم قرآن انعام دیتے ہیں، اس موقع پر زید کو بھی کچھ رقم دیتے ہیں، تو زید کا اس رقم کو لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ رقم بطور چندہ کے لوگ اپنے پاس سے جمع کر کے دیں تو کیسا ہے؟ یا انعام کے نام سے جمع کریں اور اگر مسجد کے فنڈ میں سے دیں جس مسجد میں دکان کی آمد اور بیاہ برات موقع پر ہونے والی آمد جمع ہو تو اس میں سے زید کو دینا اور اس کو لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متعلقین مسجد جو کہ سال بھر خدمت کرتے ہیں ان کو تنخواہ کے علاوہ رمضان المبارک میں اہل مسجد زیادہ دیتے ہیں، اس میں مضائقہ نہیں درست ہے، چاہے وقف مسجد کی آمدنی سے دیں یا چندہ کر کے(۱)، جب کہ چندہ کرنے میں جبر نہ ہو(۲)۔ تقریبات کے موقع پر جو کچھ آمدنی ہوتی ہے، اس آمدنی سے بھی دینا درست ہے۔

---

(۱) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رحمه الله تعالىٰ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس". (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب من غصب لوحاً ..... الخ: ۱۶۶/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

محض قرآن کریم سنانے کی اجرت دینا درست نہیں، انعام کے نام سے دی جائے یا کسی اور نام سے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا اپنی مسجد کو راستہ کی مسجد پر فوقیت ہے

سوال[۱۰۸۹۵]: اگر کوئی شخص کسی کام کی وجہ سے کہیں جائے اور اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر واپس ہوتا ہے (گھر کے پاس مسجد ہی کا وہ مستقل نمازی بھی ہے) راستے میں اذان ہوگئی اور اس شخص کے پاس اتنا وقت ہے اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ اپنی مقامی مسجد میں پہنچ جائے تو اس کو جماعت مع تکبیر اولیٰ کے مل جائے گی تو کون سی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے؟ اس مسجد میں جہاں پر کہ راستہ میں اذان ہوئی یا اس میں جس کا وہ مستقل نمازی ہے، اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اپنی مسجد میں پہنچ کر تکبیر اولیٰ سے جماعت مل جائے گی تو محض راستے میں کسی مسجد کی اذان سن کر اپنی مسجد چھوڑنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۲۲/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام: "اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به" والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة، وإنما تنازعوا في الاستئجار على التعليم". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "مسجد المحلة أفضل من الجامع إلا إذا كان إمامه عالماً: قوله: مسجد المحلة أفضل من الجامع، قيل: معنى الأفضلية بالنسبة إلى أهل المحلة دون غيرهم لئلا يؤدي إلى تعطيل مسجد المحلة" (شرح =

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا اور ایک دوسرے کو سخت الفاظ بولنا

سوال[۱۰۸۸٦]: ایک درخت مسجد میں کھڑا ہے، اس کو قلعی (۱) پھیرنے والے نے پوت دیا تھا، یعنی قلعی پھیروی تھی، ایک شخص نے کہا: بھائی! تو نے یہ قلعی اس پر کیوں پھیردی؟ ایک شخص وہاں موجود تھا، اس نے کہا کہ کیوں کیا بات ہوگئی؟ تو کرنے والے نے کہا، یہ طریقہ یہودیوں اور نصرانیوں کا ہے، تو اس شخص نے کہا کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو اسلام سے خارج ہوگئے، اب بتائیے منع کرنے والا ٹھیک رہا، یا جس نے یہ کہا کہ تم اسلام سے خارج ہوگئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا بلاضرورت ہے، ایک دوسرے کو یہودی یا نصرانی یا اسلام سے خارج نہ کہیں، توبہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= الحموي على الأشباه الفن الثاني من الأشباه والنظائر في القواعد: ۱/ ۳۳۰، إدارة القرآن كراچی)

"وإن اختلفوا في الأفضل مسجد حيهم أو جماعة المسجد الجامع، وإن استوى المسجدان فأقدمها أفضل فإن استويا فأقربهما". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۲۰۱، رشيديه)

(۱) "قلعی: رانگ، مراد سفیدی، مکانوں کی دیواروں پر پھیرنے کا چونا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لم يتب فأولئك هم الظلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

"قال الحسن ومجاهد: كان الرجل يعير بعد إسلامه بكفره يا يهودي يا نصراني، فنزلت بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان" أي: بئس أن يسمى الرجل كافراً أو زانياً بعد إسلامه وتوبته". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۹/ ۲۰۰، ۲۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال النووي: اتفق العلماء على تحريم تلقيب الإنسان بما يكره..... وعن ابن مسعود (في تفسير "ولا تنابزوا بالألقاب") هو أن يقال: لليهودي أو النصراني أو المجوسي إذا أسلم "يا يهودي يا نصراني يا مجوسي". (روح المعاني: ۲۶/ ۵۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من قذف مسلماً بيا فاسق وهو ليس بفاسق، أو يا ابن فاسق يا كافر يا يهودي يا نصراني .. عزر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، فصل في التعزير: ۲/ ۱٦۸، رشيديه)

باب المصلیٰ

(عیدگاہ کا بیان)

عذر کی وجہ سے عیدگاہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۱۰۸۸۷]: ہماری عیدگاہ اور قصبہ کے درمیان ایک ندی پڑتی ہے، جس کی بناء پر عیدگاہ جاتے ہوئے بہت سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ بہت سے لوگ بغیر نماز کے رہ جاتے ہیں، اس صورت میں تمام اہلِ قصبہ نے رائے کرلی ہے کہ عیدگاہ کو کسی اور جگہ منتقل کیا جائے تو سابقہ عیدگاہ کا کیا ہوگا اور اس کو کس کام میں لایا جائے؟ آپ کا جواب بھی شریعت کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے اور ندی حائل ہونے کی وجہ سے وہاں جاکر نماز پڑھنا دشوار ہے اور ندی کا پل بھی نہیں بنایا جاسکتا تو اس جگہ باغ لگادیا جائے اور دوسری جگہ عیدگاہ بنا کر باغ کی آمدنی اس میں صرف کی جائے، تا کہ اصل وقف بھی باقی رہے اور اس کی آمدنی بھی عیدگاہ پر صرف ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيدية)

"وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتاً يستغلها لا يكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيدية)

عیدگاہ کے روپے سے ہسپتال بنانا

سوال[۱۰۸۸۸]: ۱...... مظفرنگر میں عیدگاہ کی دکانوں سے کافی آمد ہے، عیدگاہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، کافی مقدار میں نمازی سڑک پر ہوتے ہیں، رخ بھی بالکل قبلہ سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، اتنی رقم ہے کہ عیدگاہ کو دومنزل بناسکتے ہیں بایں صورت عیدگاہ کی رقم سے ہسپتال جاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... قبرستان میں دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بنالی گئی تو بقاء کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو رقم بطور چندہ عیدگاہ کے واسطے جمع کی گئی ہے، یا وقف عیدگاہ سے حاصل ہوئی ہے، اس کو ہسپتال میں صَرف کرنا یا اس سے ہسپتال جاری کرنا درست نہیں ہے(۱)، منشاء معطی اور منشاء واقف کے خلاف ہے، جس کا حق متولی کو نہیں متولی امین ہوتا ہے(۲)، اس کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

(۱) "اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر إليه، وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مسجداً ومدرسة، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۶۱/۶، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها......: ۱۵۰/۷، رشيديه)

(۲) "ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه) ......

"شرط الواقف كنص الشارع" كذا في رد المحتار (۱)۔

۲… جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہے اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں، وہاں دکانیں بنانے کی اجازت نہیں (۲)، ضرورتِ دفن کی خاطر دکانوں کو وہاں سے ختم کیا جاسکتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

شاہراہ کی توسیع کے لئے عیدگاہ کی دیواریں توڑنا

سوال[۱۰۸۸۹]: قصبہ سوپور کشمیر میں ایک سیکڑوں سال قدیم عیدگاہ ہے، جو طول وعرض کے اعتبار

= (وكذا في الفتاوى المهدية، كتاب الوقف: ۲/۸۰، المكتبة العربية كوئته)

(۱) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۳۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "سئل القاضي الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زراعتها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة" (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۳۵، رشيديه)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها أثر المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(۳) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة ... ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً ... إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به، وبعد ما بنى لو احتاج إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۵/۸۴۹، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۰۷، سهيل اكيدمي لاهور)

سے کافی وسیع ہے اور چہار طرف سے چھ فٹ بلند پختہ دیوار سے محصور بھی کی گئی ہے، لیکن آبادی کی کثرت کے باعث عیدین کی نماز کے لئے یہ جگہ تنگ ہے، جس کے باعث اب دو سال سے نئی عیدگاہ منتخب کی گئی ہے اور دو سال سے شہر سے باہر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی جاتی ہے، ساتھ ہی اس عیدگاہ قدیم میں ایک تالاب بھی تعمیر کیا گیا تھا، چونکہ یہ عیدگاہ شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گاہے گاہے پنجگانہ نمازیں بھی انفرادی طور پر لوگ ادا کرتے رہتے ہیں، اب چونکہ چند افراد یہ چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہ قدیم کی چہار دیواری کو مسمار کر کے دکانیں تعمیر کی جائیں اور بیچ میں عیدگاہ سے لمبی عوامی شاہراہ بھی تعمیر کی جائے۔

یہ وہ ہے کہ ان دکانوں کو سودی کاروبار اور ناجائز کاروبار کے لئے بھی کرایہ پر دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدیم عیدگاہ کی چہار دیواروں کو مسمار کر کے دکانیں تعمیر کرنا اور عیدگاہ کے بیچ سے جنرل روڈ یعنی عوامی شاہراہ نکالنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عیدگاہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں اس تصرف کی اجازت نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱)۔

البتہ پنجگانہ نماز وجمعہ اس میں ادا کرنے کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۰، رشیدیه)

(۲) "أما مصلی العید لا یکون مسجداً مطلقاً، وإنما یعطی له حکم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن کان منفصلاً عن الصفوف". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۴۲۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن کراچی)

واقف کے مرنے کے بعد تحدیدِ وقف میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز عیدگاہ میں جانوروں کی غلاظت کا حکم

سوال[۱۰۸۹۰]: ا...... ہمارے یہاں ایک عیدگاہ ہے، جس میں لوگ قدیم زمانے سے نمازِ عید ادا کرتے چلے آرہے ہیں، بعد میں چل کر اختلاف ہوگیا اس زمین کے بارے میں کہ زمین ایک بیگھہ تھی یا نصف بیگھہ تھی، واقف کی وفات ہوگئی، اس کی اولاد و اقرباء کہتے ہیں کہ زمین نصف بیگھہ تھی، لیکن گاؤں کے عام آدمی زمین کا حدود طول و عرض دکھاتے ہیں، جس میں تقریباً ایک بیگھہ یا اس سے کچھ زائد ہوجاتا ہے، اب واقف کی اولاد نے زمین آدھا بیگھہ چھوڑ کر بقیہ حصہ بیچ دیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کن کے قول کا اعتبار ہوگا، جب کہ وارث آدھا بیگھہ کے زائد کا اقرار کرتا ہے اور عوام لوگ ایک بیگھہ کے قائل ہیں، کیا اس زمین میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ واقف کے ہم عمر آدمی بھی موجود ہیں، لیکن کثیر تعداد کے لوگ ایک بیگھہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۲...... نیز اس عیدگاہ میں لوگ بھینس بیل وغیرہ چراتے ہیں، جو کہ پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہیں، لہٰذا اس کی پاکی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ وقف نامہ موجود نہیں اور اس زمین میں کچھ علامات بطورِ حد بندی کے نہیں لگائی گئی ہیں اور نہ کوئی اس بات کا گواہ ہے کہ واقف نے یہاں سے وہاں تک ہم کو بتا کر وقف کی ہے، تو ایسی حالت میں واقف کے ورثاء جتنا حصہ عیدگاہ کے لئے وقف بتائیں اس کو ہی وقف تسلیم کیا جائے گا(۱)، نمازِ عید میں اگر مجمع

---

(۱) "وإن شهدوا على الواقف بإقراره ولم يعرفوا ماله من الأرض أو من الدار أخذه القاضي بأن يسمي ماله من ذلك فما سمي من شيء فالقول قوله فيه، ويحكم عليه بوقفية ذلك، وإن كان الواقف قدمات فوارثه يقوم مقامه في ذلك فما أقربه من ذلك لزمه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الشهادة عليه: ۴۳۵/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، نوع في المسائل التي تعود إلى الشهادة في الوقف: ۱۴۴/۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

زیادہ ہے اور ورثاء واقف کی تجویز کردہ زمین سے باہر بھی ان کی اجازت سے لوگ کھڑے ہوکر نماز ادا کرلیں تو نماز ادا ہوجائے گی (۱)۔

۲..... جانور بیل وغیرہ اگر وہاں غلاظت کرتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ جگہ کے تحفظ کے لئے عیدگاہ کے اردگرد سب طرف دیوار قائم کردی جائے یا تار لگادیا جائے، یا خندق نما گڑھا کھود دیا جائے، تاکہ جانور وہاں تک نہیں پہنچ سکیں (۲) اور جس جگہ کو جانور گندہ کرچکے ہیں، وہاں کی زمین جب خشک ہوجائے اور نجاست کا اثر نہ رہے تو نماز کے لئے وہ زمین پاک بھی ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔
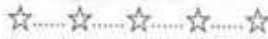
☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ٥/٥٦٧، ٥٦٨، قديمي)

(١) "وفيها أي: "مختارات النوازل" يكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة، إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لايكره فلا بأس ..... نقل سيدي عبدالغني عن الأحكام لوالده الشيخ إسماعيل: أن النزول في أرض الغير إن لها حائط أو حائل يمنع منه، وإلا فلا، والمعتبر فيه العرف قال: يعني عرف الناس بالرضا وعدمه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ١/٣٨١، سعيد)

"رجل بنى مسجداً على سور المدينة لاينبغي أن يصلى فيه؛ لأنه حق العامة ..... ولو فعله بإذن الإمام ينبغي أن يجوز فيها لاضرر فيه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٥، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عند الاندارس والنبش ولا بأس به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦١١، قديمي)

(٣) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وتطهر أرض بيبسها أي: جفافها ولو بريح وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣١١، سعيد)

"وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح، طهرت وجازت الصلاة عليها: لقوله عليه السلام "أيما أرض جفت فقد زكت". (مراقي الفلاح، باب الأنجاس، ص: ١٦٣، قديمي)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثامن في تطهير النجاسات: ١/٣٠٩، إدارة القرآن كراچي)

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال [۱۰۹۸۰]: ہم نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے، جس کے اندر قرآن، نماز، دینی مسائل کی تعلیمات وغیرہ دی جاتی ہیں، اس جگہ میں پہلے آٹھ دس قبریں بھی تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے، اس کے بعد اس جگہ میں تعزیوں کا امام باڑہ بنالیا، جس میں بھی ایک قبر کا نشان باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، چہار دیواری بھی بنالی ہیں، اس کے قبل تکیہ دار بھی مویشی بکری وغیرہ رکھتا تھا، آپ فرمائیں کہ اس جگہ پر دینی مدرسہ کتنا مناسب ہے یا نہیں؟ یہ جگہ تکیہ کے نام سے بھی مشہور تھی، آج امام باڑہ کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ تعزیوں کے لئے بنالیا گیا، کیونکہ وہ جگہ لاوارث اور وقف ہے، یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں جو چاہتا ہے لیتا ہے، قبضہ کرلیتا ہے، اسی جگہ اگر دینی تعلیم کے لئے مدرسہ بنایا جائے تو درست ہے(۱)، مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسن تدبیر سے کام

---

(۱) "لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك: لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۲۴۳/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات .....

لیا جائے (۱)، اسی جگہ دینی کام کے لئے ہونا درست ہے، بجائے اس کے کہ وہاں اپنا کوئی ذاتی مکان بنائے یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی نائب، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۹ھ۔

قبرستان کی زمین میں مدرسہ

سوال [۱۰۸۹۲]: قدیم قبرستان جہاں قبروں کے نشانات چند جگہ پر موجود ہیں اور ایک حصہ میں تدفین بھی جاری ہے، لیکن اہل ہنود اس قبرستان میں شراب وغیرہ کی دکانیں ودیگر قسم کی شی کے ذریعہ قبضہ ہوتے چلے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جگہ بھی محفوظ ہو جائے گی اور قبضہ بھی ہٹ جائے گا، مدرسہ کی تعمیر کروائی جائے، جس میں بچے بچیاں دینی ماحول سے آشنا ہوتے رہیں، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ نیچے دکانیں اور اوپر مدرسہ تاکہ مدرسہ اپنے ہی پیروں پر کھڑا ہو جائے، ان مسلمانوں کی تمنا کے بارے میں شرعی حکم مطلوب ہے۔ نیز یہ قبرستان حدودِ میونسپلٹی میں واقع ہے اور جہاں تدفین جاری ہے اس جگہ کے متعلق بھی کوئی شرعی حکم ہے کہ مدرسہ قائم ہو سکے؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ قبرستان حدودِ میونسپلٹی میں ہے تو اس میں دفن کرنا قانوناً بھی ممنوع ہوگا اور جو قبریں وہاں ہیں،

= ۴۶۹/۲، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۵/۰۹۰، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ادفع بالتي هي أحسن .....﴾ (حم: ۳۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى: نقلاً عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أي: ادفع بحلمك جهل من يجهل عليك". (الجامع لأحكام القرآن: ۲۳۲/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، ص: ۹۹، دار الفكر دمشق)

دو تین پشتیں گزر گئیں، اب میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو اس کی جگہ میں دینی مدرسہ باہمی مشورہ سے قائم کرنا درست ہے(۱) اور مدرسہ کے مصارف کے لئے اگر نیچے دکانیں بنادی جائیں اور اوپر مدرسہ ہو تو بھی درست ہے(۲) اس جگہ میں کسی کی ملک نہیں ہوگی نہ دکانیں اور مدرسہ کسی کی ملک نہ ہوگا، بلکہ مسلمانوں کے نفع کے لئے وقف کی یہ صورت ہوگی(۳)۔ بقیہ حصہ زمین میں تدفین کی اجازت ہے، اس میں حسب ضرورت تدفین کا سلسلہ

---

(۱) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً؛ وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تملكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار الميت تراباً" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن إلخ: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(۲) "ولو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته" (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد القدس" (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: صرح في الإسعاف قال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكما في الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن" (الدر المختار). "لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه إلخ" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱-۳۵۲، سعيد)

(وكما في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئته)

جاری رکھا جائے اور قبضۂ اغیار سے تحفظ کے لئے اس کا احاطہ بنا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

قدیم قبرستان میں مدرسہ اور دکانیں بنانا

سوال [۱۰۸۹۳]: ہمارے گاؤں میں ایک قبرستان ہے، اس کا استعمال ڈیڑھ سو سال پہلے ہوتا تھا، ڈیڑھ سو سال کے بعد سے اب تک اس میں مُردوں کو دفنانا چھوڑ دیا، اب اس جگہ میں سور اور مرے ہوئے جانور اور زناکاری اور لوگوں کا بیت الخلا جانا یہ تمام افعال بدہو رہے ہیں، اس لئے وقف بورڈ ضلع کمیٹی مذکورہ قبرستان کی جگہ میں عربی دینی مدرسہ بنانا چاہتی ہے اور اس مدرسہ کے بعد جو جگہ رہے گی، اس میں دکانیں بنا کر کرائے پر دینا چاہتی ہے، تاکہ مدرسہ کے مدرسین کو اس کرائے سے تنخواہ وغیرہ دے سکیں، اس مذکورہ قبرستان کی غیر آباد ہونے کی وجہ سے مدرسہ دکانوں کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ قبرستان ڈیڑھ سو سال سے غیر آباد ہے، وہاں مُردے دفن نہیں ہوتے اور اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے، تو باہمی مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ بنالینا شرعاً درست ہے (۱)۔ جو جگہ زائد بچ جائے وہاں دکانیں بنا کر ان کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا جائے تاکہ مدرسہ کے اخراجات سہولت سے پورے ہو سکیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "أما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجداً ليصلي فيه فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۳/۴۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها..... كان للقيم أن يبني =

پرانے قبرستان میں دینی مدرسہ قائم کرنا

سوال [۱۰۸۹۲]: قصبہ ... میں ایک قبرستان ہے، جو بالکل آبادی میں واقع ہے، ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۲ء تک اس قبرستان میں مقامی میونسپل بورڈ کی مزاحمت کرنے کی بناء پر مردوں کا دفن ہونا بند ہوگیا تھا، اس وقت تک کا چیئرمین ان قبرستان کے وسط میں سڑک نکال کر قبرستان سے متصل ان میونسپل بورڈ کے خرچ سے بنانا چاہتا تھا، مسلمانوں نے اس سڑک کو بذریعہ عدالت روکا تو کہ سڑک مذکور آج تک نہیں بن سکی، بعد میں میونسپل بورڈ میں دوسرا چیئرمین منتخب ہوا، اس نے اس قبرستان میں دوبارہ دفن کرنے کی اجازت دے دی، آج تک اس قبرستان میں مردے دفن ہورہے ہیں۔

چند غیر مسلموں نے اس قبرستان پر راستے کے نام سے عدالت غازی آباد میں دعویٰ دائر کر رکھا ہے، چونکہ یہ قبرستان مسلمانوں کے نام رجسٹرڈ نہیں ہے، اس وقت قصبہ کے زمیندار مسٹر اے ایم جنکنسن نے جو تحریر دیا تھا، اس میں مسلمانوں کو مردے دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی، مگر کسی سرکاری کاغذات میں قبرستان اندراج نہیں ہوا۔

اب خدشہ یہ ہے کہ کہیں یہ تمام قبرستان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل جائے اور غیر مسلم ان قبرستانوں پر قبضہ نہ کر بیٹھیں، حالانکہ مقامی مسلمان جو غریب مزدور ہیں، بہت روپیہ خرچ کر رہے ہیں، دو مسلمانوں نے دوڑ دھوپ کرکے کاغذات پٹواری میں ۱۹۶۲ء میں اس جگہ پر قبرستان ہونا درج کرایا ہے، اب کہا جاتا ہے کہ قبرستان آبادی میں آنے کی بناء پر حکومت اس قبرستان میں آئندہ مردے دفن ہونے نہیں دے گی۔

۱... کیا اس قبرستان میں عربی کا مدرسہ قائم ہوسکتا ہے، جس میں قرآن شریف، حفظ، ناظرہ، تفسیر، علم لغت، نحو و صرف وغیرہ کے لئے تعلیم گاہ کا اہتمام ہو، کیونکہ چونکہ تحصیل غازی آباد میں عربی کا مدرسہ نہیں ہے۔

۲... کیا اس قبرستان کی چہار دیواری کی امداد مدرسہ عربیہ کی تعمیر میں قیمت چرم قربانی، فطرہ، صدقات،

---

(۱) [illegible] (الفتاوى العالمگيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، رشيدية)

زکوۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۳... اس قبرستان میں مدرسہ عربی قائم ہونے کے بعد قیمت چرم قربانی سے دوسرا قبرستان خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ مقامی مسلمانوں کی یہ حاجت ضرور ہے۔

۴... علاوہ ازیں اگر دینی مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا اور مقامی مسلمانوں کی غربت اور کمزوری کی بنا پر اس قبرستان کا کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان موقوفہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو اور کوئی صورت تحفظ کی نہ ہو تو ایسی صورت میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا درست ہے، جس میں قرآن کریم، ناظرہ، حفظ، فقہ، حدیث، تفسیر کی تعلیم دی جائے (۱)، مگر اس کا خیال رہے کہ قبور پر تعمیر نہ ہو، نہ ان پر چلنے پھرنے سے بے حرمتی ہو بلکہ وہ محفوظ رہیں (۲)، ہاں اگر قبور اتنی پرانی ہوگئی ہوں کہ ان میں میت مٹی بن چکی ہو ان کا حکم ہموار کردہ زمین کا حکم ہوگا، وہاں تعمیر وغیرہ کی

---

(۱) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(۲) "وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالى أن يوطأ على القبر أو يجلس عليه أو ينام عليه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/۵۲، رشيديه)

"ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۱، رشيديه)

اجازت ہے(۱)۔

۲- چرم قربانی اگر مہتمم اور متولی کو تملیکاً دے دیں وہ اپنی طرف سے فروخت کرکے قیمت تعمیر میں لگائے تو درست ہے(۲)، قیمت چرم مصرف فقراء اور زکوٰۃ کے مستحق غریب کو دینا ضروری ہے، پھر وہ مالک ہوکر بغیر کسی دباؤ کے تعمیر کے لئے دے دے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہوگا(۳)۔

۳- اس کا جواب نمبر۲ کے متعلق ہے، جو اوپر تحریر کیا گیا ہے۔

۴- مدرسہ دینی قائم کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ نمبر۱ میں مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۹۲ھ۔

قبرستان میں دکانیں بنانا

سوال [۱۰۸۹۵]: بانگرمئو چھاؤنی کا قبرستان ہے، اس میں کتے پھرتے رہتے ہیں، اس میں دکانیں بنانا کیسا ہے؟ چھاؤنی کے گندے پھرتے رہتے ہیں اور پانی ڈال دیتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن إلخ: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات إلخ: ۲/۴۷۸، رشيدية)

"ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ... (كذا) وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ والظاهر نعم". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة: ۱/۳۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً.

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے، تو واقف نے مردے دفن کرنے کے لئے وقف کیا ہے، دکانیں بنا کر آمدنی حاصل کرنے کے لئے وقف نہیں کیا، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کی چہار دیواری بنا دی جائے اور ایک دروازہ آنے جانے کے لئے بنا دیا جائے تاکہ اس میں غلط کام نہ کئے جائیں، کسی نگراں کو وہاں رکھ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۲ھ۔

پرانے قبرستان میں دکانیں بنوانا

سوال [۱۰۸۹۶]: اراضی مثلاً گورستان ایسی واقع ہے کہ جس میں غالباً کبھی قبر وغیرہ نہیں ملی اور وہ تفصیل بورعام راستہ پر واقع ہے، اگر اس اراضی میں دکانیں بنوا کر کرایہ پر دے دی جائیں تو کوئی شرعی نقص واقع نہیں ہوگا، اس سے قبل اسی ذیل دکانیں بنی ہوئی بھی ہیں۔ ان کی آمدنی بھی گورستان کے صرفہ میں اسی طرح آئیں گی، جیسا کہ پہلی دکانوں کی آرہی تھی۔

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین ... الخ: ۴۴۵/۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف: ۱۲۹/۱، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) "أوص لأهل قریة جعلوها مقبرة وأقبروا فیها، ثم إن واحداً من أهل القریة بنی فیها بناءً لوضع اللبن وآلاة القبر، وأجلس فیها من یحفظ المتاع ..... قالوا: إن کان في المقبرة سعة لا یحتاج إلی ذلک المکان لا بأس به". (فتاویٰ قاضي خان، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۱۱۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴۶۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلی الرباطات والمقابر: ۱۴۳/۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان میں وسعت کافی ہے اور یہ قطعہ فقط مصالح قبرستان کے لئے وقف ہے اور اس میں دکانیں بنوانے سے تدفین میں کوئی تنگی نہیں ہوتی تو دکانیں بنوانا درست ہے، پھر ان دکانوں کی آمدنی قبرستان ہی کی مصالح میں صرف کی جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

قبرستان میں مکان بنا کر رہنا اور نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۹۷]: کیا احاطۂ قبرستان میں گھر بنا کر مستقل طور پر رات دن وہیں پر رہنا جائز ہے؟ نیز قبرستان کے احاطہ میں مکان بنا کر مستقل طور پر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ گھر میں مستقل رہنے پر فرض نماز یا سنت نوافل وغیرہ نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ جہاں پر گھر رہنے کا خیال ہے وہاں قبر نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان کی حفاظت مقصود ہو تو سب کے مشورہ سے وہاں معمولی مکان بنا کر آدمی کو رکھا جا سکتا ہے(۲)۔

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجارها بيوتاً ... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيدية)

(۲) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بني فيها بيتاً لوضع اللبن وآلات المقبرة وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك، قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۶۸، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۴، رشيدية)

وہ وہ مکان قبرستان ہی کا رہے گا(۱)، اس مکان میں نماز پڑھنا درست ہوگا، جب کہ وہاں قبریں موجود نہیں (۲)، قبر سامنے ہوتو نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ کبیری میں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

قبرستان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے وہاں کی لکڑی استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۹۸]: قبرستان کی حفاظت کرنے والے شخص کا قبرستان کی زمین سے سبزی وغیرہ بوکر

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۰۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "وأما البناء في أرض الوقف، فإن كان الباني المتولي عليه، فإن كان بمال الوقف فهو وقف، وإن كان من ماله للوقف أو أطلق فهو وقف، وإن كان لنفسه فهو له، وإن لم يكن متولياً فإن كان بإذن المتولي ليرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن بنى لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم يضر، وإن أضر فهو المضيع لماله فليتربص إلى خلاصه". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۱۰۳، ۱۰۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۶۳، المكتبة العربية كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۱۴، إمداديه ملتان)

(۲) "فإن كان فيها (المقبرة) موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ولا نجاسة لا بأس به". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي أن يفعل في صلاته ومالايكره: ۱/۵۰۴، قديمي)

"وذكر في الفتاوى إذا عين موضعاً في الحمام ليس فيه تمثال وصلى فيه لابأس به، وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۲/۵۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

(۳) "(و) تكره الصلاة ... (في المقبرة) لما مر من الحديث". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، ص: ۳۹۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ومنها أي من المكروهات ... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة وحمام ... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۱/۶۵۴، سعيد)

آمدنی اپنے صرف میں لانا کیسا ہے؟ جب کہ اس کی تنخواہ مقرر نہیں ہے اور یہی طے پایا تھا کہ قبرستان کے درختوں کی پرورش کرو، اور کچھ سبزی وغیرہ بوکر اپنی گزر اوقات کرتے رہو، نیز قبرستان کے درختوں کی لکڑی قبر میں میت کے اوپر رکھنا کیسا ہے؟ اور وہ لکڑی حجرہ یا مسجد کے وضو خانہ، غسل خانہ وغیرہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کی حفاظت کرنے والے کا اس طرح سبزی وغیرہ سے منتفع ہونا درست ہے(۱)، قبرستان کے درختوں کی لکڑی حسب ضرورت قبروں میں استعمال کرنا درست ہے، مسجد یا مسجد کے حجرہ و غسل خانہ میں بلا قیمت لگانا درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۸/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

"اجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۱۰۲، رشيديه)

(۲) "سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم، إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. فقيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۲/۴۷۶، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۷/۱۰۹، مكتبه غفاريه كوئته)

قبرستان میں میت لے جانے کے لئے راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۹۹]: ۱... قبرستان کی زمین جہاں کثرت سے قبریں ہو چکی ہیں، اس وقت اگر چہ اکثر قبر ظاہر صورت نظر نہیں آتیں، البتہ جا بجا خلا نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے خصوصاً بارش کے زمانہ میں میت لے جانے والے کو سخت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، ان باتوں کے مدنظر زید کا خیال ہے کہ احتیاطی صورت اختیار کرتے ہوئے قبرستان کے درمیان خام راستہ بنا دیا جائے تاکہ میت کے لے جانے میں سہولت ہو جائے۔

۲... قبرستان کی زمین کا وہ حصہ جس کے متعلق شہادت سے علم ہو کہ یہاں کافی عرصہ قبل میت دفن کی جا چکی ہے، اب وہ حصہ ندی قریب ہونے کے باعث اور بارش وغیرہ کی وجہ سے نہایت خستہ صورت اختیار کر گیا، حتی کہ قد آدم کے برابر خلا پیدا ہو گیا، ایسی شکل میں قبر کا کسی طرح کا نشان کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ چنانچہ مذکورہ حصہ کو درست اور ہموار کر کے اس زمین میں کاشت کرنا اور اس کی آمدنی کو قبرستان کے مصارف میں لانا کیسا ہے؟

۳... قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ مدتوں سے ٹیلے کے مانند اونچا ہے، زمین کی قلت کے باعث اس جگہ میت دفن ہوتی رہی ہے، زید کا خیال ہے کہ مذکور ٹیلہ کی مٹی لے کر نشیب والی زمین ہموار کر دی جائے، تاکہ زمین کی وسعت ہو اور سہولت حاصل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... اگر قبرستان کے اندر میت کو لے جانے کا کوئی راستہ نہیں، سب طرف قبریں ہیں، یا غار ہیں، تو جہاں ظن غالب ہو کہ اس جگہ زمین کے نیچے قبر میں میت باقی نہیں رہی، بلکہ مٹی بن چکی ہے، تو وہاں کو عام راستہ بنا دیا جائے، تاکہ میت کو لے جانے اور دفن کرنے میں سہولت ہو سکے، پھر جب وہاں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہاں دفن کرنا شروع کر دیں اور دوسری جانب راستہ بنا دیں(۱)۔

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

۲۔ اگر اس جگہ اب میت دفن کرنا دشوار ہو گیا وہاں قبر نہیں بن سکتی، وہاں کاشت کر کے قبرستان کے کام میں اس کی آمدنی کو خرچ کرنا درست ہے، جب میت مٹی بن جائے تو قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ (کذا في الدر المختار)(۱)۔

یہ اجازت اس وقت ہے کہ قبرستان پر کسی کے ناجائز قبضہ کا ظن غالب ہو، ورنہ نہیں۔

۳۔ اگر وہاں قبروں میں میت موجود نہیں، تو وہاں کی مٹی لے کر قبروں کی سہولت کے لئے زمین ہموار کرنا درست ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۹ھ۔

پرانی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

سوال[۱۰۴۰۰]: میں نے یہ حدیث بیان کی، لوگوں نے انکار کیا، پھر میں نے علیحدگی اختیار کی ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد" متفق عليه. (مشكاة: ۱/۶۹)(۳).

میرا کیا حکم ہے؟ اس مسجد میں اگر نماز ادا کروں تو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ کچھ پرانے بوڑھوں سے شہادت ملی ہے کہ پہلے یہ مسجد چھوٹی تھی، پھر کشادہ کر لی گئی، اس وقت مسجد کے ساتھ دو تین قبریں پرانی تھیں، جن کا نشان مٹ گیا تھا، ان کو بھی ہموار کر کے مسجد میں شامل کیا گیا۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول: ۱/۶۹، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب بلا ترجمة: ۱/۶۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ... : ۱/۲۰۱، قديمي)

آپ اپنے عمل پر نظر ثانی کرلیں۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۴۰۰ھ۔

قبرستان کی لکڑی کا مصرف

سوال[۱۰۲۰۱]: قبرستان کی لکڑی فروخت کرکے مدرسہ ومسجد میں عمارت کے کام میں لگانا جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کی لکڑی بیچ کر اس کا روپیہ قبرستان کی حفاظت چہار دیواری وغیرہ میں خرچ کیا جائے(۱)، اگر وہاں صرف کرنے کی حاجت نہ ہو، نہ آئندہ ضرورت کا گمان غالب ہو اور وہ روپیہ محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہ ہو، بلکہ ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو تو باہم مشورہ کرکے مدرسہ ومسجد کی مصرف میں صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) "إن غرس للمسجد لایجوز صرفها إلا إلی مصالح المسجد الأهم فالأهم کسائر الوقوف".
(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشیدیه)

"غرس في المسجد أشجاراً تثمر إن غرس للسبیل فلکل مسلم الأکل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۲، سعید)

"سئل نجم الدین عن أشجار في مقبرة هل یجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم، إن لم تکن وقفاً علی وجه آخر. قیل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلی الخراب تصرف إلیها أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما وقف علیه إن عرف". (المحیط البرهاني، کتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۹/۱۳۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۵/۷۹۲، قدیمي)

(۲) "وما فضل من ریع الوقف واستغنی عنه، فإنه یصرف في نظیر ذلک الجهة کالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس والجنس واحد". (الفقه –

غیر موقوفہ قبرستان میں موجود اخروٹ کے درختوں کا حکم

سوال [۱۰۹۰۱]: آج سے پہلے ہمارے بزرگوں نے چند درخت اخروٹ نصب کئے ہیں، اس سے پہلے یہ قبرستان نہیں تھا، وہ قبرستان گاؤں کے دوسری طرف واقع ہے، لیکن بہت دور بھی ہے، پھر گاؤں والوں نے نزدیک ہی ایک خشک جگہ کو بنا قبرستان مقرر کیا، لیکن اس میں کچھ درخت اخروٹ موجود تھے، یہ درخت گاؤں کے کچھ اشخاص نے ظلم اور جبر سے حاصل کرنا چاہا اور ان پر اوقاف بنانا بھی چاہتے ہیں اور یہ حاصل شدہ رقم دونی ولی، کنواں اور کچھ حصہ مسجد پر بھی صرف کرنا چاہتے ہیں، یہ درخت ہائے اخروٹ صرف گیارہ اشخاص کے ہیں، یہ ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ ہمارے بزرگوں کے نصب کردہ ہیں اور آج تک ہم ہی ان کی بجنڈال کرتے آئے ہیں۔

پٹواری ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں اور اس کا انتخاب بھی ہمارے پاس ہے، دوسرے ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں، محکمہ مال جلکر کے مطابق یہ ہمارے ہیں، غرض کاغذات ہمارے حق میں ہیں، ہمارا مذہب اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے، یہ اوقاف ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ یا نصب کرنے والوں پر یا کسی پر نہیں۔ مگر کاغذات کی بھی ضرورت ہو تو وہ بعد میں طلب کرنا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ درخت اپنی مملوکہ زمین میں لگائے تھے اور پھر اس زمین کو قبرستان کے لئے وقف نہیں کیا، اپنی ہی ملک میں رکھا تو وہ ان کے ہی ہیں (۱)، کسی کو ان پر قبضہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۷/۱۴۰۱ھ۔

= السنة: كتاب الوقف، فصل في بيع الوقف: ۳/۵۰۹، دار الكتاب العربي)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

"أما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ... فلم أر به بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ...: ۴/۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "في فتاوى أبي الليث: مقبرة فيها أشجار فهذه المسئلة على وجهين: أحدهما: أن تكون الأشجار =

قبرستان میں کاشت کرنے اور حاصل ہونے والے غلہ کا مصرف

سوال [۱۱۰۰۲]: ایک قبرستان بہت ہی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو ازمنۂ دراز سے یوں ہی پڑا ہے، فی الحال اس پر کوئی قبر نہیں ہے اور نہ بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس حصہ میں مُردے دفنائے گئے ہیں یا نہیں، اس سال زبردست سیلاب آکر قبرستان کو کمر بھر اونچا کیچڑ کر دیا، جس کو ہماری اصطلاح میں پانگ پڑنا کہتے ہیں، قبر کا نام ونشان مٹ گیا، ایک شخص نے اس حصہ پر جس پر اپنی دانست قبر نہیں پاتے ہوئے دھان کی تخم ریزی کردی، ہاں! اگر غلطی سے دو چار قبروں میں بھی بیج پڑ گئے ہوں تو نہیں کہا جاسکتا، دھان (۳) ماشاء اللہ بہت اچھا ہے اور اس میں فصل ربیع بھی بلا جوتے کھود لگادی ہے۔

تو اب قابل سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس زمین کی حاصل شدہ پیداوار کو کس

= تابعة قبل اتخاذ الأرض مقبرة، وأنه على وجهين أيضاً: إن كانت الأرض مملوكة لها مالك فالأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار ما شاء؛ لأن موضع الأشجار من الأرض لم يصر مقبرة؛ لأنه مشغول بملك صاحب الشجر، وإن كانت الأرض مواتاً لا مالك لها واتخذها أهل القرية فالأشجار بأصلها على حالها القديم". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۲۴۷/۷، حقانية پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۴۷۳/۲، ۴۷۴، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون: ۵۹۲/۵، قديمي)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۳۳۳/۲، إدارة القرآن كراچي)

"ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۳) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۹، فیروز سنز لاہور)

مصرف میں صرف کیا جائے، کسی مدرسہ میں دے دیا جائے یا از خود طلبہ پر خرچ کر دیا جائے، تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کب قابل کاشت ہو سکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو، اس میں کاشت کرنا جائز نہیں (۱)، خواہ بالفعل اس میں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع" كذا في ردالمحتار (۲)۔

اب جو دھان اس میں پیدا ہوا ہو بہتر یہ ہے کہ اس کو یا طلباء پر صدقہ کر دیا جائے یا بیواؤں یتیموں کو دے دیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دے دیں کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صرف کر دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۲۵، حقانيه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذا اجتمع من غلة الأرض في يد القيم فظهر له وجه من وجوه البر، والوقف محتاج إلى الإصلاح والعمارة ـــ فإنه ينظر أنه إن لم يكن في تأخير إصلاح الأرض ومرمته إلى الغلة الثانية ضرر بين يخاف خراب الوقف، فإنه يصرف الغلة إلى ذلك البر ـــ وإن كان في تأخير المرمة ضرر بين، فإنه يصرف الغلة إلى المرمة، فإن فضل شيء يصرف إلى ذلك البر، والمراد من البر هنا وجه فيه تصدق بالغلة على نوع من الفقراء نحو فك أسارى المسلمين، أو إعانة الغازي المنقطع ـــ الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۸، ۳۲۹، رشيديه)

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال [۱۱۰۰۴]: ایک نمبر باغ کا تھا، جس میں ہمارے قدیم قبرستان چلے آرہے ہیں، جس کے ہم مالک ہیں۔ ان نمبروں میں پرانی قبروں کے نام ونشان نہیں، کچھ عرصہ سے باغ کٹوا کر اس نمبر کو کاشت کاری کے لئے دے دیا اور اب بھی عرصہ سے ہمارے زیرِ کاشت ہے، جہاں پر ہماری تازہ قبریں ہیں، صرف وہ جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ اب ہم اس نمبر کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں (جس میں اب قبریں ہیں وہ جگہ اب بھی باقی رہے گی) ایسی صورت میں ہم اس جگہ کا تبادلہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف نہیں بلکہ آپ کی ملک ہے، تو شرعاً آپ کے لئے اس کا طریقۂ مذکورہ پر تبادلہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۸ھ۔

کنواں کھودتے ہوئے کھوپڑی نکل آنے کا حکم

سوال [۱۱۰۰۵]: ہم لوگ کنواں کھود رہے تھے کہ اس میں ایک کھوپڑی مردہ کی نکلی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قبرستان تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہاں کبھی قبرستان نہیں تھا، اس زمین پر دس سال قبل کھیتی ہوا کرتی تھی۔

= "وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى الفقراء المسلمين فيجوز ذلك، لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون: ۵/۸۴۴، قديمي)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الأملاك: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ جگہ وقف نہیں بلکہ مملوک ہے تو یہاں کنواں کھودنا، کھیتی کرنا، باغ لگانا سب کچھ درست ہے(۱)، اتنی مدت طویلہ گزرنے کے بعد جب میت قبر میں مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۳ھ۔

درگاہ سے متعلق زمین سے مجاور کا نفع اٹھانا

سوال[۱۰۹۰۱]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائیکواڑ نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے وہ اس زمین کی کاشت کرکے اس کی پیداوار کھائے اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے، دو گاؤں کے لوگ سب درگاہ پہ پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں، مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو برا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو یہ زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے، اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درگاہ کی حفاظت کرے، پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھا دیا کرے کہ اس چڑھاوے سے مرحوم کو فائدہ ہے، نہ صاحب مزار کو فائدہ ہے(۳)۔ اگر دو رکعت نماز پڑھ کر یا کچھ قرآن کریم پڑھ کر ان کو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيدية)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۴۲/۲، رشيدية)

(۳) "قال العلامة العيني رحمه الله تعالى: أنكر الخطابي ومن تبعه وضع الجريد اليابس، وكذلك =

ثواب پہنچادو تو ان کو بھی نفع ہے اور ان کو بھی نفع ہے(۱) اور اس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق جو زمین ہے اس کی پیداوار کو رکھنا اس کے لئے جائز ہوگا(۳) مگر جو چیز

= "وما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء" (عمدة القاري، كتاب الوضوء: ۳/۱۲۰، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"إن إلقاء الرياحين ليس بشيء". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ۲/۴۸۵، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء تقربا إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام" (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه" (الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه" (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "أن رجلاً سأله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالى عليه وسلم: إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، وتصوم لهما مع صيامك" (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة فإذا أنا بنور مشرق فيها فقلت: لا إله إلا الله نرى أن الله قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار، هذه هدية المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، قلت: ما هو؟ قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء، وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب، وقل يا أيها الكافرون، وقل هو الله أحد، وقال: اللهم إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي، ص: ۲۹۵، دار المعرفة بيروت)

(۳) "وأما الناظر فإن كان المشروط له من الواقف فهو كأحد المستحقين". (البحر الرائق، كتاب =

مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

قبرستان میں قربانی کرنا

سوال [۱۰۹۰۷]: رام نگر نینی تال کے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ قبرستان میں قربانی کرنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمانوں نے کوئی توجہ نہیں دی، بورڈ دوسری جگہ دینے کو تیار ہے، لیکن پھر بھی اکثر مسلمانوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ اگر قربانی دوسری جگہ ہوگی تو فساد ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے؟ اور مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے ہے، وہاں قربانی نہ کی جائے (۲)۔ جب کہ بورڈ قربانی کے لئے

= الوقف: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام ــــ قال في البحر: ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد: ۱/۴۷۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيدية)

(۲) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها، واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر ــــ : ۲/۴۷۱، رشيديه)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب =

جمعہ دینے کو تیار ہے تو جگہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کر دیا جائے اور اس میں ہی قربانی کی جائے، بورڈ کی تجویز قانونی تجویز ہوگی، اس میں فساد کا اندیشہ کیوں ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۹۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= مراعاة الراقفين واجبة ٣/٣٣٥، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ٧/١٣٥، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

کیا مدارس بیت المال ہیں؟

سوال[۱۰۰۰۹]: اس زمانے میں کیا مدرسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کی طرح سے بیت المال ہیں، کیا اس میں بھوکے غریبوں کا بھی حق ہے؟ کیا غلہ وغیرہ بطور قرض یا خیرات دیا جا سکتا ہے؟ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال سے امداد کی جاتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پورے طور پر تو یہ بیت المال نہیں، اس لئے کہ بیت المال کی طرف سے عاشر، ساعی، مصدق مقرر ہوتے جو کہ قانون شرع کے مطابق اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ وغیرہ وصول کر کے دے دیتے تھے، ارباب اموال کے اموال کو ادا کرنا ضروری تھا، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ اپنے اموال کی زکوۃ از خود ادا کریں اور بیت المال کو نہ دیں تو ان کا یہ ادا کرنا معتبر نہیں تھا(۱)، ان مدارس کو ایسے اموال نہیں ہیں بلکہ جو روپیہ مدارس کے لئے دیا جاتا ہے، وہ

---

(۱) "حاصله: أن مال الزكاة نوعان: ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر، وباطن وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، أما الظاهر فللإمام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الأخذ للآية: ﴿خذ من أموالهم صدقة﴾" (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۲/۴۰۳، رشيديه)

"وكذا الجواب في صدقة السوائم في ثلاثة فصول، وفي الفصل الرابع وهو ما إذا قال: أديت بنفسي إلى الفقراء في المصر لا يصدق، وقال الشافعي: يصدق ولنا أن حق الأخذ للسلطان فلا يملك إبطاله بخلاف الأموال الباطنة" (الهداية، كتاب الزكاة، فصل فيمن يمر على العاشر: ۱/۱۹۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

=

عام ضرورت مندوں اور بھوکوں کو نہیں دیا جاسکتا، نہ قرض دیا جاسکتا ہے، بلکہ مدارس سے متعلق جو مصارف ہیں حسبِ قواعدِ شرع ان ہی مصارف میں صَرف کیا جائے گا(۱)، اس لحاظ سے ان مدارس میں کچھ شان بیت المال کی بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۲ھ۔

دینی مکاتب کی مخالفت کرنا

سوال[۱۰۹۰۹]: اس زمانہ میں یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ایک ایسا سرمایۂ دین کا نظر آتے ہیں کہ جن میں بچوں کو مذہبی باتوں سے روشناس کرایا جاتا ہے، مگر بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ خود مسلمان اس کو چلنے نہیں دیتے اور آپسی اختلاف کے باعث ان کا قلع قمع کردیتے ہیں، یہاں شاہ جہاں پور میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد قائم کی گئی، کچھ لوگوں کی مساعی سے یہ کام چلتا رہا، مگر چند لوگ ایسے ہیں جن کی فتنہ پردازی سے اس کی بنیاد بھی تزلزل میں ہوگئی اور اس سلسلے کے ختم پر ہی آمادہ ہوگئے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے لوگوں کے حلقے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر کوئی وعید حدیث میں منقول ہو، تو تحریر فرمائیں۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل فيمن له المطالبة بأداء الواجب: ۳۳۸/۲، دار الكتب العلمية)

(۱) "ليس للقيم أن يأخذ ما فضل عن وجه عمارة المسجد دينا ليصرفها إلى الفقراء، وإن احتاجوا إليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۵/۲، رشيديه)

مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ مہتمم امین ہے۔

"أما حكمها: فوجوب الحفظ على المودوع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند الطلب، والوديعة لا تودع، ولا تعار، ولا تواجر، ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي: من غلة عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام لمسجد والمدرس للمدرسة ..... ثم السراج والبساط إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۷/۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپس کا جو اختلاف ونزاع نفسانیت (جاہ پسندی وغیرہ) کی بناء پر ہو تو وہ سخت مذموم وقبیح ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے اور اس قسم کی نزاعات سے دینی مکتب ومدرسہ بھی تباہ ہوتا ہو تو اس کا وبال بہت سخت ہے۔

﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً﴾ الآية (آل عمران: ۱۰۳)(۱)۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث". مسند أحمد: ۲/ ۲۴۵(۲).

"ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخواناً" وفي رواية "ولا تنافسوا" متفق عليه. مشكاة شريف، ص: ۴۲۷(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد کے اثرات

سوال[۱۰۹۱۰]: قصبہ منگلور میں مدارس مذہبی تعلیم ۱۹۱۴ء سے جاری ہے، جس کو ایک سرپرست بورڈ

---

(۱) (آل عمران: ۱۰۳)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل ۲/ ۳۱۳، رقم الحديث: ۸۱۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن﴾ الآية: ۲/ ۸۹۶، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن: ۲/ ۳۲۲، رحمانيه لاهور)

(۳) (مشكاة المصابيح، باب ماينهى عن التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۲/ ۴۲۷، قديمي)

وأيضاً راجع رقم الحاشية ۲

سے امداد ماہواری ملتی ہے، جس میں روزانہ پہلی پہر میں ڈیڑھ گھنٹہ قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے اور مابقیہ ایام (دو شنبہ پنج شنبہ) کلمہ، دعاء قنوت، آیت الکرسی، دعاء جنازہ، باقی اوقات میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔

دوسرا مدرسہ عربیہ ہے، جو شاہی جامع مسجد میں چل رہا ہے، اس کا مدرسہ عربیہ نام ہی ہے، اس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی بھی کی تعلیم ہوتی ہے، مگر مدرسہ کسی قسم کی امداد بورڈ سے نہیں لیتا اور نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہے، (اصحاب خیر) کی امداد سے چلتا ہے۔

تیسرا مدرسہ مؤید الاسلام ہے، غالباً کسی سے کوئی امداد نہیں پاتا۔

ایسی صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ مکتب جو ۱۹۱۳ء سے جاری ہے اسے دینی مدرسہ کہا جا سکتا ہے یا یہ کہ بورڈ سے امداد لینے کی وجہ سے دنیاوی مدرسہ کہا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکتب میں پہلے صرف قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم ہوا کرتی تھی، وہ خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر وہاں سے فارغ بچے عربی فارسی پڑھنے کے لئے مدرسہ میں جایا کرتے تھے، وہاں حساب بھی کچھ بقدر ضرورت سکھا دیا جاتا تھا، وہ بھی خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر بورڈ سے امداد کا لالچ دیا گیا، مسلمانوں نے غربت سادہ پن سے امداد لینا شروع کردی، جس پر نگرانی اور امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا، پھر امداد دینے والوں نے آہستہ آہستہ اپنا کورس پڑھانے کے لئے کہا، امداد بند ہونے کے ڈر سے اس کی پابندی کی گئی، اب جیسے جیسے ان کا کورس آتا گیا، دینی تعلیم میں کمی ہوتی گئی، یہاں تک کہ دینی تعلیم برائے نام معمولی رہ گئی اور یہ قید بھی لگائی گئی کہ ان کا کورس پڑھانے کے لئے ان کا ہی سند یافتہ ہونا چاہیے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تربیت اور عملی حالت بھی کمزور ہوگئی۔

دینی تعلیم کا مقصد بہت کم رہ گیا، اس کی جگہ کورس نے لے لی، ایسی حالت میں اس کو دینی مکتب یا دینی مدرسہ کہنا یا تو اس کی ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے، یا محض برائے نام دینی تعلیم کا کوئی حصہ باقی رہ جانے کے اعتبار سے ہے۔ حقیقی اور اصلی معنیٰ کے اعتبار سے نہیں اور جس مدرسہ میں اصلی تعلیم تو دین ہی کی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دین ہی کی خدمت اور اعانت کے لئے ہے، وہ حقیقۃً دینی مدرسہ ہے، اس معیار پر آپ

دیکھ لیں کہ کتب کی کیا حالت ہے اور امداد اور اس کے اثرات کورس وغیرہ سے کس قدر متاثر ہے اور وہ اثرات کس رفتار سے پیدا ہورہے ہیں، پھر دینی عربی مدارس کے مقابلہ میں اس کو کیسے دینی مکتب کہا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

مدرسہ کا سامان مسجد کی چھت میں استعمال کرنا

سوال[۱۱۰۹۱]: یہاں پر مدرسہ کی چھت بالکل مسجد کے برابر تھی، اس کی برابری -کی چھت ملانے کے لئے مسجد کی چھت اکھاڑی گئی، اس پر یعنی مسجد پر مدرسہ کی کچھ لکڑی استعمال ہوئی ہے اور آٹھ دس چادر ٹین استعمال ہوا ہے، جو لگ چکا ہے، مسجد کا اپنا کوئی پیسہ موجود نہیں ہے جو مدرسہ کو ادا کرے اور مدرسہ کی رقم میں زکوۃ وغیرہ بلکہ بعض غیر مسلموں کا بھی چندہ ہے، اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کام غلط ہوا(۱)، جن لوگوں نے مدرسہ میں وہ ٹین وغیرہ دیا تھا، وہ بخوشی مسجد کے لئے اجازت دے دیں تو اب مزید کسی تغیر کی ضرورت نہیں (۲)، لیکن مدرسہ کی تعمیر کا کوئی یہ جو لکڑی وغیرہ مسجد پر ہرگز نہ

---

(۱) "أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً وعين لكل وقفاً وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف .... وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك". (الدر المختار). "أي الصرف المذكور". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲/۳۴۳، إدارة القرآن كراچي)

ہونا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کی ملک میں بلا اجازت تصرف کا کفارہ

سوال [۱۰۴۱۲]: ایک شخص زمانہ طالب علمی میں زائد خوراکیں لیتا رہا، مطبخ کے کوپن بھی لاتا رہا، اب اس گناہ پر نادم ہو کر اب اس کا کفارہ دینا چاہتا ہے، کیا صورت کرے؟ دارالعلوم میں بھیجے تو کس مد میں خرچ کرے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کل رقم کا تخمینہ کرکے واجب التملیک (صدقۃ الفطر، قیمت چرم قربانی، زکوٰۃ، نذر وغیرہ کے) مد میں مدرسہ دارالعلوم کو بھیج دینا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) "ويجب رد عين المغصوب أو مثله إن هلك وهو مثلي ... وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه". (الدر المختار) "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعبا أو جادا وإن أخذه فليرده عليه""

(رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۲، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، ۲۰۰، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

دینی مدرسہ کو اسکول بنانا

سوال [۱۱۰۱۲]: ۱... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا اور انہوں نے اس مدرسہ کا نام تجویز کر کے مدرسہ تعلیم الدین رکھا اور سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیگر اکابر علماء حق کی موجودگی میں رکھا، مدرسہ کی بنیاد محض دینی و مذہبی تعلیم و تربیت کے پیش نظر رکھی گئی تھی اور اب تک جتنی عمارتیں مدرسہ کی تعمیر ہوئی ہیں، سب تعلیم الدین ہی کے نام پر بنی ہوئی ہیں اور ذریعہ آمدنی چرم قربانی زکوٰۃ فطرہ کے پیسے تھا۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ آہستہ آہستہ دینی تعلیم کو مختصر کر دیا گیا اور دنیوی تعلیم کو ترقی دے دی گئی، اس وقت کل اساتذہ دس ہیں، جن میں تین دینی تعلیم کے لئے ہیں اور سات دنیوی تعلیم کے لئے ہیں، مدرسہ کو اب جونیئر ہائی اسکول کر دیا گیا ہے اور مدرسہ کا نام بدل کر جونیئر ہائی اسکول تعلیم الدین رکھ دیا گیا اور ذریعہ آمدنی وہی پہلے والی یعنی چرم قربانی مذکوۃ فطرہ ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ چرم قربانی کے پیسے اس مدرسہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲... دو برس سے اس کا خزانچی ایک جاہل آدمی ہے، جو بغیر حیلۂ شرعی تمام رقم خرچ کرتا ہے، تو اس طرح زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی خرچ کریں تو ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جو عمارت دینی تعلیم کے لئے بنائی گئی اور وقف کی گئی ہے، اس کو دنیوی تعلیم کے لئے استعمال کرنا شرعاً درست نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۱)۔

اس کا نام بدلنا بھی درست نہیں ۔ زکوۃ، فطرہ، قیمت چرم قربانی کا مصرف غرباء، فقراء ہیں(۲)، کسی مالدار کو، بنائے تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں براہ راست خرچ کرنا جائز نہیں (۳)۔

۲ اس طرح کسی کی زکوۃ ادا نہیں ہوتی، نہ فطرہ ادا ہوتا ہے، جس نے خرچ کیا ہے اس کے ذمہ ضمان لازم ہے، زکوۃ دینے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کی زکوۃ ذمہ میں باقی رہتی ہے اور جو کچھ ایسی جگہ دیتے

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (التوبة: ۶۰)

"مصرف الزكاة والعشر هو فقير من له أدنى شيء، ومسكين من لا شيء له". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۱۹، رشيديه)

(۳) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد".

(الدر المختار). "قوله: نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه". (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

"ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۲/۱۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

ہیں روا اجنبی ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول بنانے کا حکم

سوال [۱۰۹۰۳]: متصل مسجد ایک بلڈنگ تعمیر ہے، ۱۸ مئی ۱۸۸۴ء میں جو سرکاری تقسیم ہوئی تھی، اس کے اندر یہ بلڈنگ امام باڑہ مرقع ہے، جب سے لے کر آج تک امام باڑہ کی حیثیت سے ہوتا چلا آرہا ہے، ۱۸۸۴ء سے لے کر آج تک شیعہ فرقہ اس کا حقدار ہے، اب ہم فریقین اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کو یہ خیال ہے کہ اس امام باڑہ پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول قائم کرلیا جائے اور ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ بغیر زمیندار صاحبان کی اجازت کے اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل فرمادیجئے گا، اس کے حل ہونے سے آپس کا تنازع ختم ہوجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غاصبانہ قبضہ میں بڑے مفاسد ہیں، شرعاً بھی اس میں قباحت ہے اور قانوناً بھی جرم ہے (۲)، اس

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۱۱/۵۴، ۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

چھوٹنے کا بھی اندیشہ ہے، مقدمہ بازی کا بھی سخت خطرہ ہے، زمیندار سے مل کر سمجھوتہ کر لینا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۱۳۹۹ھ۔

وقف زمین پر اسکول تعمیر کرنا

سوال[۱۰۹۱۵]: اسلامیہ اسکول کو گاؤں کے تمام قوموں نے چک بندی کے زمانہ میں کچھ زمین دی ہے تقریباً بیس بیگھہ کی اور وہ مدرسہ کے لئے ہے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس کا مالک مدرسہ ہوا یا قوم؟ اور کیا اس زمین کو مدرسہ اسلامیہ کے معاملہ کے علاوہ اور کہیں استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس پر انگریزی مدرسہ بنایا جاسکتا ہے؟ اور کیا قوم کو اور منتظم ممبران کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اس زمین کو جہاں چاہے استعمال کریں؟ مدلل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولو قال: وقفت داري على مسجد كذا أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً(۲) ولا يملك، ولا يعار ولا يرهن". ۲/۴۶۷۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيدية)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف: ۲/۴۶۲، رشيدية)

شامی میں ہے:

"قوله لا يملك أي: لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لا يقبل تمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه": ۳/ ۶۷۰(۱).

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زمین مذکورہ مدرسہ کی ملک ہے، مدرسہ کے مفاد کے علاوہ کہیں استعمال کی جا سکتی، قوم وناظم وممبران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمین کو جہاں چاہیں استعمال کریں اور اس پر انگریزی مدرسہ نہیں بنایا جا سکتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۹ھ۔

☆ ☆ ☆......☆......☆

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۸۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/ ۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

چھٹی کے ایام کی تنخواہ کا قانون

سوال[۱۰۹۱۶]: کوئی دینی ادارہ یا کوئی دینی محکمہ اپنے ملازم کو اپنے دستور اور قانون سے اطلاع کئے بغیر کسی قانون کے زد میں لے کر نقصان پہونچادے، مثلاً: بڑی تعطیل کی تنخواہ ضبط کردینا، آیا یہ شرعی قانون ہے یا دنیوی؟ اگر دنیوی ہے تو اس کا دینی اداروں میں نفاذ کہاں تک صحیح ہے؟ اور اگر شرعی ہے تو اس کی اصل کیا ہے؟ محقق اور مفصل تحریر فرمادیں کہ دینی اداروں میں دنیوی قانون کا ٹھونسنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی خدمت تعلیم تدریس تبلیغ میں اصل یہ ہے کہ کوئی معاوضہ کسی سے نہ لینا چاہیے، بلکہ کہہ دینا چاہیے کہ ﴿لا أسئلكم عليه أجراً إن أجري إلا على الله﴾(۱) لیکن اگر کسی کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اجرت لینے کی فقہائے متاخرین نے اجازت دی ہے، باقاعدہ معاملہ کرلیا جائے کہ اتنے گھنٹے اور دن کام کرے گا اور اس کا معاوضہ اتنا یا ماہانہ یا سالانہ لے گا(۲)۔ پھر اس معاملہ کا تقاضہ اصالۃً یہ ہے کہ جب کام نہ کرے اس کا

---

(۱) (هود: ۵۱)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل ..... ثم اعلم أنهم حيث أفتوا بجواز الاستئجار على التعليم ووجوب المسمى خصوه بما إذا ضرب له مدة لتصح الإجارة، ولو لم تضرب له مدة ولا تسمية أوجبوا أجر المثل كما هو الحكم في الإجارات الفاسدة". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۸، ۱۶۱، عثمانيه كوئٹه)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: جواز أخذ الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ..... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

معاوضہ بدلے، خواہ جمعہ کی چھٹی ہو خواہ عید بقرعید وغیرہ کی خواہ تعطیل کلاں ہو(۱)۔

لیکن شریعت نے طرفین کو اختیار دیا ہے کہ اپنے معاملہ میں جس قدر ایام کی چھٹی بلا تنخواہ اور جس قدر مع تنخواہ چاہیں، رضامندی سے طے کرلیں، کسی خاص بات پر مجبور نہیں کیا، اگر کسی جگہ اس طرح معاملہ کرلیا گیا ہے کہ بڑی تعطیل کی بلا اطلاع دو ایک یوم غیر حاضری پر پورے ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی تو یہ بھی درست ہے(۲)۔ اور یہ درحقیقت ایام تعطیل کی تنخواہ ضبط کرنا نہیں ہے بلکہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ دینا ہے، کیونکہ تنخواہ کام کی ہوتی ہے، جب کام نہیں کیا تو پھر تنخواہ کا کیا سوال ہے؟ صاحب معاملہ تبرع کرتا ہے اور اس کے لئے شرط لگا دیتا ہے، شرط کے فوت ہونے پر وہ تبرع نہیں کرتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے(۳)۔ یہ دنیوی قانون کو دینی

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(۱) "قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه، والحيلة أن يستأجر المعلم مدة معلومة ثم يأمر بتعليم ولده" (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن: ۵/۳۷، ۳۸، رشيدية)

"إن كان الواقف قدر للمدرس لكل يوم مبلغاً فلم يدرس يوم الجمعة أو الثلاثاء، لا يحل له أن يأخذه، ويصرف أجر هذين اليومين إلى مصارف المدرسة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۲، سعيد)

"والأجير الخاص من يعمل لواحد ... ويستحق الأجر بتسليم نفسه مدته" (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۷، ۵۴۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، ضمان الأجير: ۶/۱۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً". (شرح المجلة: ۱/۵۱، المادة: ۴۳، حنفيه كوئته)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان؟ لم أره، وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي واختلفوا فيه، والأصح أنه يأخذ ... فينبغي أن يكون كذلك المدرس فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل له الأخذ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۱/۱۳۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "إذ لا جبر في التبرع" (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۶/۲۰۱، رشيديه) =

اداروں میں گھومنا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کام کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں پرانے ملازم کو تنخواہ دینا

سوال [۱۰۹۱۷]: زید عرصہ ۳۵/ سال سے مدرسہ میں ملازم ہے، وہ ہر سال شوال میں دو ماہ چندہ بھی لاتے رہے، اب بہت کمزور ہوگئے ہیں، کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اب جو مدرس چندہ لاتے ہیں، ان کی اس ماہ کی ڈیوٹی کی بھی تنخواہ دی جاتی ہے، تو قدیم مدرس کو ۲۰/ سال کی ڈیوٹی کی تنخواہ دینا کیسا ہے؟ جب کہ وہ بیمار ہے اور ذریعہ معاش سے بالکل مجبور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیونکہ پہلے سے ان کے متعلق اس کام کی ڈیوٹی کی تنخواہ کا کوئی معاہدہ اور تذکرہ نہیں تھا، اب گزشتہ ۲۰/ سال کی اس طرح تنخواہ دینے کا حق نہیں (۱)، آئندہ اگر کچھ طے کردے تو اس کے موافق عمل درست ہوگا، اگر وہ منتظم کا کام کرسکتے ہیں اور اس میں ان کو سہولت ہے تو منتظم بنا کر رکھنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۲/۸۸ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول: ۲۸۴/۶، رشيدية)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"ذكر الخصاف: أنه لو أصاب القيم خرس أو عمى أو جنون أو فالج أو نحوه من الآفات، فإن أمكنه الكلام والأمر والنهي والأخذ والإعطاء فله أخذ الأجر، وإلا فلا. قال الطرسوسي: ومقتضاه أن المدرس ونحوه إذا أصابه عذر من مرض أو حج بحيث لا يمكنه المباشرة لا يستحق المعلوم؛ لأنه أدار الحكم في المعلوم على نفس المباشرة، فإن وجدت استحق المعلوم، وإلا فلا، وهذا هو الفقه".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب إذا قبض المعلوم ... الخ: ۴۱۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ۱۸۵/۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

عربی مدرسہ کے مدرس کو پنشن دینا

سوال[۱۰۹۱۸]: مدارس عربیہ میں چندہ کے روپیہ سے پنشن دینی جائز ہے یا نہیں؟ حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ کے سامنے ایک مرتبہ یہ تجویز پیش ہوئی تھی، تو حضرت نے شرعی اشکال یہ پیش فرمایا تھا کہ جو پنشن دی جائے گی یہ کس چیز کا معاوضہ ہوگا؟ اس لئے غور کی ضرورت ہے۔

منجانب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیتے ہیں، اس کو طلبہ کی ضرورت طعام لباس وغیرہ اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے، وہ لوگ یہی سمجھ کر چندہ دیتے ہیں کہ ان مواقع میں صرف کیا جاتا ہے، نہ پنشن کا ان کے ذہن میں تصور ہے نہ اس لئے دیتے ہیں، لہٰذا بغیر ان کی اجازت کے اس روپیہ سے پنشن دینا جائز نہیں (۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفتاء کیا گیا تھا، وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

"**سوال۹ ۵۰/۱۲۰۳**: اگر کسی دیرینہ ملازم وقف کو علیحدہ کر کے اس کی حسنِ خدمات کی وجہ سے اس کو پنشن دینا چاہیں، تو شرعاً متولیانِ وقف میں اس کو پنشن دے

= "قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "المسلمون عند شروطهم" ذكره البخاري تعليقاً". (صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱/۳۰۳، قديمي)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹۳، المادة: ۸۳ ۴، حنفيه كوئته)

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئته)

"الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۸۳، إدارة القرآن كراچي)

سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مال وقف سے پنشن دینا بدون شرط واقف کے درست نہیں"(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ دار العلوم وعزیز الفتاویٰ:۵-۶/۲۴۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند،۱۳/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی، نائب مفتی دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: جمیل الرحمٰن، دار العلوم دیو بند۔

رخصت اور تعطیل کلاں سے متعلق

سوال[۱۰۹۱۹]: ۱...... ایک شخص شروع محرم سے ایک ادارہ پر کام کر رہا ہے، جس کا قانون یہ ہے کہ مدت ملازمت سے یعنی ماہ میعاد سے قبل کسی رخصت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے، چنانچہ تین ماہ کے بعد حسب استحقاق انہوں نے رخصت لی۔ اتفاقیہ اور بیماری کی وجہ سے اب مدرسہ کی مالی مجبوریوں کی وجہ سے حسب تجویز ناظم ادارہ اخیر میں دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مدت ملازمت کے اندر وہ شخص کل استحقاق کو استعمال کرنے کا مجاز ہے یا ان تمام حقوق کو سال یا تمام مدت تعلیم پر تقسیم کرنے کے بعد اسی لحاظ سے استحقاق کو استعمال کر سکتا ہے۔

۲...... جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہوتی ہے، کیا وہ رخصت اتفاقیہ شمار ہوں گی؟ فقط۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وحكم لا دليل عليه ...... شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حسب قانون ادارہ تین ماہ ملازمت پوری ہونے پر اتفاقیہ اور بیماری کی رخصت حاصل کرنے کا حق ہے اور سال پورا ہونے پر جس قدر کا حق ہوگا اس کو حاصل کر سکتا ہے، لیکن سال پورا ہونے سے پہلے ملازمت کا تعلق ختم ہوجائے تو جس قدر رخصتیں بلا وضع تنخواہ حاصل کر چکا ہے، اب اہلِ ادارہ ان کی تنخواہ وضع کریں گے اور جس قدر رخصتیں باقی ہیں ان کے عوض تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ وہ باقی رخصتیں سوخت ہوجائے گی، حتیٰ کہ اگر سال پورا ہوگیا اور ایک دن کی رخصت بھی نہیں لی تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پندرہ دن رخصت اتفاقیہ کا حق تھا، جو میں نے وصول نہیں کیا، لہٰذا اتنے یوم کی مزید تنخواہ دی جائے (۱)۔

۲.... جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہو، وہ بھی رخصت میں شمار ہوگی، پنجشنبہ اور ہفتہ کی رخصت لی تو جمعہ کا دن بھی رخصت میں محسوب ہوگا، تعطیل میں نہیں، اسی طرح اگر تعطیل کلاں سے قبل اگر رخصت لی، پھر ختم تعطیل پر حاضری کے بجائے رخصت لے لی تو یہ تعطیل کلاں بھی رخصت میں شمار ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) مدارس میں مدرسین کی تنخواہوں اور رخصت کے متعلق مدرسہ کا قانون معتبر ہوتا ہے، لہٰذا مدرس کی تنخواہ اور رخصت میں ہر مدرسہ کا قانون واجب العمل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیھا الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدۃ: ۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعھد إن العھد کان مسئولا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

"قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "المسلمون عند شروطھم"." (ذکرہ البخاری تعلیقاً).

(صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب أجر السمسرۃ: ۱/۳۰۳، قدیمی)

"یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۲۹۳، رقم المادۃ: ۸۳، حنفیہ کوئٹہ)

(۲) "المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۳۷، رقم المادۃ: ۴۳، حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی الأشباہ والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۸۷، إدارۃ القرآن کراتشی)

وقف سے تنخواہ

سوال[۱۰۹۲۰]: ۱..... اوقاف کے متعلقین کو اوقاف کی آمدنی سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دی جاسکتی ہے تو کس قدر؟

۲..... اگر اوقاف کا کوئی متعلق (مدرسہ کا مدرس اور مسجد کا امام) فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جائے تو غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے مدرسہ کے مدرس اور مسجد کے امام کے لئے تنخواہ دینے کو وقف نامہ میں درج کیا ہے اور تنخواہ کی کوئی تعیین نہیں کی، تو حاجت اور عرف کے مطابق تنخواہ دی جائے گی(۱)، اسی طرح اگر واقف نے متولی اور مہتمم کو تنخواہ دینے کا اختیار دیا ہے تو وہ بھی حاجت اور عرف کے مطابق دے گا(۲)۔ جو شخص یا ملازم حج کے لئے جائے تو ایام سفر کی تنخواہ کے متعلق اگر واقف کی کوئی تصریح نہیں، تو دوسرے اوقاف اور مدارس سے تعامل معلوم کرلیا جائے، اس کے موافق عمل کیا جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۳۰/۳، سعيد)

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته، كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار)

"(قوله: بقدر كفايتهم) أي: لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم، والظاهر أن قول الحاوي هذا إذا لم يكن معيناً ...... كما فهمه في شرح الملتقى: وقال إن فرض المسألة فيما إذا كان الوقف على جملة المستحقين بلا تعيين قدر لكل، فلوبه فلا ينبغي جعل الحكم كذلك، بل يصرف إلى كل منهم القدر الذي عينه الواقف". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، ۳۶۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "وتعامل الناس ملحق بالإجماع". (نور الأنوار، تقسيم أصول الشرع، ص: ۹، سعيد) ...... =

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سفراء اور چندہ کے احکام)

مدرسہ کے نام پر چندہ کرنا اور مدرسہ میں نہ دینا

سوال[۱۰۹۲۱]: ایک مدرس نے جن کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا ہے، اس مدرسہ کے نام پر چندہ وصول کرتے پھرتے ہیں، عید الفطر کے موقع پر کرنال کی عیدگاہ میں اعلان کیا کہ مدرسہ عربیہ محمدیہ دریا برد ہوگیا ہے، اس کی امداد کرو، تو ان لوگوں نے مدرسہ کے نام پر کافی روپیہ ان مدرس کو دیا، وہ اس روپیہ کو کھا گئے، عید کے موقع پر جو لوگ مدرسہ کی امداد کرتے تھے، ان کو بہکا کر چرم، صدقۂ فطر، زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں اس روپیہ کو جانے نہیں دیا، جس نے مدرسہ کو کافی نقصان پہونچایا، بلکہ غلط تقریر کو مدرسہ کی ضد پر یہ روپیہ وغیرہ دلایا۔

آیا جن حضرات نے یہ روپیہ دیا ان کی اس فریضہ سے ادائیگی ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے یہ دلوایا ان کو گناہ ہوایا ثواب؟ ایک فقیر کو کتنی شرعی مقدار دینے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت شرعاً معصیت ہے، جھوٹ ہے، دھوکہ ہے(۱)، اگر زکوٰۃ وفطرہ کو صحیح مصرف میں صرف نہیں کیا

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ... إیاكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، إن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب، ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذاباً". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ... من غشنا فليس منا". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۴۳، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في سنن أبي داود، باب النهي عن الغش: ۲/۱۳۳، إمداديه ملتان)

تو ان مدرسین پر ضمان واجب ہے(۱) ان کے اس عیب کو لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے کہ ان مدرسین نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے چندہ وصول کیا اور مدرسہ محمدیہ کو نہیں دیا تو شرعاً اس کی اجازت ہے تاکہ مخیرین احتیاط رکھیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (الفتاوى التاتارخانية، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۷۰، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "وإذا كان الرجل يصوم ويصلي ويضر الناس بيده ولسانه، فذكره بما فيه ليس بغيبة حتى لو أخبر السلطان بذلك ليزجره لا إثم عليه". (رد المحتار). "أي: ليحذره الناس ولا يغتروا بصومه وصلاته. وأخرج الطبراني والبيهقي والترمذي: أترعون عن ذكر الفاجر، اذكروه بما فيه يحذره الناس". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۰۹، سعيد)

"وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لا يتوصل إليه إلا بها". (تفسير روح المعاني: ۲۶/۱۶۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثالث والعشرون في الغيبة: ۵/۳۶۲، رشيدية)

باب المتفرقات

مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے والے طالب علم کے سامان کا حکم

سوال [۱۰۵۲۲]: کوئی طالب علم کسی وجہ سے مدرسہ کو چھوڑ کر دوسرے مدرسہ میں چلا جائے اور اپنا سامان وغیرہ پیسے مدرسہ میں چھوڑ گیا ہو تو اس سامان کو مدرسہ کے مہتمم مدرسہ ضبط کر لیتے ہیں اور اس کے وارث ہو جاتے ہیں۔

کیا مدرسہ والوں کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سامان ضبط کرنے میں مدرسہ والے حق بجانب ہیں یا ظالم؟ یہ سامان ان کے لئے حلال ہے یا حرام؟ جب کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "دستور زندگی" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی کے تین پیسے دبا لے تو اس کے عوض میں سات سو نمازیں دی جائیں گی، تو اس لحاظ سے مدرسہ والے اللہ تعالیٰ کے یہاں ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو اس سامان کو ضبط کرنے کا کوئی حق نہیں، ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۱)، اگر اس چلے جانے والے کے ذمہ مدرسہ کا کوئی مطالبہ ہو تو اس کے وصول کرنے کا حق ہے(۲)، حضرت تھانوی نے جو تحریر فرمایا

---

(۱) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۶/۶، ۱۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، رشيديه)

(۲) "والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ما ظفر به من جنس حقه، ولا يجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسألة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأقضية: ۵۸۷/۲، دار العلوم كراتشي)

ہے، وہ صحیح ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۸۹ھ۔

شرارت پر بچوں کو کتنی سزا دی جائے؟

سوال[۱۰۹۲۳]: طلباء کو ان کی شرارت پر یا سبق یاد نہ کرنے پر ہاتھ سے یا قمچی (۴) سے پٹائی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو کتنی قمچی تک؟ جواب سے براہ کرم مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیم، شرارت اور مزاج کے ساتھ قوت برداشت کی رعایت لازم ہے، چھوٹے بچے کو تین چپت سے زیادہ نہ ماریں، وہ بھی سر اور چہرے پر نہیں اور قمچی سے سزا نہ دیں، بڑوں کو زیادہ کی سزا بھی دے سکتے ہیں، جب کہ کم سزا مفید نہ ہو اور زیادہ کے مفید ہونے کی توقع ہو اور زیادہ سزا اقل حد تک نہ پہونچے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۹ھ۔

= "للدائن أن يأخذ بيده إذا ظفر بجنس حقه بغير رضا المديون". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۵۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحجر: ۴/۸۵، دار المعرفة بيروت)

(۳) "أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فروع في النية: ۱/۴۳۹، سعيد)

"وجاء في بعض الكتب: أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". قوله: "وجاء في بعض الكتب"، أقول: لعل المراد بها الكتب السماوية، لا كتب الفقهاء إلا أن يكون ذلك حديثاً نقله العلماء في كتبهم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۱۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "قمچی: کوڑا، چابک، دُرّہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۱، فیروز سنز لاہور)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إذا ضرب أحدكم =

طلباء کا بازاروں میں پھرنا

سوال[۱۰۹۲۲]: طلباء مدارس عربیہ کو بلا وجہ بازاروں میں پھرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بے ضرورت سب کے لئے برا ہے اور عربی طلباء کے لئے زیادہ برا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فليتق الوجه". رواه أبو داود. (مشكاة المصابيح، باب التعزير، الفصل الثاني: ۲/۳۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"والضرب في هذه الآية هو ضرب الأدب غير المبرح، وهو الذي لا يكسر عظماً، ولا يشين جارحة، كاللكزة ونحوها، فإن المقصود منه الصلاح لا غير ...... وكذلك القول في ضرب المؤدب غلامه لتعليم القرآن والأدب". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۳۴: ۱۲۳/۳، ۱۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال جمهور أصحابنا: لا يبلغ تعزير كل إنسان أدنى الحدود كالشرب ــــ وفي شرح السنة: مذهب أكثر الفقهاء: أن التعزير أدب يقصر عن مبلغ أقل الحدود". (مرقاة المفاتيح، كتاب الحدود، باب التعزير، الفصل الثاني: ۲۲۲/۷، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۶۸/۱، قديمي)

"قال الإمام النووي في شرحه على مسلم: لأنها محل الغش والخداع، والربا، والأيمان الكاذبة، وإخلاف الوعد، والإعراض عن ذكر الله، وغير ذلك مما في معناه ......". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۲۳۶/۱، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۳۰۱/۱، رشيديه)

کتاب الشرکة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

والد کے تحریر کردہ حکم نامہ کے مطابق تجارت کرنا نیز معاہدہ کا حکم

سوال [۱۰۲۲۵]: ... سائل کا بیان ہے کہ زید، عمر، بکر تین بھائی تھے، ان تینوں کے کاروبار مشترک تھے، ۱۹۵۰ء کے درمیان تنخواہ کی کمی و زیادتی اور دیگر شرائط کے سلسلہ میں ایک معاہدہ ہوا، پھر ۱۹۵۲ء میں ایک بھائی یعنی زید کا انتقال ہوا، بقیہ دو بھائیوں کے درمیان مختلف امور میں اختلاف تنازع ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں ان کے والد صاحب نے دونوں بھائیوں کو اور مرحوم زید کے وارثوں کو جمع کرکے ایک حکم نامہ حصص کی تقسیم اور تنخواہ کی کمی و زیادتی کے اور کاروبار کے سلسلہ میں لکھ دیا، جو کئی دفعات پر مشتمل تھا۔

اس کے دفعہ نمبر ۵ میں ہے کہ موجودہ کاروبار تینوں مل کر تین سال تک نبھائیں اور اسی تین سال کے اندر جو بھی نئے کاروبار ہوں گے، وہ تینوں کے مشترک ہوں گے اور دفعہ نمبر ۹ میں لکھا ہے کہ اس حکم نامہ سے ۱۹۵۰ء والا معاہدہ منسوخ قرار دیا، پھر آخر میں سب نے دستخط کئے اور منظور بھی کیا، پھر کچھ عرصے کے بعد والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اب پھر کچھ عرصہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، شدید اختلاف کی وجہ سے عمر نے چھوٹے بھائی بکر کو اور زید کے ورثاء کو مطلع کردیا کہ اختلاف کی وجہ سے کاروبار بڑھانا مناسب نہیں ہے، اس لئے میں لکھتا ہوں کہ والد صاحب مرحوم نے جو حکم نامہ میں جس کاروبار کو سنبھالنے کا حکم دیا تھا، اس کو ویسے ہی تین سال تک نبھاؤں گا اور آج سے بعد سے جو بھی نیا کاروبار کروں گا، وہ میرا ذاتی ہوگا، اس میں کوئی شریک نہیں ہوگا۔

پھر عمر نے اپنی ذاتی رقم سے کچھ نئے کاروبار شروع کئے، اختلاف شدید ہوجانے کی بناء پر ایک ثالث کے سامنے معاملہ پیش ہوا، اب تو ثالث نے بھائیوں کے درمیان معاہدات اور ان کے والد صاحب کے حکم نامہ

کی بنیاد پر فیصلہ دیا کہ عمر کے نئے کاروبار تینوں بھائیوں کے مشترک ہیں، مطلع فرمادیں کہ ثالث نے جس بناء پر عمر کے ذاتی کاروبار کو مشترکہ کاروبار قرار دیا، کیا یہ بنیاد صحیح ہے؟

۲...... معاہدہ کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ والد صاحب کے حکم نامہ کی شرعاً کیا حقیقت ہے اور کیا اتنا بڑا کاروبار والد صاحب کے حکم پر ہی منحصر رہے گا اور اسی پر عمل ضروری ہوگا؟ اس کے بغیر کاروبار درست نہ ہوگا؟ جب کہ بھائیوں کے درمیان حالات خراب ہو چکے تھے، شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... والد صاحب کے انتقال کے بعد جب عمر نے اپنا کاروبار اپنے ذاتی روپیہ سے شروع کیا، جس میں مشترکہ روپیہ نہیں لگایا اور بکر کو نیز زید مرحوم کے ورثہ کو مطلع کردیا کہ یہ کاروبار تنہا میرا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں، اپنے ذاتی روپیہ سے اس کو شروع کرتا ہوں اور انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا، تو وہ تنہا کاروبار عمر کا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں (۱)۔ ثالث کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مشترکہ اختلاف معاملے کا فیصلہ کردے، ذاتی، انفرادی کاروبار میں نہ شرکت، نہ اختلاف ہے، ثالث کا اس کے متعلق کوئی حکم لگانا، اس کے حدود واختیار سے خارج ہے، ہاں! اگر شرکاء خود ہی اس پر راضی ہو جائیں، تو دوسری بات ہے "وھذا ظاھر لا یخفی" (۲)۔

۲...... معاہدہ کرنا اور اس کے اندر مدت متعین کرنا شرعاً درست ہے (۳)۔ مدت ختم ہونے پر وہ معاہدہ

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمي)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي علی الأشباه، کتاب الغصب: ۴/۳۳۳، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في القواعد الکلیة، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، میر محمد کتب خانه)

(۲) راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً

(۳) "روی غیر واحد: أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خرج بمن معه إلی الحدیبیة حتی إذا کان بذي الحلیفة قلد الهدي وأشعره، وأحرم بالعمرة ...... وانتهی الأمر إلی الصلح، وکتابة کتاب في ذلک، فدعا النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علیاً کرم الله وجهه فقال: ...... اکتب هذا ما صالح علیه محمد =

خود بخود ختم ہوجائے گا، اگر ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہو تو مدت متعینہ سے پہلے بھی شرکاء باہم اپنے معاہدہ کو ختم کرسکتے ہیں، والد صاحب نے جو حکم نامہ لکھا ہے، اس کا احترام کرنا اولاد کے لئے عین سعادت ہے(۳)، ان کا حکم تمام اولاد کی خیرخواہی پر مبنی ہے، بلا وجہ اس کو ختم نہ کیا جائے، لیکن اگر اس کی پابندی میں مضرت ہو تو اس سے بچنے کیلئے اور آپس کے شدید تنازع کو ختم کرنے کے لئے پابندی نہ کرنے پر بھی امید ہے کہ گرفت نہ ہوگی، کیونکہ والد صاحب مرحوم اگر زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے حکم پر عمل کرنے سے اولاد کو مضرت ہے، جس کا تحمل دشوار ہے اور یہ حکم شدید نزاع کا باعث بنا ہوا ہے تو وہ خود ہی اپنا حکم واپس لے لیتے۔

پس یہ محض صورتاً حکم کی خلاف ورزی ہے، حقیقۃً خلاف ورزی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کم ربیع الاول/ ۱۳۰۹ھ

= رسول اللہ سهیل بن عمرو ... اكتب هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو صلحاً على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس، ويكف بعضهم عن بعض على أنه من أتى محمداً من قريش بغير إذن وليه، رده عليهم الخ". (روح المعاني، الفتح: ۲۶/۱۳۹، ۱۴۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب كيف يكتب هذا ما صالح فلان بن فلان الخ: ۱/۳۷۱، ۳۷۲، قديمي)

(وكذا في البداية والنهاية، السنة السادسة للهجرة، غزوة الحديبية: ۲/۵۵۳-۵۵۴، المكتبة الحقانية)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ (الإسراء: ۲۴)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ: أي: تواضع لهما وتذلل ... ﴿من الرحمة﴾ أي: من فرط رحمتك عليهما". (روح المعاني، الإسراء: ۱۵/۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالیٰ عنه أن رجلاً أتاه فقال: إن لي امرأة وإن أمي تأمرني بطلاقها، فقال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فحافظ على الباب أو ضيع". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني: ۲/۴۱۹، قديمي)

"يجب التطليق متابعة للوالد، ورضاءً له، فقد ورد عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۱۳، دار ابن حزم)

دو بھائیوں کا دکان میں شرکت کر کے ایک کا دوسرے کے حصے پر قابض ہو جانا

سوال [۱۰۹۲۶]: عمر اور بکر دو سگے بھائی ہیں، عمر بڑا اور بکر چھوٹا ہے، کچھ عرصہ پہلے عمر اور بکر میں زبانی یہ طے پایا کہ شرکت میں ایک دکان کھولی جائے، دریں اثناء عمر کی وساطت سے عمر کے برادر طریقت سے ایک دکان ملی، جو کہ مذکورہ برادر طریقت زید نے یہ کہہ کر آٹھ ہزار روپے پگڑی پر دی کہ یہ صرف عمر کی وجہ سے دے رہا ہوں، دکان کی رسید وغیرہ بدلوانے میں دو ہزار روپے خرچ ہوئے۔

زید نے عمر اور بکر سے صرف دو ہزار روپے نقد لیا، جو کہ بکر نے اپنی جیب خاص سے ادا کیا، زید نے باقی چھ ہزار روپے بیرون ملک لینا چاہا، عمر نے اپنے کسی دوست سے چھ ہزار روپے اپنی شخصی ضمانت پر زید کی خواہش کے مطابق دلوایا اور بعد ازاں عمر نے ایک ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے ادا کرایا، اب زید کے صرف ایک ہزار باقی تھے، دوکان چلانے کے لئے بھی روپیہ درکار تھا، عمر نے اپنے ایک اور برادر طریقت شعیب سے ایک ہزار روپیہ اپنی ضمانت پر لے کر دکان میں لگوایا، مذکورہ شعیب برادر طریقت ہونے کے علاوہ عمر اور بکر کی والدہ کے مکان میں کرایہ دار بھی ہے، جنہوں نے دو یا تین سال کے بعد یہ روپیہ مذکورہ لیا، اپنے کرایہ میں منہا کرایا اور مکان کی آمدنی میں سے یہ روپیہ عمر اور بکر کی والدہ کو ادا کر دیا گیا، ایک ہزار روپیہ زید کا رہ گیا تھا، وہ زید نے دہلی آکر دکان کی آمدنی سے وصول کرلیا جو کہ بخوشی دکان کی آمدنی سے ہی دیا گیا۔

دو ہزار روپیہ جو کہ رسید کے بدلوانے پر صرف ہوا، وہ بھی دکان کی آمدنی سے دیا گیا، مذکورہ بالا چھ ہزار روپے تین سال کی مدت میں مذکورہ دوست کو آہستہ آہستہ دکان کی ہی آمدنی سے دیا گیا، اب دکان کسی کی قرض دار نہیں رہی۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ دکان کی رسید بدلوانے کے دوران بکر نے دونوں دکانوں کو اپنے ہی نام رکھا، جب کہ عمر نے ایک دکان اپنے اور دوسری بکر کے نام رکھنے کی ہدایت کی تھی، مگر بکر نے ایسا نہیں کیا، جب باز پرس کی گئی تو یہ کہہ دیا گیا کہ بزرگوں کا حکم ایسا ہی ہے، عمر نے بات کو خراب نہ کرنے اور دنیا کی جگ ہنسائی سے بچنے کی خاطر کام کو اس امید پر جاری رکھا کہ کبھی تو بکر کو خیال ہوگا اور ہماری شرکت جاری رہے گی، اسی طرح سات سال بیت گئے۔

بکر نے بعد ازاں ایسا رویہ اختیار کرلیا جس کی وجہ سے عمر کو دکان جوں کی توں چھوڑنی پڑی، اس سات

سال کے دوران جو متفرق آمدنی بکر کے پاس رہی اور بکر اپنی مرضی سے کچھ بھی کرتا رہا اور عمر کے پاس کوئی پیسہ اس حصہ میں نہیں آیا جو ایک ہزار روپیہ دو مکان کی آمدنی سے کچھ وصول کر لیا تھا، دکان میں مرمت اور ضروریات ضرور عمر کے مشورہ سے ہوتی رہی، دکان مذکور کا کاروبار آٹھ سال تک دونوں مل کر چلاتے رہے اور پھر علیحدہ ہوجانے کے بعد بکر نے وہی دکان وغیرہ ۳۵ ہزار روپے میں ایک دکان کی آمدنی سے خرید کرلیں اور اب اس جائیداد کی قیمت قریب ایک لاکھ روپے ہوگی۔

ازروئے شرع فرمائیں کہ عمر کی شرکت شرعی یا قانونی اس میں ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ دوم کہ اب چونکہ جائیداد اس مکان کی شرکت شدہ آمدنی سے نہیں ہے، کیا اس میں آدھا حصہ عمر کا ہوسکتا ہے، اگر بکر بالکل منحرف ہوجائے تو ایسے شخص کا شرع کی رو سے کیا مقام ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرکت میں تو دکان شروع کی گئی ہے، اس میں کیا شبہ ہے، جب تک معاملہ شرکت کو ختم نہیں کیا گیا، برابر شرکت باقی رہی اور حسب قرارداد عمر بھی آمدنی کا مستحق رہا(۱)۔ شرکت کا معاملہ کر کے کام شروع کرنے کے بعد (جب آمدنی زیادہ ہوجائے) شرکت سے منحرف ہوجانا اور حسب قرارداد آمدنی سے حصہ نہ دینا سخت گناہ اور غصب ہے(۲)۔ جس کا وبال بھی سخت ہے، پھر بھائی کے ساتھ بددیانتی تو اور بھی خطرناک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۰ھ۔

---

(۱) "وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاد به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۱، رشيدية)

"وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۷، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۳، رشيدية)

(۲) "اعلم بأن الأخذ بغصب أحد مال الغير مما هو عدوان من الأسباب ... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين =

پریس میں شرکت اوراس کی علیحدگی اور نفع کی تقسیم

سوال[۱۰۹۲۷]: دوآدمیوں نے مشترک ہوکرایک پریس کھولا، چھ ماہ تک پریس چلتا رہا اور دونوں نصف نصف منافع لیتے رہے، اس کے بعد پریس مبلغ آٹھ ہزارروپے میں فروخت کردیا گیا، فریق اول چھ ہزارروپے لے رہا ہے اور فریق ثانی کو مبلغ دو ہزارروپیہ دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ تو دو ہزار منافع لے چکا ہے۔ حالانکہ فریق اول بھی دو ہزار منافع لے چکا ہے، تو اس صورت میں فریق ثانی دو ہزار کا حق دار ہوتا ہے یا چار ہزار کا، یہاں ایک عالم صاحب سے پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، جب دونوں فریق نفع نقصان میں برابر کے شریک تھے، تو پریس فروخت ہونے کے بعد بھی نصف نصف رقم کے مالک ہیں، ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب روپیہ بھی دونوں کا تھا اور نفع نقصان میں شرکت بھی نصفا نصف کی تھی، تو جو نفع برابر لیا گیا وہ درست ہوا(۱) اور پریس فروخت ہونے پر بھی نفع ہوتو برابر ہوگا، البتہ اگر شرکت کرتے وقت اصلی روپیہ دونوں کا

= آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) — وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶، الجزء ۱۱/ ۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة — وصفته أنه حرام محرم على الغاصب ذلك". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/ ۱۹۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/ ۱۷۷، ۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۵/ ۱۱۹، رشيديه)

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على رؤس أموالهما جاز — ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بينهما على سواء أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط والوضيعة أبداً على قدر رؤس أموالهما، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني =

برابر نہ تھا، بلکہ اس میں فرق تھا، تو پریس فروخت ہونے پر اصلی روپیہ دونوں کا جتنا جتنا تھا، وہ دونوں کو دے دیا جائے گا، پھر جس قدر نفع ہوا، دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، مثلاً: اگر شرکت کرتے وقت ایک کا روپیہ ایک ہزار تھا اور دوسرے کا دو ہزار تھا، مجموعی تین ہزار سے کام شروع کیا تھا، تو اب پریس آٹھ ہزار میں فروخت ہوا، تو اس کی قیمت سے ایک ہزار تو ایک ہزار والے کا ہوگا اور دو ہزار، دو ہزار والے کا ہوگا، باقی پانچ ہزار دونوں کا نصفا نصف ہوگا، اگر شرکت کرتے وقت روپیہ دونوں کا برابر تھا، تو اب پریس کی قیمت بھی دونوں کو برابر ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۳/۹۱ھ۔

باہمی معاہدہ کے مطابق مدات کی تقسیم نہ کرنا

سوال [۱۰۹۲۸]: زید، بکر نے شرکت میں وثیقہ نویسی کا کام شروع کیا، جس میں حسب ذیل قسم کا کام اور آمدنی کی مدات ہیں:

۱- تعمیرات کے فارم و نقشے داخل کرنے کا کام۔

۲- عام قسم کی درخواستیں لکھنے کا کام۔

= في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"(قوله: ومع التفاضل في المال دون الربح) أي: بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح، وقوله: وعكسه أي: بأن يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۳/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(۱) "وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

"وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاده به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۳، رشيديه)

۳- بیع ناموں کی نقول وغیرہ کا کام۔

۴- پروچکشن کی تعمیر کے نقشے داخل کرنے کا کام۔

۵- بیور خود فارم بھرنے کا کام۔

۶- اقرارنامے لکھنے کا کام۔

یہ چھ طرح کے کام تھے، جو زید، بکر چھ سال سے کرتے رہے ہیں اور دن بھر کی آمدنی زید کے پاس جمع ہوتی رہتی ہے، جو روز کی روز آپس میں تقسیم ہوجایا کرتی ہیں، ابتدائی تین سال تک تو اوپر لکھی ہوئی چھ مدوں میں زید نے بکر کو پہلے دن سے مقرر کیا ہوا حصہ دیا اور خود بھی لیا، مگر آخری تین سالوں میں بکر ایک دو تین کو چھوڑ کر باقی چار و پانچ و چھ مدوں کی آمدنی ایک ایک کر کے بغیر وجہ بتلائے ہوئے اپنے حق میں کرلی، زید کی کارروائی کیسی ہے؟ اس طرح زید کے پاس جو رقم پہونچے گی، وہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باہمی معاہدوں کے خلاف کرنا اور مذکورہ مدات کی رقوم کو تقسیم نہ کرنا درست نہیں (۱)، زید کے لئے ان تینوں مدوں کی رقوم تنہا خود رکھ لینا جائز نہیں، اپنے حصے سے زائد رقم اس کے لئے بھی ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث" — إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ١٧، قديمي)

"قوله: الخلف في الوعد حرام، قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، كتاب الحظر والإباحة: ٢٣٦/٣، رقم المادة: ٢٢، إدارة القرآن كراچی)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ١٠/١، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ٦١٥/٨، رقم الحديث: ٤٨٨١، رشيدية)

(۲) "ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها =

بغیر پیسے دیئے کمپنی میں شرکت کرنا

سوال[۱۰۹۲۹]: ایک شخص دودھ کی کمپنی میں سوا گیارہ روپے دے کر شریک ہوتا ہے اور جب تک اس کی شرکت ہے، اس روپے پر اس کو سو روپے دیا جاتا ہے، اگر یہی شریک اپنے دودھ کو اس کمپنی کو بیچتا ہے تو کمپنی سال پورا ہونے پر جتنی رقم کا دودھ اس نے کمپنی کو فروخت کیا، اس کے حساب سے نفع کے نام پر کچھ پیسے دیئے جاتے ہیں کمپنی کی طرف سے، حالانکہ شریک نے اپنے دودھ کی قیمت پہلے ہی سے کمپنی سے وصول کر لی تھی، لیکن یہ شخص کمپنی کا شریک ہے اور دودھ دیتا ہے اس کے بالمقابل دوسرا شخص شریک کمپنی تو ہے، لیکن دودھ نہیں دیتا، تو کمپنی کچھ نہیں دیتی، تو یہ نفع کے نام کی رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفع کے نام پر یہ رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا درست نہیں (۱)، پیسے دے کر شرکت کی ہو، تو جب قرارداد حصہ اور نفع لینا درست ہے (۲)، اگر کمپنی کا کام کرنے کی وجہ سے یہ پیسہ بطور انعام ملے، وہ درست

= الخ: ۳۰۱/۲، رشیدیہ)

"(وكل) من شركاء الملك (أجنبي) في الامتناع عن تصرف مضر (في مال صاحبه) لعدم تضمنها الوكالة". (الدر المختار، كتاب الشركة: ۳۰۰/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۸۰/۵، رشيديه)

(۱) "والشركة لغةً: خلط النصيبين بحيث لا يتميز أحدهما ـــ وفي فتح القدير: وركنها في شركة العين اختلاطهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۷۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها وأحكامها وما يتعلق بها: ۳۰۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۲۹۸/۴، ۲۹۹، سعيد)

(۲) "فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤوس أموالها ...... واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح". (رد المحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتراط الربح متفاوتاً صحيح، بخلاف اشتراط الخسران: ۳۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۳۰۲/۲، رشيديه)=

ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۸ھ۔

مشترکہ روپیہ سے تجارت اور نفع سے حج کرنا

سوال[۱۰۹۳۰]: چند احباب کا ارادہ ہے کہ گیارہ آدمی فی نفر دوسو روپے ڈال کر مشترکہ تجارت کریں اور جو کچھ نفع ملے، اس کے ذریعہ دو سال کے بعد گیارہ آدمی مل کر حج کے لئے جائیں، کیا یہ معاملہ صحیح ہے؟ اور اس طرح حج کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اور اس نیت سے تجارت تو درست ہے(۲)، مگر حج کی شرط نہ لگائی جائے، ہر ایک کا نفع اس کو

=(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۸۳/۵، رشيديه)

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) "يعني أن علة الفساد ما ذكر من قطع الشركة، وليست العلة اشتراط شرط فاسد فيها؛ لأن الشركة لا تفسد بالشروط الفاسدة". (ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا: ۳۱۶/۳، سعيد)

"وفيه أيضاً إبراهيم عن محمد رحمه الله تعالىٰ: رجل قال لرجل: اشترجارية فلان بيني وبينك على أن أبيعها أنا، قال: الشرط فاسد والشركة جائز، قال: وكذلك كل شرط فاسد في الشركة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، مطلب: الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة: ۳۰۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۶/۵، رشيديه)

دے دیا جائے، اس کا جو دل چاہے کرے، ہیچ پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۷ ۹ھ۔

شرکاء کا ایک شریک کو پانچ سال کے لئے دکان ٹھیکہ پر دینا

سوال [۱۰۹۲۱]: موٹر کے سامان کی ایک دکان ہے، جس میں پچاس ہزار کا سامان ہے، اس میں چند آدمی شریک ہیں، شرکاء نے باہم مل کر ایک شریک کو دے دی کہ پانچ سال تک دکان چلا سکتے ہو، ہر سال پندرہ ہزار ہمیں دیتے ہوں گے، دکان لینے والا شریک اگر چاہے تو دو سال کے بعد واپس کر سکتا ہے، پانچ سال کی مدت ختم ہونے پر دکان مع سامان واپس لے لی جائے گی، جو شرکاء کی مشترک ہو جائے گی، تو کیا یہ معاملہ اجارہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت ناجائز ہے تو جواز کے پہلو سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورت غلط ہے، ناجائز ہے (۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جو شخص کام کرتا ہے، اس کا حصہ منافع میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: التسمرداره وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

(۲) "وشرط جواز هذه الشركات .... وأن يكون الربح جزءاً شائعاً في الجملة لا معيناً، فإن عينا عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۳۰۱/۲ - ۳۰۲، رشيدية)

"(وشرطها) أي: شركة العقد .... (وعدم ما يقطعها كشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما) لأنه قد لا يربح غير المسمى". (الدر المختار، كتاب الشركة: ۳۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۷۷/۵، رشيدية)

فیصد کے اعتبار سے کچھ زیادہ تجویز کردیا جائے، بقیہ منافع سب شرکاء باہم حصہ رسد تقسیم کرلیں (۱)، پندرہ ہزار سالانہ متعین نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ سال بھر میں کس قدر نفع ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۱۳۹۵ھ۔

بینک کی ایک اسکیم برائے پنشن کا حکم

سوال [۱۰۹۳۲]: ہمارے اسٹیٹ بینک نے ایک اسکیم نکالی ہے، کہ ماہانہ سو روپے دس سال تک بینک میں جمع کرانے پر دس سال بعد بطور پنشن ماہانہ ایک سو انہتر روپے پچاس پیسے ملا کریں گے اور آپ کی اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں رہے گا، بینک اس رقم کو تجارت وغیرہ میں خرچ کرتا ہے، کیا ایسی اسکیم میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ بطور شرکت جمع کیا جائے، جب بھی دس سال بعد بطور پنشن ۱۶۹/۵۰ ماہانہ ہمیشہ کے لئے مقرر کردینا غلط ہے، جب کہ اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں باقی رہے گا، ایسی شرکت شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "إذا عرف هذا فنقول: إذا شرطا الربح على قدر المالين متساوياً أو متفاضلاً فلا شك أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليها أو على أحدهما". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۸۳/۵، رشيديه)

"قوله: (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ـــ ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا، والوضيعة على قدر المالين" ولم يفصل؛ ولأن الربح كما يستحق بالمال، يستحق بالعمل، كما في المضاربة". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۱/۵، ۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۳۱۲/۳، سعيد)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۳۱۰

(۳) "وشرط جواز هذه الشركات ـــ وأن يكون الربح جزأ شائعاً في الجملة، لا معيناً، فإن عينا عشرة =

مشترکہ زمین کی آمدنی سے تعمیر شدہ مکان کا حکم

سوال[۱۰۹۳۳]: دو فریق نے مل کر ایک قطعہ زمین خریدی، جو ہر حیثیت سے مشترک چلتی رہی، یعنی اس میں جو کچھ پیداوار ہوتی، نصف نصف تقسیم ہو جاتی رہی، کچھ دن کے بعد فریق اول نے مشترک زمین کے ایک جزء پر بلا اجازت فریق ثانی کے ایک مکان تعمیر کرلیا اور اس میں اپنے پاور لوم لگا کر آمدنی شروع کردی اور تعمیر مکان کا کل خرچ لکھ کر فریق ثانی کو دیا کہ نصف دو، چنانچہ کچھ دن کے بعد فریق ثانی نے فریق اول کو نصف خرچ دے دیا، وہ گاہے گاہے فریق اول سے کہتے رہے کہ جب آپ نے نصف خرچ لے لیا تو ہمارے فائدہ کا خیال رکھئے، مگر فریق اول برابر حیلہ سے کام لیتے رہے، مگر ایک دن ان کو مجبور کیا گیا کہ مکان کا کوئی حل نکالیں، اس پر برجستہ فریق اول نے کہا کہ مکان میں تمہارا کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ تمہارا روپیہ تعمیر میں نہیں لگا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱..... مکان میں فریق ثانی کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

۲..... اگر نہیں ہے تو فریق ثانی نے جو روپیہ دیا تھا اس کو فریق اول نے اپنے کاروبار میں لگا کر جو کمائی کی وہ کس کا حق ہے، فریق اول کا یا ثانی کا؟

۳..... اس معاملہ میں فریق اول نے فریق ثانی کو دھوکہ میں رکھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تعمیر میں خرچ شدہ رقم کا نصف حصہ فریق اول نے فریق ثانی سے وصول کرلیا تو جس طرح زمین میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اسی طرح مکان میں بھی دونوں شریک ہوں گے(۱)، اب انکار کا حق نہیں،

= أو مائة، أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/۳۰۱، ۳۰۲، رشيدية)

"(وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح)؛ لأنه شرط يوجب انقطاع حق الشركة، فلعله لا يخرج إلا القدر المسمى لأحدهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۶، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۵، سعيد)

(۱) "وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه وما يستفاد به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". =

دھوکہ دینا سخت گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

سوسائٹی میں رقم جمع کرنے کا حکم

سوال[۱۰۹۳۳]: افریقہ میں کچھ بہی خواہ حضرات نے ایک تعلیمی ویلفیئر سوسائٹی قائم کی ہے، اس کا اہم کام یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ماہانہ کچھ رقم وصول کرکے سوسائٹی فنڈ میں اس کے نام سے جمع کر لیتے ہیں اور آڑے وقت میں یہ رقم جمع کرنے والے کو دے دیتے ہیں، سوسائٹی کے قانون کے رو سے اگر رقم جمع کرنے والا مرجائے، تو جمع شدہ رقم سے اس کی اولاد کو تعلیم دلائی جاتی ہے، اور اگر وہ کسی وقت اپنی کل رقم واپس لینا چاہے، تو ایک مقررہ مدت کے بعد اس کی رقم واپس کی جاتی ہے۔

اصل رقم سے کچھ زائد رقم بھی اسے دیتے ہیں، سوسائٹی مختلف کاروبار کرکے جمع شدہ رقم میں اضافہ کرتی

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الشرکۃ، الباب الأول في بیان أنواع الشرکۃ وأرکانہا وشرائطہا الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشیدیہ)

"وحکمہا ..... وفي شرکۃ العقد صیرورۃ المعقود علیہ، أو ما یستفاد بہ مشترکاً بینہما".

(البحر الرائق، کتاب الشرکۃ: ۵/۲۷۹، رشیدیہ)

(وکذا في النہر الفائق، کتاب الشرکۃ: ۳/۲۹۳، رشیدیہ)

(۲) "عن أبي ہریرۃ رضي اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مر علی صبرۃ من طعام، فأدخل یدہ فیہا، فنالت أصابعہ بللاً، فقال: "یا صاحب الطعام! ما ہذا؟" قال: أصابتہ السماء یا رسول اللہ! فقال: "أفلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس؟!" ثم قال: "من غش فلیس منا". (جامع الترمذي، کتاب البیوع، باب ماجاء في کراہیۃ الغش في البیوع: ۱/۲۴۵، قدیمی)

"عن أبي ہریرۃ رضي اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ..... من غشنا فلیس منا". (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من غشنا فلیس منا: ۱/۷۰، قدیمی)

(وکذا في الترغیب والترہیب، کتاب البیوع، الترہیب من الغش والترغیب في النصیحۃ في البیع وغیرہ: ۲/۳۵۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ہے، شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور رقم سوسائٹی فنڈ میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سوسائٹی ان رقوم سے تجارت کرتی ہے اور اس کا نفع شرکاء کو ان کے رقوم کے موافق دیتی ہے تو وہاں رقوم کا جمع کرنا اور نفع لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو اور کوئی دوسری چیز بھی اس میں خلاف شرع نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۰ھ۔

شرکت عنان کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۳۵]: چند آدمی مل کر اگر کوئی تجارت کریں، شرکت عنان کے طور پر اور یہ بھی باہم رضامندی سے طے کر لیں، کہ ہر شریک کے ذاتی اخراجات، مثلاً: کھانا، کپڑا، علاج وغیرہ، اس مشترکہ تجارت کے نفع سے پورے کئے جائیں گے، چاہے کسی کے ذاتی اخراجات زیادہ ہوں یا کم ہوں اور ذاتی اخراجات کے بعد جو نفع بچے گا، وہ حسب حصص مقررہ شرکاء پر تقسیم ہوگا، تو کیا یہ صورت شرکت کی جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

---

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"إذا شرط الشريكان تقسيم الربح بينهما على نسبة رأس المال صح الشرط، سواء تساويا في رأس المال أو تفاضلا، ويقسم الربح بينهما على نسبة رأس مالهما كما شرطا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل السادس في شركة العنان، المبحث الأول: ۲/۶۲۸، رقم المادة: ۱۳۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۳/۳۱۲، سعيد)

(۲) "ومنها الخلو عن الشرط الفاسد وهو أنواع ...... وأن يكون المشروط محظوراً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط ہے اس میں جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہوگی اس لئے درست نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۹ھ۔

مال مشترک میں سے ایک شریک کا قرض لینا

سوال [۱۰۱۲۶]: ایک تجارت میں چھ شرکت دار ہیں، ہر شریک کی رقم اس شرکت میں شامل ہے اور کام کرنے والے صرف دو شریک ہیں، نفع اور خسارے کی شرکا اس طرح سے تھے، چالیس فی صد کام کرنے والے شریک کو اور ساٹھ فیصد کل رقم پر، پھر کام کرنے والے ایک شریک نے شدید ضرورتوں کے وقت بیچ جو رقم دکان سے قرضہ یا ادھار لیا اس میں حساب کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کام کرنے والے اسی شریک کے اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے وہ شریک دکان کا مقروض ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ تجارت قدیم شرکا پر چلے گی یا کوئی بعد تبدیلی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شرکا پیچھے سے قرض لے چکے ہیں اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، قرض کا معاملہ صاف کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلاً للوكالة، كذا في المحيط. وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولاً تفسد الشركة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/۳۰۲، رشيدية)

"يشترط أن يكون مقسم الربح بين الشركاء، فإن بقي مبهماً ومجهولاً كانت الشركة فاسدة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في شركة العقد، الفصل الثاني في شروط شركة العقد: ۲/۶۱۲، رقم المادة: ۱۳۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل وأما شرائط جواز الشركة: ۵/۸۳، رشيدية)

مشترکہ جائیداد سے حج کی ادائیگی کے لئے معاہدہ کرنا

سوال[۱۰۹۳۷]: چند بھائیوں کے پاس ان کے والد مرحوم کی مشترکہ جائیداد ہے، ان سب بھائیوں نے باہمی آپسی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک مرتبہ حج فرض ادا کرے، اتنی رقم کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل تھا کہ سب ایک ساتھ حج کریں، یہ معاہدہ ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، اس وقت جہاز کا تھرڈ کلاس کا کرایہ ساڑھے پانچ سو روپیہ تھا اور ہر حاجی کو ایک ہزار روپیہ لے جانے کی اجازت تھی، ۱۹۶۴ء میں ایک بھائی نے حج بھی ادا کیا، جس میں سولہ یا سترہ سو کی رقم خرچ ہوئی، بقیہ بھائیوں کا حج ادا کرنا باقی ہے۔

اب ۱۹۶۷ء میں بحری جہاز کا کرایہ پونے نو سو روپے اور حجاز مقدس ساتھ لے جانے کی رقم پندرہ سو روپیہ ہوگئی ہے، روپے کی قیمت میں تخفیف کے باعث اب حاجی تقریباً دو ہزار ساڑھے چار سو روپے کی رقم خرچ کرتے ہیں۔ اب اس اضافہ کی شکل میں پہلے کی بہ نسبت تو سوا ہزار روپیہ کا فرق ہو جائے گا، بقیہ بھائیوں کا کہنا ہے مجھ سے اور مطالبہ ہے کہ ہم آج کے حساب سے حج کی پوری رقم ڈھائی ہزار روپیہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے وصول کر کے حج ادا کریں گے اور حج کئے ہوئے بھائی کا کہنا ہے کہ میرے سفر حج میں پندرہ یا سولہ سو روپے خرچ ہوئے تھے، اتنی ہی رقم تم لے لو، بقیہ اپنے آپ خرچ کرو۔ آں جناب حکم شرعی سے تحریر کریں کہ حق پر کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ کی قیمت کا کم ہونا اندرون ملک کچھ زیادہ اثر انداز نہیں، حج وغیرہ کے سلسلہ میں ضرور اثر انداز ہے، جو معاہدہ ہوا تھا، وہ اگرچہ صراحۃً رقم کی تعیین کے ساتھ نہیں ہوا تھا، مگر سرکاری طور پر معین ہونے کی وجہ سے گویا کہ رقم متعین ہی تھی، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس معاہدہ میں رقم مقصود اصلی نہیں، ورنہ معاہدہ کی یہ شکل بھی ممکن تھی کہ ہر شریک ایک ایک سال کے وقفہ سے اپنی اپنی رقم مشترک آمدنی سے لے لے، پھر جس مصرف میں چاہے خرچ کرے، بلکہ مقصود یہ تھا کہ ہر شریک بسہولت حج ادا کر سکے اور ۶۳ء میں جتنی رقم میں حج ادا ہو جاتا تھا، اب اتنی رقم میں حج ادا نہیں ہو سکتا، یہ بھی مسلم ہے، لہذا اس مقصود کے پیش نظر موجودہ وقت میں جتنی رقم کافی ہو،

اتنی رقم لینے کا حق ہوگا (۱)۔ اس مسئلہ کا صریح جزئیہ نہیں ملا، لیکن شامی کا رسالہ "تنبیہ الرقود علی احکام النقود" بہت سی جزئیات پر مشتمل ہے، اس سے کچھ ایسا ہی مستفاد ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۶ھ۔

مضاربت میں نقصان کس پر ہے؟

سوال [۱۰۱۳۸]: ہم دو شخصوں نے شرکت میں کام شروع کیا، ایک نے پیسے لگائے، دوسرے نے اس مال کو فروخت کیا، اور چار ماہ بعد معلوم ہوا کہ اصل رقم میں ۵۰۰/ روپیہ کی رہ گئی کمی، مال فروخت کرنے والے نے ۵۰۰/ روپیہ اپنے گھر میں بھی خرچ کئے، آپس میں طے تھا کہ نفع آدھا آدھا ہوگا اور کچھ پیسہ ادھار میں لگ گیا اور کچھ سامان خراب ہوگیا، مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ:

۱… اصل رقم کا پورا کرنا ایک کے ذمہ ہے یا دونوں کے؟

۲… جو خرچ آمدنی میں سے دوسرے "ساجھی" (۳) نے کیا ہے، تو نفع کا کیا ہوگا؟ دوسرے کو مارا

---

(۱) جب بھائیوں نے آپس میں معاہدہ کرلیا کہ مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک ایک مرتبہ حج ادا کرے گا، تو اب اس معاہدے کی پاسداری لازم اور ضروری ہے، لہٰذا ہر بھائی کو اتنی رقم دی جائے گی جس سے اس کا حج ادا ہوسکے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ہو۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (الإسراء: ۳۴)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ ما عاهدتم الله تعالیٰ عليه من التزام تكاليفه، وما عاهدتم عليه غيركم من العباد، ويدخل في ذلك العقود" (تفسير روح المعاني، الإسراء: ۳۴: ۱۵/۱۰۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ أي الذي تعاهدون عليه الناس، والعقود التي تعاملونهم بها، فإن العهد والعقد كل منهما يسأل صاحبه عنه" (تفسير ابن كثير، الإسراء: ۳۴: ۳/۵۹، مكتبه دار السلام)

(۲) رسائل ابن عابدين، الرسالة: تنبيه الرقود على مسائل النقود، الجزء الثاني، ص: ۵۸-۶۷، مكتبه عثمانيه كوئٹه)

(۳) "ساجھی: حصہ دار، شریک، ساجھے دار" (فیروز اللغات، ص: ۸۰۹، فیروز سنز لاہور)

ادا کرنا ہوگا یا آدھا؟

۳... جو ادھار میں دب گیا اس کا کیا مسئلہ ہے؟

۴... جو سامان دوسرے ساتھی کے گھر پڑا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... یہ مضاربت ہے(۱)، اگر اصل رقم جس سے تجارت کرنا طے پایا تھا اس میں سے پانچ سو روپیہ کم ہے، مثلاً: تین ہزار دیے کے لئے کہا تھا، مگر ڈھائی ہزار روپے دیئے اور اب معاملہ ختم کر دیا گیا تو ان پانچ سو کا دینا لازم نہیں(۲)، نمبر ۲ سوال کا مطلب کیا ہے، اس کو واضح کر کے لکھئے۔

۳... جو رقم دوسرے نے اپنے گھر رکھ لیا ہے وہ اس کے ذمہ ہے(۳)، اس کو حق نہیں تھا، پس اگر نفع ایک ہزار یا اس سے زائد ہوا تو یہ خرچ شدہ پانچ سو روپیہ اس حصہ والے کا قرار دیا جائے گا، یعنی اس نے اپنا حصہ

---

(۱) "أما تفسيرها شرعاً فهي عبارة عن عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين والعمل من الجانب الآخر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۲۸۵/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب المضاربة: ۳۹۲/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب المضاربة: ۶۴۵/۵، سعيد)

(۲) اصلی تین ہزار سے زائد جو پانچ سو روپے ہیں، اس میں مضاربت ثابت ہی نہیں، ابتداء ہی سے ان کے ذمہ دینا لازم نہیں۔

"(ومنها) أن يكون رأس المال مسلماً إلى المضارب لا يد لرب المال فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۲۸۶/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب المضاربة: ۶۴۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب المضاربة: ۴۴۹/۷، رشيديه)

(۳) "ومتى خلط مال المضاربة بمال نفسه أو بمال غيره يضمن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الحادي عشر في دفع المالين مضاربة على التراخي وخلط أحدهما بالآخر الخ: ۳۰۹/۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب المضاربة: ۶۴۹/۵، ۶۵۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب المضاربة: ۳۴۴/۳، دار المعرفة بيروت)

نفع میں سے وصول کرلیا اور روپیہ والے کا حصہ باقی رہ گیا، وہ اس کو دے دیا جاوے، اگر نفع کچھ نہیں ہوا تو خرچ شدہ روپیہ اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، وہ مالک روپیہ کو ادا کرے(۱)۔

۳ــــ جو روپیہ ادھار میں رہ گیا، اس کو وصول کرنا مال فروخت کرنے والے کے ذمہ ہے(۲)، وہ وصول کرکے مالک کو دے، کوشش کے باوجود اگر وصول نہ ہو سکے، تو تاوان اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

۴ــــ جو سامان باقی ہے، اس کو فروخت کردے، اگر مالک لینا چاہے، تو مالک کو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولو كانت صحيحة فلم يربح المضارب لا شيء له". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۲۸۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب المضاربة: ۷/۴۴۹، رشيديه)

(۲) "(افترقا وفي المال ديون وربح يجبر المضارب على اقتضاء الديون)". (الدرالمختار). "(قوله: على اقتضاء الديون) أي: طلبها من أربابها، (قوله: إذ حينئذ) عبارة البحر: لأنه كالأجير، والربح كالأجرة وطالب الدين من تمام تكملة العمل فيجبر عليه". (ردالمحتار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۵/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثامن عشر في عزل المضارب وامتناعه عن التقاضي: ۴/۳۴۹، ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۷/۴۵۶، رشيديه)

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۳۹]: گزارش خدمت یہ ہے کہ از روئے شرع بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کرایہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اطلاعاً عرض ہے کہ بینک دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جس میں اکثر حصہ سودی لین دین کا ہوتا ہے اور کچھ دوسرے کاروبار بھی ہوتے ہیں مگر کم۔ دوسرے وہ بینک جس میں اکثر کاروباری معاملات چلتے ہیں اور کچھ سودی لین دین بھی ہوتا ہے۔

براہ کرم کرایہ کے مسئلہ میں دونوں قسم کے بینکوں کا حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمارت کرایہ پر دینا درست ہے، مستاجر جس کام میں بھی استعمال کرے وہ اس کا فعل ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز کام کے لئے کرایہ پر دینا مکروہ وممنوع ہے(۱)، کوئی مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ پس دوسرے قسم کے بینک کے لئے بالاتفاق درست ہے اور پہلی قسم

---

(۱) "وجاز إجارة بيت ... ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر، وقالا: لا ينبغي ذلك، لأنه إعانة على المعصية، وبه قالت الثلاثة". (الدر المختار). "(قوله: وجاز إجارة بيت) هذا عنده أيضاً، لأن الإجارة على المنفعة، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيها، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

"وإذا استأجر الذمي من المسلم بيتاً ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الهندية، -

کے بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنجائش ہے ہو ھو ا لأوسع.

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ومنوع ہے۔ "وھو الأورع(۱)۔

حلال یا غالب حلال مخلوط روپیہ کرایہ پر لینا درست ہے۔ حرام یا غالب حرام مخلوط روپیہ لینا درست نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک کی ملازمت درست ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۹۲۰]: گزارش ہے آج کے دور میں نوکری ملنا محال ہو گیا ہے، خاص طور سے مسلمانوں کو نوکری ملنے پر بہت وقت پیش ہو رہی ہے، ویسے تو مسلمانوں کو نوکری ملتی ہی نہیں ہے، میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہوں، دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی سیکھی ہے، آپ مجھے اس مسئلہ سے آگاہ کیجئے کہ کوئی مسلمان بینک بیمہ کی نوکری کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کو اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ سب کو روزی دینے والا اللہ پاک ہے (۳) اور حلال

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، رشيديه)

(۱) یہ حکم مسئلہ اجارہ کا ہے، باقی اجرت میں ملنے والی رقم اگر سودی ہو جیسا کہ عموماً بینکوں میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کسی بھی بینک کو مکان یا دکان کرایہ پر دینا ناجائز ہے: "ومن هنا ظهر أن التوظف في البنوك الربوية لا يجوز. فذلك حرام لوجهين..... والثاني: أخذ الأجرة من المال الحرام، لأن معظم دخل البنوك حرام مستجلب بالربا...". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب لعن آكل الربا ومؤكله: ۱/۶۱۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ (هود: ۶) .... =

ملازمت۔ لہٰذا ان کا اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ملازمت میں کون سی چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟

سوال [۱۰۱۲۱]: میں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، جماعت میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کا طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت جس ڈھنگ سے کرنے کو بتاتی ہے اس کو علماء حضرات سے معلوم کر کے پھر اس کام کو کرو تا کہ وہ دین اور ثواب دلوانے والا بن سکے۔

۱..... لہٰذا میں ملازمت کرتا ہوں، مجھے صاف صاف اس بات سے آگاہ کریں کہ ملازمت میں کون کون سا ظلم ہونے کا تو قیامت کے دن خون کے آنسو رونے پڑیں گے، تا کہ جان کر ان ہونے والے ظلم کی نگہداشت کی جائے۔ مفتی صاحب! اس بات سے آگاہ کریں کہ ملازمت کے یہ کام خداوندی ہیں، جن کی رعایت کرنے سے ملازمت دین، رضاءِ الٰہی اور جنت دلانے والی بنے گی۔ لہٰذا گزارش ہے کہ دونوں طرح کے احکام سے خوب کھول کر مجھے آگاہ فرمادیں، تاکہ عمل کرنے سے جنت کی طرف جانا ہو سکے گا۔

۲..... کوئی بھی چیز خریدنے اور فروخت کرنے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں کیا کیا احکام شریعت خرید اور فروخت کے بارے میں بتاتی ہے، جس پر عمل کر کے دین بنایا جا سکے اور کن کن طریقہ پر اگر کوئی چیز فروخت کی گئی یا خریدی گئی ورخدا کا حکم ٹوٹتا ہے تو پھر قیامت کے روز سوائے افسوس کرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا مجھے آپ خریدنے اور فروخت کرنے کے دونوں طرح کے احکام سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ملازمت سے پہلے نیت یہ ہو کہ حلال روزی کے ذریعہ اپنی اور اپنے متعلقین کی حوائج ضروریہ پورا کرتا ہے، تا کہ چوری، غصب، بھیک وغیرہ سے اللہ پاک محفوظ رکھے(۱) اور دین کی خدمت اور مخلوق کی

= (وسنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه: ۲/۲۴۲، قديمي)

(۱) اس لئے کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں۔

"(قوله: وشرعاً باعتبار الحرمة الخ) يعني أن لها في الشرع تعريفين: تعريفاً باعتبار كونها =

اجرت مخصوص ہو تو ایسی ملازمت جائز نہ ہو(۱)، یعنی ملازمت کی حالت میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً جھوٹ، دھوکہ، خیانت وغیرہ(۲)، ملازمت کی وجہ سے کوئی حکم شرعی نہ فوت ہو مثلاً اس کی مشغولیت سے نماز نہ

= محرمة، وتعريفاً باعتبار ترتب حكم شرعي عليها". (رد المحتار، كتاب السرقة: ۸۲/۴، سعيد)

"(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والغرم)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۹/۶، سعيد)

"(ولا) يحل أن (يسأل) شيئاً من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة، كالصحيح المكتسب". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۱) "(لا تصح الإجارة لعسب التيس) … (و) لا (لأجل المعاصي، مثل الغناء والنوح والملاهي)".

(الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: (ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي) لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، مطلب: الإجارة على المعاصي: ۴۴۹/۴، رشيديه)

(۲) کیونکہ جھوٹ، دھوکہ، خیانت حرام ہیں۔

قال الله تعالى: ﴿لعنة الله على الكاذبين﴾ (آل عمران: ۶۱)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: آية المنافق ثلاث … إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱۷، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: … من غشنا فليس منا". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۹۳۳/۱۱، رقم الحديث: ۸۸۶۴، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي)

چھوٹے وغیرہ وغیرہ (۱)، اگر ملاقات کرکے زبانی دریافت کرلیں تو جس جس کے متعلق تردد ہو، اس کی پوری تفصیل سامنے آئے گی۔

۲...... یہ بھی طویل بحث ہے، اس کے مسائل عام فہم الفاظ میں بہشتی زیور میں ہیں (۲)، ان کی رعایت کی جائے۔ ان کے علاوہ کوئی مسئلہ پیش آجائے، تو دریافت کرلیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۵ھ۔

ملازم کے سرکاری حقوق

سوال [۱۰۹۴۲]: ۱...... زید جوتے کی تھوک فروش دکان میں عرصہ ۲۵ سال تک ملازمت خریداری حساب نویسی نہایت پابندی اور دیانت داری سے انجام دیتا رہا اور اب صحت کی خرابی کی بناء سبکدوشی حاصل کی اور اپنی متعینہ ماہین تنخواہ ماہ بماہ لیتا رہا، سرکار ملازمین کے لئے خواہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ دکانوں کے کچھ حقوق علاوہ مشاہرہ کے قانوناً دکان مالکان پر عائد کئے ہیں، ان حقوق میں سے ایک حبہ بھی زید کو فرم مذکورہ نے نہیں دیا۔ دریافت طلب مسئلہ ہے کہ آیا شرعاً عند اللہ فرم مذکور پر اس سرکاری ملازمت کی ادائیگی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

کاروبار کی ترقی کے لئے ملازم کا حصہ

سوال [۱۰۹۴۳]: ۲...... اسی دوران فرم مذکورہ کے مالکان نے اپنے بچوں کے نام سے ایک نیا فرم دے کر دکان پر پی-وی-سی (ربڑ کی قسم) کے جوتوں کا تھوک فروش کاروبار شروع کیا، اس کے شرکاء الگ، سرمایہ الگ، جگہ کاروبار الگ اور سابقہ فرم کے کاروبار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ سال بسال بڑھتا ہی رہا،

---

(۱) "وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر و الإباحة، قبيل: فصل في اللبس: ۶/ ۳۵۰، سعيد)

"وهذا كالتنبيه، بل كالتصريح على المنع من الجائز، لئلا يكون سبباً في فعل ما لايجوز".

(أعلام الموقعين، فصل في سد الذرائع، منع ما يؤدي إلى الحرام: ۳/ ۱۷۱، دارالجيل بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۰، سعيد)

(۲) اس بارے میں بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۲۶-۳۸۳، پر مفصل بحث موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۲۶-۳۸۳، دارالاشاعت)

نئی فرم کا کاروبار بھی نہایت تیزی سے دیگر دکانوں پر چلتا رہا، اس کے ملازم کارکردہ اور محرر (حساب لکھنے والا) بھی علیحدہ رکھے گئے، تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا، نئے فرم کا کاروبار پرانی دکان پر بجائے پی-وی-سی جوتوں کے چمڑے کے جوتوں کا تھوک فروش بیوپار شروع کردیا، نئی فرم کے ملازم بھی برطرف کردیئے گئے اور پرانی دکان کے ہی ملازمین سے نئے فرم کا کام لیا جانے لگا۔

زید کے ذمہ جو کام تحریر (حساب نویسی) کا پرانی دکان کا تھا، وہی نئی فرم کا بھی لیا جانے لگا اور تنخواہ وہی پرانی ملتی رہی، کام دوگنا ہوگیا اور بڑھتا ہی رہا، اس دوران سات سال میں نئی فرم میں بھی لاکھوں روپیوں کا منافع ہوا، کیونکہ کھاتہ انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس میں دکھائے جاتے ہیں، اس وجہ سے کھاتوں میں ملازموں کے فرضی نام لکھ کر اس کا روپیہ مالکان خود اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور دونوں فرم (پرانی ونئی) کا کام برابر بڑھتا ہی جارہا ہے اور جو ملازم (یعنی پرانی فرم کے ملازم) نئی فرم کا کام کرتے ہیں انہیں ایک پیسہ تک نہیں دیا جاتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً مالکان فرم نے زید کی اجرت یا کام کے معاوضہ سے حق تلفی کی یا نہیں اور کیا شرعاً سات سال کا معاوضہ فرم پر زید کا واجب ہوتا ہے یا نہیں اور فرم مذکورہ کی طرف سے عدم ادائیگی معاوضہ کی شکل میں زید قیامت کے دن شرعاً عنداللہ اپنا یہ حق فرم مذکور سے لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… عنداللہ تو جو معاملہ مالک وملازم کے درمیان طے ہوا، اس کی ہی ذمہ داری ہے(۱)، سرکاری قانون جو کچھ ہو، اس کی ذمہ داری صرف قانونی ذمہ داری ہے(۲)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا﴾ (الإسراء: ۳۴)

"قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: المسلمون عند شروطهم" (صحیح البخاري، باب أجرة السمسرة، ص: ۳۶۳، دار السلام)

"یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۵۹۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجبة". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۷۴، سعید)

"أمر السلطان إنما ینفذ إذا وافق الشرع". (الدر المختار) "قال العلامة ابن عابدین رحمه اللہ =

۲.....اگر کام زیادہ ہو جائے تو ملازم معاملہ کرلے کہ آئندہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ ہو جائے تب میں کام کروں گا، ورنہ میرا استعفاء ہے(۱)، دکان میں ترقی کی وجہ سے ملازم کی تنخواہ میں اتنا اضافہ کردینا بحیثیت معاملہ واجب نہیں، البتہ بطور شکرانہ اور حق خدمات کے صلہ میں اخلاقاً اضافہ کردینا چاہیے، کیونکہ اس ترقی میں ملازم کی محنت و دیانت کو زیادہ دخل ہے، لہٰذا وہ بھی مستحق اضافہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا سال بھر کی تنخواہ یکمشت لینا درست ہے؟

سوال[۱۰۹۲۲]: ایک شخص جو جامع مسجد کا امام ہے، ماہانہ تنخواہ نہیں لیتا، روپے سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک شب قدر میں ایک مشت دوسو پچیس سالانہ اس خدمت کا عوض نذرانہ کے نام پر وصول کرتا

= تعالى: أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ..... وأن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۳۲۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

(۱) "وأما شرائط الصحة فمنها: رضا المتعاقدين ..... ومنها: أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً، ومنها: بيان المدة ..... ومنها: بيان العمل ..... وكذا بيان المعمول فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹۳، رقم المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

"ويشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۱/۲۵۳، المادة: ۴۴۸، حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿هل جزآء الإحسان إلا الإحسان﴾ (الرحمن: ۶۰)

وقال الله تعالى: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ۹۰)

"عن قتادة رضي الله تعالى عنه: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال عملوا خيراً فجوزوا خيراً". (تفسير الطبري، الرحمن: ۶۰: ۲۷/۸۹، دار المعرفة بيروت)

ہے، اگر لوگ اس کی منشاء سے کچھ کم دینا چاہیں تو نہیں لیتا، اب جب اضافہ کرکے دیتے ہیں اس وقت ان کو قبول کرلیتا ہے، لیکن مشہور کرتا ہے کہ وہ بلا معاوضہ خدمت انجام دیتا ہے، اس شخص کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ماہانہ تنخواہ کا معاملہ درست ہے، اسی طرح سال بھر میں یک مشت مقدار معین پر بھی معاملہ درست ہے(۱)، احترام اس کا نام نذرانہ ہی رکھا جائے، اس سے امامت میں نقصان نہیں آتا، لیکن یہ کہنا اور مشہور کرنا غلط ہے کہ یہ خدمتِ امامت بلا معاوضہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

زراعت کی اجرت پیشگی لے لینا

سوال[۱۰۰۲۵]: اس طرح زمین کھیتی کو کرایہ پر دینا کہ چار سو روپیہ دے دو، اور اس سال تم زمین

---

(۱) "كما يجوز إيجار عقار على أن تكون الأجرة في كل شهر كذا يصح أيضاً إيجاره لسنة بكذا من دون بيان أجرة كل شهر". (شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۴۳، رقم المادة: ۴۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"يصح العقد على مدة معلومة أي: مدة كانت قصرت المدة كاليوم أو طالت كالسنين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ۴/۴۱۵، رشيديه)

"للمالك أن يؤجر ماله وملكه لغيره مدة معلومة قصيرة كانت كيوم أو طويلة كسنين".

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۲۴، رقم المادة: ۴۸۳، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے اور دھوکہ حرام ہے۔

"عن ابن عمر وأبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من غشنا فليس منا" (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، باب ما لا يضمن من الجنايات، الفصل الأول، ص ۳۰۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۹۴۳، رقم الحديث: ۸۸۷۱، مصطفى الباز رياض)

میں ہل وغیرہ چلا کے جو کچھ پیدا کرو، وہ تمہارا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کرایہ پر دینا کہ سب پیداوار تمہاری ہوگی اور مجھے اتنا روپیہ پیشگی کرایہ دے دو، درست ہے(۱)۔ پھر جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے، اس کے ختم ہونے پر زمین واپس کردی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۲/۹۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم سے گھر کا کام کم قیمت پر کرانا

سوال[۱۰۹۵۱]: غیر مسلم عورت یا مرد سے جب کہ کوئی مسلم عورت یا مرد کم قیمت پر پانی بھرنے اور گھر کے برتن وغیرہ دھونے کے لئے نہیں ملتے تو ان سے کام لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "(والأراضي للزراعة إن بين مايزرع فيها أو قال: على أن يزرع ماشاء) أي يجوز استئجار الأرض للزراعة إن بين مايزرع فيها أو قال على أن يزرع فيها ماشاء، لأن منفعة الأرض مختلفة باختلاف مايزرع فيها". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۷، رشيدية)

"اعلم أن الأجر لايلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به، بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدر المختار). "(قوله: أو شرطه) فله المطالبة بها، وحبس المستأجر عليها، وحبس العين المؤجرة عنه". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۱۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة أي إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة، لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه" (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن: ۹/۱۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون فيه خلافاً: ۸/۱۹-۲۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۷ھ۔

غیر مسلم معالج سے پیٹ کا آپریشن کرانا

سوال[۱۰۹۴۷]: ایک عورت ان کو تقریباً پانچ چھ برس سے پیٹ کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے کمزوری کی شکایت رہتی ہے اور ٹی بی کا اثر وقتاً فوقتاً ہوتا ہے، علاج بھی جاری ہے، اس کے باوجود کوئی فائدہ نہیں ہے، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اگر اس عورت کے پیٹ کا آپریشن نہیں کیا جائے گا، تو عورت کا بچنا مشکل ہے۔ ڈاکٹر مسلم تو نہیں ہے، لیکن اخلاق کے اعتبار سے اور ان کے خیالات بھی اچھے ہیں، لہٰذا اس بارے میں آپ خلاصہ لکھئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم سے بھی علاج کے لئے آپریشن کرانا جائز ہے، مسلمان معالج مل جائے، تو وہ مقدم ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۴/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۲/۴/۹۳ھ۔

---

(۱) "وإسلامه ليس بشرط أصلاً، فتجوز الإجارة والاستئجار من المسلم، والذمي، والحربي، والمستأمن؛ لأن هذا من عقود المعاوضات فيملكه المسلم والكافر جميعاً كالبياعات". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ٦/٤٧٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ٤/٤١٠، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ٨/١١٦، حبيبيه كوئته)

(٢) "أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ٢/٤٢٣، سعيد)

"فيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة، لما أنه علل =

سرکاری اسکول میں ملازمت کرنا

سوال [١٠٩٢٨]: سرکاری اسکولوں میں بحیثیت استاذ کا کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز تنخواہ حلال ہے یا مشتبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں غلط عقائد، غلط اخلاق، غلط اعمال کی تعلیم نہیں دی جاتی (١)، بلکہ کوئی غلط بات آجاتی ہو تو اس کی تردید کردی جاتی ہے تو وہاں ملازمت کرنا، جرت وتنخواہ لینا درست ہے (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فيؤول قوله باستعمال أن يكون غرضه إفساد العبادة، لا بأن استعماله في الطب لايجوز". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٢/٤٣٠، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٢/٢٨، إمداديه)

(١) اس لئے کہ غلط عقائد، غلط اخلاق اور غلط اعمال کی تعلیم دینا ناجائز اور معصیت ہے:

"قال رحمه الله تعالى: لايجوز على الغناء والنوح والملاهي، لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق هو على الأجير شيئاً؛ إذ المبادلة لاتكون إلا باستحقاق كل واحد منهما على الآخر، ولو استحق عليه للمعصية لكان ذلك مضافاً إلى الشارع ..... والله تعالىٰ عن ذلك علواً كبيراً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/١١٨-١١٩، دار الكتب العلمية بيروت)

"(المعصية لاتستحق بالعقد)؛ لأن عقد الإجارة يستحق به تسليم المعقود عليه شرعاً، ولا يجوز أن يستحق على المرء شيء يكون به عاصياً شرعاً كيلا تصير المعصية مضافة إلى الشرع". (الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٨/٤١، رشيديه)

"لاتجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو ..... ولا أجر في ذلك وهذه كله عند أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمه الله تعالى ..... لو استأجر لتعليم الغناء ..... لا يجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: مطلب في الاستئجار على المعاصي: ٤/٤٤٩، رشيديه)

(٢) "فيه بالأعمال الطاعة: لأنه لو استأجره ليعلم ولده الكتابة أو النحو أو الطب، أو التعبير يجوز =

بیوی یا بیٹی کی تنخواہ سے انتفاع کا حکم

سوال[۱۰۹۲۹]: اگر کسی مرد کی بیوی یا بیٹی سرکاری ملازم ہے اور وہ مرد اس کی تنخواہ سے انتفاع کرتا ہے تو ایسے مرد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بیٹی یا بیوی کی اجازت سے اس رقم سے نفع اٹھانا درست ہے(۱)، ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= بالاتفاق وفي الكبرى: تعليم الفرائض والوصايا والحساب بأجر يجوز، وفي الذخيرة: لو استأجره ليعلم ولده الشعر والأدب إذا بين له مدة جاز، ويستحق المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الإجارات، جنس آخر في تعليم القرآن: ۳/۱۱۳، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمى)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (مشكاة المصابيح، باب الإمامة، الفصل الثاني: ۱/۱۰۰، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

مشترک مکان کی مرمت کے خرچہ کو کرایہ میں محسوب کرنا

سوال [۱۰۹۵۰]: مشترک مکان کا کوئی وارث خطرۂ انہدام سے بچنے کے لئے اگر کسی شخص سے یہ معاملہ کرے کہ مکان کی مرمت کرادو، مکان کرایہ پر رہنے کے لئے دے دیا جاوے گا اور خرچ کردہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے گی، اگر دیگر ورثاء نہ خود مرمت کرائیں نہ اس معاملہ پر راضی ہوں اور خود وہ دوسرے مکان میں مقیم ہوں، کیا اس قسم کا معاملہ کسی ایک وارث کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مکان قابلِ قیمت نہیں تھا، یا بقیہ شرکاء کسی طرح تقسیم کے لئے راضی نہیں تھے اور بذریعہ حکومت جب تک تقسیم کیا جاتا، اس کے منہدم ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو چکا تھا تو یہ معاملہ کر لینا درست ہے (۱) اور معاملہ مذکورہ کر لینے کے بعد بھی بقیہ شرکاء کا حق اسی طرح باقی رہے گا، جس طرح پہلے تھا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان من يصلح للإمامة: ۱/۳۸۶، رشيديه)

(۱) "لو أعطى أحد داره لآخر على أن يرمها ويسكنها بلا أجرة، فرمها وسكنها ذلك الآخر كانت من قبيل العارية، ونفقة الترميم على الذي أنفق، وليس لصاحب الدار أن يأخذ أجرة عن مدة سكناه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"اتفقت مع زوجها على أن يعمر، ويسكن فعمر، وصار يساوي ألف درهم، وماتت المرأة فطالبته بقية ورثتها بأجرة السكنى، وطالبهم هو بما أنفق، فالجواب: أنه يسقط مما أنفق قدر أجرة السكنى، والباقي يطالب به". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة: ۱/۱۳۲، إمداديه كوئٹه)

"ويحكى عن أبي طاهر الدباس رحمه الله تعالى: أنه يقول إذا اجر أحد الشريكين نصيبه من أجنبي يصح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۸/۱۳۶، حبيبه)

(۲) "الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوى، مطلب: واقعة الفتوى: ۱/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإقرار: ۲/۵۳، ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

زمین کو اجارہ پر دینا

سوال[۱۰۹۵۱]: ۱......ایک شخص نے اپنی تین بیگھہ خام اراضی اپنی ضرورت کے لئے ایک شخص کو مبلغ ایک ہزار روپے میں رکھی ہے اور اس زمین تین بیگھہ پر پچاس روپے سالانہ کٹتے ہیں جو کہ بیس سال میں ایک ہزار روپے ختم ہوجائے گا، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایک شخص نے ضرورت مندسے آٹھ سو روپے میں چھ بیگھہ خام اراضی گروی رکھی ہے، جس کے سو روپے سالانہ کٹتے ہیں، یہ زمین سو بیگھہ سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے، یہ بھی طریقہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سود ہے یا نہیں؟ شراب کی کمائی کا پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ، پھر دوبارہ تحریر کیجئے گا؟ ایک مرتبہ آپ نے حرام فرمایا ہے اور وہ پیسہ مسجد میں نہیں لگا سکتے ہیں، وہ تین بیگھہ اراضی ایک سو پچاس روپے میں سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین بیگھہ یا چھ بیگھہ زمین کا جو لگان سالانہ عام طور پر ہوتا ہے، اتنی ہی مقدار سالانہ پیشگی دیئے ہوئے روپے سے کٹے تو یہ اجارہ کا معاملہ ہو کر درست ہوگا، اس کو قرض نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ایک ہزار روپے پیشگی لگان دے دیا گیا ہے جس میں سے سالانہ اتنی مقدار منہا رہتی ہے(۱)، اگر اس میں سے سالانہ مقدار روپے دیئے، دباؤ کی وجہ سے کم تجویز کی جائے تو یہ ناجائز ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے(۲)۔ شراب کی کمائی کا

---

(۱) "یجوز للمؤجر أن یأخذ من المستأجر مقدار مقطوعاً من المال یعتبر کأجرة مقدمة لسنین، وهذا بالإضافة إلی الأجرة السنویة أو الشهریة، وتجري علی هذا المبلغ المأخوذ أحکام الأجرة بأسرها".

(بحوث في قضایا فقهیة معاصرة، بیع الحقوق المجردة: ۱/۱۱۳، دار العلوم کراچی)

"الأجرة لاتخلوا إما أن تکون معجلة أو مؤجلة أو منجمة أو مسکوتاً عنها، فإن کانت معجلة فإن له أن یتملکها وله أن یطالب بها". (البحر الرائق، کتاب الإجارة: ۸/۹، رشیدیه)

"تلزم الأجرة بالتعجیل، یعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً ملکها الأجر". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) اگر سالانہ کرایہ میں پیشگی رقم کی وجہ سے کمی کی گئی ہو تو یہ "کل قرض جر نفعا فهو ربا" کے زمرے میں آئے گا اور سود کے حکم میں ہوگا۔

"عن علي أمیر المؤمنین رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "کل قرض جر منفعة فهو ربا". (إعلاء =

پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ حرام ہے، مسجد میں لگانا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۶ھ۔

اس شرط پر دکان کرایہ پر دینا کہ جب چاہیں خالی کرالیں

سوال[۱۰۹۵۲]: ہماری برادری میں مندرجہ ذیل مقدمہ درپیش ہے، جس میں مدعی مدعا علیہ کی یہ رائے ہے: شمس الدین نے اپنی دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور شرط کرلی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنا پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کرلیا، اس کے بعد ضرورت ہونے پر محمد یاسین نے انکار کردیا، شمس الدین نے محمد یاسین سے دکان کا مطالبہ کیا، تو یاسین نے انکار کردیا اور ٹلا دیا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کردی کہ ازسرِ نو تعمیر ہونے پر اسی سے ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوا دینا، چنانچہ دکان خالی ہوگئی اور تعمیر کے بعد محمد یاسین کو وہ نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دلوادی گئی اور شرط پوری ہوگئی اور ایک دفعہ اس دباؤ کے لئے

= السنن، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۲/۱۹۷، ۳، إدارة القرآن كراچي)

"كل قرض جر نفعاً فهو ربا". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

(و كذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل في القرض: ۵/۱۶۲، سعيد)

(و كذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة: ۱/۵۷۵، دار العلوم كراچي)

(و كذ في فيض القدير: ۹/۴۸۷۳، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مصطفىٰ الباز رياض)

(۱) "قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمر بن عائذ فتناول حجراً من الكعبة، فوثب من يده، حتى رجع إلى موضعه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يا معشر قريش: لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا، لا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۲/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۱۱۱، مير محمد كتب خانه)

لکھوایا گیا ہے کہ دکان مل جاوے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شمس الدین نے دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور یہ شرط کرلی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنی پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کرلی، اس کے بعد شمس الدین نے محمد یاسین سے مطالبہ کیا تو محمد یاسین نے انکار کردیا اور ٹلایا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کی کہ ازسرنوتعمیر پر ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوادینا، چنانچہ دکان تعمیر ہوگئی، تعمیر کے بعد محمد یاسین کو دکان نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دکان دلوادی گئی اور شرط پوری ہوگئی، رقعہ بھی لکھوالیا گیا کہ دکان مل گئی۔

قانون شرع کے مطابق محمد یاسین سے دکان خالی کرنے کا شمس الدین کو حق ہے، اگرچہ کرایہ پر اپنے وقت خالی کرنے کی شرط نہ کی ہو(۱)، ازسرنوتعمیر کے لئے جب محمد یاسین نے دکان خالی کردی تو اس کو رقعہ لکھوانے کا کوئی حق نہیں تھا، تو اب محمد یاسین اس دکان میں کام کرے، جو کرایہ پر لی ہے یا اور جگہ کام کرے، شمس الدین کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ تعمیر شدہ دکان کو یاسین کو دے، اس جعلی رقعہ کے ذریعہ روپیہ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو انقضت الإجارة وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث: ۱/۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة بمضي المدة إذا كان المعقود عليه المدة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۶۹۳، رقم المادة: ۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ="

حکومت کا کسی شخص کو کرایہ کے مکان کا کرایہ دار بنانا

سوال[۱۰۹۵۳]: ہمارے شہر میں یہ قانون نافذ ہے کہ کسی کرایہ دار نے فلاں سال اور تاریخ سے پہلے کسی کو اپنے کرایہ کی دکان دے کر ماتحت کرایہ دار بنا رکھا ہے اور ماتحت کرایہ دار سے غیر واجب کرایہ وصول کرتا ہے، یہ ماتحت کرایہ دار عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے، تو عدالت ثبوت مہیا کرنے کے بعد مالک مکان کو آرڈر دیتی ہے کہ اس ماتحت کرایہ دار کو اصل کرایہ دار بنالیا جائے، سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان حکومت کے اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کرکے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے، تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۹/۳/۱۰ھ۔

ملازم کی غیر حاضری پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۱۰۹۵۴]: کسی شخص نے ایک نوکر کو ایک سال کے لئے رکھا نوکری پر، پھر دو ماہ یا چار ماہ کے بعد چلا گیا اور پھر آ گیا، مالک نے نوکر کے دو روپیہ یومیہ کاٹ لئے، جب نوکر کو ایک سال کی تنخواہ دی تو ایک یا ڈیڑھ روپے بیٹھتا ہے، تو یہ پیسہ کاٹنا درست ہے یا نہیں؟

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۱) "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

الجواب حامداً ومصلياً:

سال بھر کی تنخواہ کو ایام پر تقسیم کر کے ایام غیر حاضری کی تنخواہ وضع کر لینا درست ہے، جیسے: مکان سال بھر کے لئے کرایہ پر لیا تو اس کرایہ کو ایام پر تقسیم کرنا درست ہے، یا مراحل پر کرایہ کو تقسیم کرنا درست ہے۔

درمختار، کتاب الاجارہ میں ہے:

"وللمؤجر طلب الأجر كل يوم وللمكاري كل مرحلة، قال الشامي: ۹/۵(۱)۔

"المراد كل ماتقع الإجارة فيه على المنفعة أو على قطع المسافة أو على العمل إذا آجرها سنة بكذا صح. وإن لم يسم أجر كل شهر وتقسم سوية أي: على الشهور وفائدته تظهر في الفسخ أثناء المدة" شامي: ۳۲/۵، نعمانيه(۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

لگان پر زمین دینا

سوال[۱۰۹۵۵]: زید اپنی چار بیگھ زمین بعوض ایک ہزار روپیہ دو سال کاشت کے لئے دو شرطوں پر دیتا ہے: اول یہ کہ دو سو روپیہ سال لگان دوں گا (کرایہ ہوگا)۔ دوسرے یہ کہ دو سال کے بعد خالی ہونے پر واپس لے لے گا اور باقی رقم یعنی سولہ سو روپے واپس کر دوں گا دو سال کا لگان کاٹ کر، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۳/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۱۰/۸، ۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۸۳/۶، عبا ساحمد البان)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۱/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۰/۳، ۵۳۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۱/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۳/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین کا لگان دوسو روپے ہی ہے تو پیشگی لگان لے کر زمین کرایہ پر لینا درست ہے(۱)، لیکن معاملہ صرف دوسال کے لئے نہ کیا جائے، بلکہ پانچ سال کے لئے معاملہ کرلیا جاوے، پھر دوسال گزرنے پر فریقین چاہیں تو بقیہ مدت کے اجارہ کو فسخ کردیں اور سولہ سو روپے واپس کردیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۳ھ۔

کیا فوج کی ملازمت درست ہے؟

سوال[۱۰۹۵۶]: اپنے ملک میں ہندوستان میں فوج میں مسلمانوں کو ملازمت کرنا کیسا ہے؟ نیز جو مسلمان شخص فوج میں بھرتی ہے اور جب کہ اپنے ملک ہندوستان کا کسی بھی مسلم یا غیر مسلم سے مقابلہ ہوجائے اور جنگ شروع ہوجائے اور یہ مسلم فوجی شخص اپنے ملک ہندوستان کی طرف سے جنگ میں ختم ہوجائے، تو اس

---

(۱) "يجوز للمؤجر أن يأخذ من المستأجر مقدار مقطوعاً من المال يعتبر كأجرة مقدمة لسنين، وهذا بالإضافة إلى الأجرة السنوية أو الشهرية، وتجري على هذا المبلغ المأخوذ أحكام الأجرة بأسرها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة: ۱/۱۰۳، دار العلوم كراچی)

"تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً ملكها الآجر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"اعلم أن الأجرة لاتلزم بالعقد ...... بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۲) "فلو انفسخت الإجارة قبل أمدها المتفق عليه بسبب من الأسباب وجب على المالك أن يرد على المستأجر مبلغاً يقع مقابل المدة الباقية من الإجارة". (بحوث في قضايا فقهيه معاصرة: ۱/۱۱۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

"آجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۳۵، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر". (المبسوط للسرخسي، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۵/۱۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسلم مرحوم فوجی کو درجہ شہادت کا مستحق سمجھا جائے گا یا نہیں؟ نیز اس کو شہید کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظالموں سے ملک کی حفاظت کے لئے فوج میں ملازمت کرنا درست ہے، اگر کسی ظالم نے چڑھائی کی اور یہ دفاع کرتا ہوا قتل ہوگیا، تو ان شاء اللہ قتل شہید ہوگا۔

"من قتل دون ماله، من قتل دون دمه، من قتل دون عرضه" (۱)۔

ان سب کو شہید فرمایا گیا ہے، ظالم کام کے لئے ملازمت کرنا اور لڑنا جائز نہیں، اس پر شہادت کی امید رکھنا بھی غلط ہے، شہادت تو کیا ملتی بعض صورتوں میں ایمان کا سلامت رہنا بھی دشوار ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مختار عام کا معاوضہ اگر طے نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۹۵۵]: ایک خاتون مسماۃ عامرہ نے ایک شخص زید کو اپنی جائیداد کے حصول تحفظ مقدمات اور معاملات کو طے کرانے کے لئے بغیر کسی معاوضہ خدمت طے کئے ہوئے اپنا مختار عام بنایا اور زید نے اس امید پر کہ موصوفہ معاوضہ تو ضرور دے گی، حالانکہ موصوفہ مسماۃ عامرہ مجوزہ زید کو ادا کریں گی ہی، مختار عام بننا منظور کرلیا۔ جب کہ زید دوسری جگہوں پر پانچ سو روپیہ ماہوار پر اسی قسم کی خدمات انجام دے رہا تھا، زید نے

---

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد". (مشكاة المصابيح، كتاب الديات، باب مالايضمن من الجنايات: ۳۰۶/۲، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب الديات، باب ماجاء من قتل دون ماله ...... الخ: ۲۶۱/۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الحدود، باب من قتل دون ماله: ۱۸۵/۲، قديمي)

(۲) "عن جبير بن مطعم، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية، وليس منا من مات على عصبية". (سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في العصبية: ۳۵۱/۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في فيض القدير: ۵۲۳/۱، رقم الحديث: ۷۶۸۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المفاخرة والعصبية: ۴۱۸/۲، قديمي)

موصوفہ عامرہ کی جائیداد کو لوگوں کے غاصبانہ قبضہ سے واگذار کرایا، چالتی اور مقدمات میں پیروی کی اور واگذاری جائیداد کے بعد موصوفہ عامرہ کی مرضی سے اس واگذار شدہ جائیداد کو چالیس ہزار روپے میں فروخت کرا کر موصوفہ کو قیمت دلوادی اور موصوفہ سے اپنا معاوضہ خدمت وفروختگی جائیداد وغیرہ کا مطالبہ کیا، تو موصوفہ کہتی ہے کہ آپ سے کوئی معاوضہ طے نہیں ہوا ہے، اس لئے آپ کسی معاوضہ کے حق دار نہیں ہیں، کیا زید معاوضہ معروف پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید یہ کام معاوضہ پر کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے یہ کام معاوضہ پر لیتے ہیں، تو خاتون مذکورہ کے ذمہ بھی اس کا معاوضہ (اجر مثل) لازم ہوگا (۱)، جیسے: کوئی وکیل پیشہ وکالت کرتا ہے اور محنتانہ لیتا ہے، اگر اس کے پاس کوئی شخص پیروی کے لئے مقدمہ لے جائے اور معاوضہ طے نہ کرے، تب بھی وکیل معاوضہ کا مستحق ہے۔ جیسے ایک شخص درزی کے پاس جا کر کپڑا سلوائے اور درزی معاوضہ پر ہی کپڑا سیتا ہے تو وہ معاوضہ کا مستحق ہوگا، اگر زید یہ کام معاوضہ پر نہیں کرتا اور تعلق رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر اس سے مسماۃ نے یہ کام لیا ہے، تو وہ مستحق معاوضہ نہیں (۲)۔ جیسے: کسی شخص کے پاس کپڑا سینے کی مشین ہو اور وہ اپنے کپڑے اس سے سیتا ہو، اجرت پر لوگوں کے کپڑے نہ سیتا ہو، کسی رشتہ دار نے اس کے پاس کپڑا بھیج کر سلوالیا تو وہ مستحق معاوضہ نہیں، تاہم جب زید کی نیت

---

(۱) "وتفسد بعدم التسمية أصلاً أو بتسمية خمر أو خنزير فإن قدت بالأخيرين وجب أجر المثل". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۳۸، سعيد)

"الفساد قد يكون لجهالة البدل أو المبدل ... قد يكون لجهالة قدر العمل فالفاسد يجب فيه أجر المثل لايزاد على المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "سئلت عن أحد الشريكين في دار إذا أعمر الدار المشتركة بماله من غير إذن شريكه ولا إذن القاضي فهل يكون متطوعاً فلا رجوع له على الشريك؟ فالجواب: نعم! يكون متطوعاً فلا رجوع له". (الفتاوى الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۳، حقانيه)

"لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، قاعدة: ۲۵۱، ص: ۱۰۹، الصدف پبلشرز)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الشركة: ۲/۱۰۰، حقانيه پشاور)

پہلے سے معاوضہ لینے کی تھی تو اس کو معاملہ صاف کرکے کہہ دینا چاہئے تھا، اب اگر مسماۃ اس کے احسان کے عوض خود بھی اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، تو یہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۹ھ۔

ملازم کے لئے پنشن کا حکم

سوال[۱۰۹۵۸]: ۱...... پنشن ریٹائر ہونے کے بعد گورنمنٹ سے ملتی ہے، وہ ملازم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس کا کھانا کیسا ہے؟

۲...... جو پنشن دینی اداروں میں ملازموں کو دی جاتی ہے، تو کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ پنشن درست ہے، اس کا کھانا بھی درست ہے(۲)۔

۲...... یہ پنشن بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ الرحمن: ۶۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ يأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ۹۰)

"عن قتادة رضي اللہ تعالیٰ عنه: "﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال: عملوا خيراً، جوزوا خيراً". (تفسير الطبري، الرحمن: ۶۰: ۲۷/۹۰، دار المعرفة بيروت)

(۲) پنشن حکومت کی طرف سے ہدیہ اور انعام ہے اس کا لینا اور کھانا درست ہے۔

"هي لغةً: التفضل على الغير ولو غير مال، وشرعاً: تمليك العين مجاناً أي: بلاعوض ـــــ وسببها: إرادة الخير للواهب ـــــ وهي مندوبة وقبولها سنة، قال صلى اللہ تعالیٰ عليه وسلم: تهادوا تحابوا". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"الهبة عقد مشروع لقوله عليه السلام تهادوا تحابوا، وعلى ذلك انعقد الإجماع". (الهداية، كتاب الهبة: ۳/۲۸۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۲۸۳، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

کرایہ داری کو منتقل کرنا

سوال[۱۰۹۵۹]: جامع مسجد کھتولی کی ایک دوکان کا کرایہ دار عرصہ دراز سے چلا آتا تھا، آٹھ سال قبل اپنے بھائی محمد اسلم اور ایک دیگر شخص محمد الیاس کو کاروبار مشترکہ کرنے کی غرض سے مکان مذکور دے دیا تھا اور کرایہ دار نے بعد تک جاری رکھا، لیکن کرایہ محمد اسلم، محمد الیاس کی کاروباری مشترکہ ہونے کی وجہ سے مشترکہ کاروبار سے ادا کیا جاتا رہا، اب سے تقریباً ایک سال قبل زید نے اس مسجد کی دکان جس کا وہ کرایہ لیتا تھا، مجلس منتظمہ کا ممبر بننے کے لئے بمقتضائے قانون دکان مذکورہ کی کرایہ داری سے استعفاء دے کر دکان مذکور کی کرایہ داری مجلس منتظمہ کے علم میں لائے بغیر اپنے بھائی محمد اسلم کے نام کردی اور کرایہ کی رسید اپنے بھائی کے نام کرادی۔

جس وقت یہ رسید محمد اسلم کے نام کی گئی، اس وقت دونوں فریق کی طرف سے دکان مذکور میں مشترکہ کاروبار تھا، محمد الیاس کے علم میں جب یہ واقعہ آیا تو اس نے اعتراض کیا اور کرایہ داری میں شرکت کا مطالبہ کیا اور دکان مذکور کی کرایہ داری کی رسید میں اپنا نام شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس دکان مذکور میں محمد الیاس ومحمد اسلم کا گزشتہ چند ماہ نقصان ہوگیا، جس کی بناء پر محمد اسلم اپنے شریک محمد الیاس کو کاروبار سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، محمد اسلم کا کہنا ہے کہ میں دکان کا کرایہ دار جائز طور پر ہوں اور کاروبار محمد اسلم ومحمد الیاس کے مشترکہ سرمایہ سے جاری تھا اور طے پایا تھا کہ دونوں فریق دکان کاروبار میں نفع ونقصان کا برابری کا ذمہ دار ہوں گے۔

لہٰذا دریافت طلب یہ ہے:

۱..... کہ زید کا کرایہ داری دکان مذکور سے بالا طور پر مستعفی ہونے کے بعد کرایہ داری لے کر فریق محمد اسلم کا نام کرانا درست ہے کہ نہیں؟

۲..... یہ کہ محمد الیاس کا یہ مطالبہ کہ محمد زید کے مستعفی ہونے پر محمد اسلم کے ہمراہ دکان کا کرایہ داری میں شرکت کا مستحق ہوں، جب کہ برابر گزشتہ آٹھ برس سے کاروبار میں بھی برابر کا ذمہ دار رہا ہوں، درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... جب کہ محمد زید نے وہ دکان محمد اسلم ومحمد الیاس دونوں کو مشترکہ کاروبار کے لئے کرایہ پر دی اور

دونوں سے معاملہ کیا، تو دونوں ہی کرایہ دار ہوں گے(۱)، وگر چہ ضابطہ اور تحریر میں اولاً صرف زید کرایہ دار تھا، اور پھر کرایہ داری سے دست بردار ہوگیا، ایسی حالت میں اس کے ذمہ لازم تھا کہ مجلس منتظمہ کو مطلع کردیتا کہ اب میں کرایہ دار نہیں، میں نے کرایہ دار اب ان دونوں کو تجویز کردیا ہے، مجلس ان دونوں سے کرایہ وصول کرے اور دونوں مجلس کو کرایہ ادا کریں، مگر معاملہ صاف صاف طے کرنے کے باوجود اس نے کرایہ داری میں صرف محمد اسلم کا نام لکھوایا، حالانکہ دکان اور کاروبار میں محمد اسلم و محمد ایاس دونوں شریک ہیں، یہ طریقہ نادرست ہوا(۲)۔

۲... معاہدہ کی رو سے اس کا یہ مطالبہ درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/ ۸۷ھ۔

کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کو توسیع وتعمیر کا حق نہیں

سوال[۱۰۹۹۰]: ایک شخص غلام محمد کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، انہوں نے اس میں دو کمرے بنوا کر ۵۰۰۰/ روپیہ ایڈوانس لے کر ہدایت کو ۱۱۰/ ماہوار دیا، اس طرح کرنے پر میونسپل بورڈ کا ٹیکس بڑھ گیا اور مالک مکان نے مکان خالی کرانے کے لئے عدالت کا سہارا لیا، اور جھگڑا بڑھ گیا، غلام محمد کے بہنوئی نے مالک

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالى: وللمستأجر أن يؤاجر البيت المستأجر من غيره". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۹/۲۵، مكتبه غفاريه كوئته)

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يجوز: ۶/۲۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۸/۴۳، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش: ۲/۵۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

مکان سے ۱۲۰۰/ روپیہ دے کر فیصلہ کرلیا اور رسید اپنے نام لکھالی اور خود بھی اپنی بیوی بچوں کو لے کر اس مکان میں آکر رہنے لگا۔ اب آپ سے یہ دریافت کرتا ہے:

۱... چونکہ مکان میں غلام محمد اور اس کی بہن دونوں حصہ دار ہوگئے، اس لئے کرایہ کی آمدنی کس طرح تقسیم کی جائے؟

۲... کرایہ کیران جو ۲۰۰/ روپیہ ماہوار ملتا ہے، وہ صرف بہنوئی کا ہے یا غلام محمد بھی اس میں شریک ہوسکتا ہے۔

۳... بہنوئی نے جو رقم ۱۲۰۰/ روپیہ دی، اس کا فی الحال کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکم شرعی یہ ہے کہ جتنی مدت کے لئے مکان کرایہ پر لیا گیا ہے، مدت پوری ہونے پر مالک مکان خالی کرانا چاہے تو خالی کردیا جائے، مالک کی اجازت ورضامندی کے بغیر کرایہ دار کا اس پر قبضہ رکھنا اور خالی نہ کرنا جائز نہیں، نیز اس کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنانا اور دوسروں کو کرایہ پر دینے کا حق نہیں (۱)، غلام محمد نے اگر مالک کی اجازت کے بغیر دو کیرج ہو کر ڈپوزٹ لے کر ان کو کرایہ پر دے دیا تو اس نے یہ غلط طریقہ اختیار کیا، اس کے بعد بھی اگر مالک خالی کرانا چاہے تو اس کو حق ہے خالی کرالے (۲)۔

---

(۱) "يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة، ليس للمستأجر استعمال المأجور بعد انقضاء مدة الإجارة إلا بإذن صاحبه، فلو استعمله بدون إذنه كان غاصباً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث: ۱/۳۱۱، رقم المادة: ۵۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۶/۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "آجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۴۵، سعيد)

"وإذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه —"

اور دو گیرجوں کا جو کچھ سامان اینٹ وغیرہ خواہ اس کی قیمت غلام محمد کو دے دے (تعمیر شدہ کی نہیں صرف ملبے کی)، خواہ غلام محمد اس تعمیر کا اپنا ملبہ خود لے لے(۱)۔ جس شخص نے مکان کرائے پر لیا خود بھی کرایہ دار ہے، دوسرے کو اس سے انتفاع کا حق نہیں، اگر غلام محمد نے بہنوں یا بہنوئی کو اس مکان میں رہنے کے لئے جگہ دے دی تو وہ روک سکتے ہیں، دو گیرج جو کرایہ پر دیئے ہیں، ان کا دینا اور ان کا بنانا مالک مکان کی اجازت کے بغیر درست نہیں، پھر مالک جو معاملہ ان کے متعلق غلام محمد سے یا اس کے بہنوں یا بہنوئی سے کرلے، تو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ۔

بس میں سامان کا کرایہ

سوال[۱۰۹۶۱]: ایک سفر میں پنچایت والے ڈرائیور صاحب اپنی بس میں بٹھا کر لائے مگر وہ سامان وغیرہ کو بغیر ٹکٹ مفت لانا چاہتے تھے تو احقر نے درمیان میں اس مسئلہ کی طرف توجہ دلایا تو مان لئے اور ٹکٹ کاٹا گیا، مگر اس میں چار صندوق اور پلنگ کا ٹکٹ بھول سے رہ گیا، تو اب ان چار صندوق اور پلنگ کا کرایہ جو

= تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۱۹/۸، رشيديه)

"يلزم المستاجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ـــــ لو انقضت الإجارة، وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۱۶/۱-۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۱، ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "لو أحدث المستاجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة فالأجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء والشجرة، وإن شاء أبقى ذلک، وأعطى قيمته كثيرة كانت أو قليلة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹۰/۱، رقم المادة: ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن مضت المدة قلعهما وسلمهما فارغة أي: إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس ـــــ إلا أن يغرم له المؤجر قيمة البناء والغرس مقلوعاً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۹۶/۶، ۹۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۲۲/۳، ۵۲۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بھی ہو رہا ہے، اب اس کو مجھے ڈرائیور صاحب جو مجھے لا رہے تھے، دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا دینا بھی ضروری ہے، جس کا سامان ہے، اس کے ذمہ ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکان کو جزء تنخواہ تجویز کرنا

سوال[۱۰۹۲۲]: رہنے کے مکان کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اگر کسی شخص سے یہ طے ہو کہ تم کو ہم تنخواہ کے ساتھ مکان دیں گے، تو اس مکان میں ضروری چیزیں مثلاً: پاخانہ، حمام یا کنواں ہونا چاہیے یا نہیں؟ نیز بلانے والے مکان تو جس میں کنواں ہو دے رہے ہیں، لیکن اس میں پردہ کی دیواریں ٹھیک نہیں، تو کیا جس میں موٹی موٹی ضروریات کے سلسلے میں تکلیف ہو تو کیا ذمہ داروں کا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مدار بلانے کی اور جس کو بلایا گیا ہے، اس کی ہر دو حیثیت پر ہے، سب کے لئے یکساں حکم نہیں(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) "قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم".

(أنزلوا الناس منازلهم) أي: احفظوا حرمة كل أحد على قدره وعاملوه بما يلائم حاله في دين =

کرایہ کے مکان کا ایندھن کس کا ہے؟

سوال[۱۰۹۰۳]: بموجب حکم سرکاری کرایہ داران مکانات کو دکانوں کے تختے جو لگوانا پڑے، ایندھن ان کا مالکان کی ملک ہے، احقر کی دکان کے مالک لکھنؤ میں رہتے ہیں، کارندہ یہاں رہتا ہے، جو کرایہ وغیرہ وصول کرتا ہے، ایندھن کا مطالبہ مالک کی طرف سے تو ہے نہیں، اگر کارندہ کو دیا جائے تو غالباً اس کے کام آئے گا تاہم اپنی برأت کے لئے کارندہ ہی سے معاملہ کیا جائے تو تین صورتیں ہیں:

۱- ایندھن کارندہ کو دے دیا جائے۔

۲- کارندہ سے اس کو خرید لیا جائے بازاری نرخ سے۔

۳- کارندہ ویسے ہی ہمیں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کارندہ کو اگر اصل مالک کی طرف سے تینوں باتوں کا اختیار ہے تو تینوں درست ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وعلم وشرف، فلا تسوّ بين الخادم والمخدوم والرئيس والمرؤوس، فإنه يورث عداوة وحقداً في النفوس ... وقد عد العسكري هذا الحديث من الأمثال والحكم، وقال: هذا مما أدب به المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم أمته من إيفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء والأولياء وإكرام ذي الشيبة وإجلال الكبير وما أشبهه". (فيض القدير: ۵/۳۳۴۴، رقم الحديث: ۲۶۳۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولما ذكر عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة صحيح مسلم: ۱/۳، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۳۳۴، رقم الحديث: ۴۸۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "الوكيل يتصرف بتفويض الموكل، فيملك قدر ما فوض إليه". (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة ۵/۲۴، رشيديه)

قصاب کا پیشہ

سوال [۱۰۹۶۳]: ۱...... ایک مسلمان قصاب کا پیشہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی جس جگہ گائے کی اجازت ہے، وہاں گائے کا گوشت بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... شرعی اعتبار سے اگر کوئی مسلمان متواتر چالیس دن گائے کا گوشت کھائے تو کیا دل سیاہ ہو جاتا ہے؟

۳...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اپنی عزت کی محافظت بھی لازم ہے، اگرچہ قصاب کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے، مگر قانون کی خلاف ورزی کرنا خطرہ مول لینا ہے (۱)۔

۲...... یہ بے اصل اور غلط ہے (۲)۔

۳...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی، دار العلوم دیوبند۔

= "الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۷/۲۹۷، رشيديه)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ جواب ہندوستان سے متعلق ہے، جہاں پر قانوناً اس کی اجازت نہیں، البتہ جن جگہوں پر قانوناً اس کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اپنی عزت کی محافظت کا کوئی مسئلہ ہو ایسی جگہوں پر یہ پیشہ اختیار کرنا بالکل جائز ہے۔

(۲) "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: أتي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بلحم فرفع إليه الذراع، وكانت تعجبه، فنهس منها". رواه الترمذي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الثاني: ۲/۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"حدثنا محمد بن بشار قال نا أبو داود بهذا الإسناد قال: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يعجبه الذراع". (سنن أبي داود، كتاب الأطعمة، باب في أكل اللحم: ۲/۱۷۳، رحمانيه)

انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس لکھنے کی ملازمت

سوال [۱۰۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں؟

کھاتے کا کام جس میں سیل ٹیکس انکم ٹیکس لکھا جاتا ہے اور گورنمنٹ کو دکھانے کے لئے الٹا سیدھا بنا کر برائے نام انکم و سیل دکھا کر ٹیکس چوری کی جاتی ہے۔

۱... سوال یہ ہے کہ یہ کام کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

۲... یہ کھاتے کا کام کرکے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳... گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر انکم ٹیکس بچانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳... کھاتے میں جتنا کام صحیح ہو، وہ کام جائز ہوا، اس وجہ سے پورے کام کو اور اس کی اجرت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ جائز کام کی اجرت جائز اور ناجائز کام کی اجرت ناجائز۔ گورنمنٹ کو دھوکہ دینے کے لئے غلط اندراج کرلینا تو آسان ہے، لیکن یہ درحقیقت قانونی چوری ہے، اس کی گرفت بھی کی جاسکتی ہے اور پکڑی جانے پر بطور جرمانہ مالی سزا بھی ہوسکتی ہے، مالک کی عزت بھی ختم ہوسکتی ہے، مال اور عزت کو خطرے میں ڈالنا کوئی دانشمندی نہیں، عزت کا تحفظ لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۲/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه". قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق". (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ما جاء في النهي عن سب الرياح: ۲/ ۵۱، سعيد)

"الواجب على كل من رأى منكراً أن ينكره إذا لم يخف على نفسه عقوبة ... لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء ما لا يطيق". (شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۱۰/ ۵۱، مكتبة الرشد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم﴾، ص: ۵۷۹، دار السلام)

ڈاکٹری اور مدرسی کی کمائی کا حکم

سوال[۱۰۹۲۲]: زید اور عمر دونوں ایک ایسی بستی میں رہتے ہیں، جہاں کچھ دن قبل سود کا نام نہیں تھا، لیکن اب سود کا لین دین عام ہوگیا ہے، زید مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں کہ جس مدرسہ کی آمدنی ان ہی لوگوں سے اور ان کے سودی کاروبار سے ہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور ذریعہ آمدنی مدرسہ کی نہیں ہے اور عمر پوسٹ آفس میں نوکری کے ساتھ حکمت وڈاکٹری بھی کرتا ہے، مگر دونوں دوسرے گاؤں کے رہنے والے ہیں، تو اب ان دونوں میں سے کس کی آمدنی حلال ہے اور کس کی حرام؟ کس کو اس گاؤں میں رہنا چاہئے اور کس کو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص حکیم یا ڈاکٹر ہے اور وہ اپنی دوا کی قیمت سے اپنا گزارہ کرتا ہے، اس کے متعلق تو ہیچ کرید کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی آمدنی کو بلاوجہ شرعی حرام کہنے کا حق نہیں۔ جو شخص مدرسہ سے تنخواہ لیتا ہے اور مدرسہ میں ہر قسم کا چندہ آتا ہے، کچھ جائز ہوتا ہے اور کچھ ناجائز، تو اس کی پوری تنخواہ کو بھی ناجائز کہنے کا حق نہیں، البتہ متعین طور پر جس کے پاس بھی ناجائز آمدنی آئے، خواہ سودکی ہو، کسی اور طرح کی ہو، اس کو ناجائز ہی کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۹ھ۔

ملازمت سے الگ ہونے کے بعد استحقاقِ تنخواہ نہیں

سوال[۱۰۹۲۷]: مسجد میں ۱۹۷۹ء جنوری میں ایک امام مقرر ہوئے، ان کی تنخواہ ماہواری مبلغ آٹھ سو روپے ہے۔ ایک ماہ اس انجمن سے تنخواہ لی، دوسرے مہینے میں امام صاحب نے ایک پارٹی تیار کی اور انجمن اسلامیہ کے خلاف سازش کرنا شروع کیا کہ کل جائیداد وقف بورڈ کے ہاتھ دے دیا جائے، پارٹی زور پکڑنے لگی،

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله وما لا يكره وما يتعلق بالضيافة: ۴۰۰/۳، رشيديه)

پھر بھی صدر صاحب سے بار بار دریافت کیا کہ آپ تنخواہ کیوں نہیں دیتے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تنخواہ مل جاتی ہے ورنہ کسی ضرورت نہیں۔ بعد میں انجمن اسلامیہ کو قبل ایک ماہ درخواست دیا کہ ہماری تنخواہ دو۔ بعد میں صدر صاحب سے ایک ماہ کے بعد تنخواہ انہیں لی ورنہ نہیں۔

دریافت کرنے پر پتہ لگا کہ لوگوں سے پوچھتے ہیں، انجمن اسلامیہ کی جانب سے ایک اطلاع دی گئی کہ آپ کو امامت سے بند کر دیا گیا، پھر بھی امام صاحب اپنی پارٹی کے لوگوں کے سہارے اب تک ہیں۔ اور ایک ماہ قبل انجمن اسلامیہ کو درخواست دی ہے کہ ہماری تنخواہ دو، اس حالت میں کیا انجمن اسلامیہ ان کو دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سے انجمن اسلامیہ نے ان کو امامت سے الگ کر دیا اور اطلاع دے دی، وہ تنخواہ پانے کے حق دار نہیں رہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۰۱ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) "والثاني وهو الأجير الخاص، ويسمى أجير وحد، وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/۵۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون، الخ: ۴/۵۰۰، رشيدية)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

پگڑی

سوال[۱۰۹۶۸]: ۱..... بمبئی میں عام طور سے لوگ دوسروں کی بلڈنگوں میں کرایہ پر رہتے ہیں، جن کو مالک مکان بھی قانوناً نکال نہیں سکتا ہے، اسے صرف کرایہ وصول کرنے کا حق ہے اور بوقت ضرورت کرایہ دار اپنے ان مکانوں کو جو ان کی ملکیت نہیں، آپس میں بڑی بڑی رقم پر خرید وفروخت کرتے ہیں، یہاں اس رقم کو "پگڑی" کہتے ہیں، اس معاملہ میں اصل مالک کو دخل نہیں ہوتا، حالانکہ اس طرح کا معاملہ قانوناً بھی جرم ہے، مگر اس کے باوجود اس کا عام رواج ہے اور سب جانتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے لئے مستقل دلال ہوتے ہیں، جو درمیان میں پڑ کر معاملہ طے کراتے ہیں، چونکہ بمبئی میں مکانات کی سخت قلت ہے، اگر ایسا نہ ہو تو یہاں کسی کو مکان نہیں مل سکتا۔

موجودہ حالات میں پگڑی کی رقم بھاری مقدار میں پہونچ گئی ہے، اگر کسی وجہ سے کسی کو مکان تبدیل کرنا ہے تو اس صورت حال کے بغیر چارہ نہیں ہے، اب اسے عموم بلویٰ کہا جائے یا عرف عام؟ بہر حال یہاں اس کے بغیر مفر نہیں ہے، شرعاً کرایہ داروں کا یہ معاملہ بیع وشراء صحیح ہے یا نہیں؟

پگڑی میں مالک کا حصہ

سوال[۱۰۹۶۹]: ۲..... اس طرح معاملہ ہو جانے کے بعد بائع ومشتری دونوں مالک مکان کے پاس جاتے ہیں اور طے شدہ رقم کا ایک حصہ مثلاً: چوتھائی اسے دیتے ہیں، اس کے بعد وہ مکان کے کرایہ کا بل (رسید) نئے کرایہ دار کے نام کر دیتا ہے، تاکہ اس کی طرف سے اور قانون کی طرف سے نئے کرایہ دار کو حق رہائش حاصل ہو جائے، مالک مکان کرایہ تو وصول کرتا ہی ہے، اس کے علاوہ اس صورت میں مزید رقم وصول کرتا

ہے، عام طور سے یہ رقم پرانے کرایہ دار نئے کرایہ دار یا مشتری سے یوں وصول کرتا ہے کہ اگر پندرہ ہزار میں معاملہ ہوا ہے تو اس سے مالک مکان کے حصہ کا مزید پانچ ہزار روپے وصول کر کے اسے دیتا ہے، مالک مکان کو یہ رقم لینی جائز ہے یا نہیں؟

اگر مالک مکان نہ لینا چاہے تو کس کو یہ رقم لوٹائے

سوال [۱۰۹۰۷] : ۳ بسا اوقات ایک بلڈنگ کے کئی مشترک مالک ہوتے ہیں جن میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی ہو سکتے ہیں، اگر ایک مالک یہ رقم نہ لینا چاہے اور دوسرے مالک لینا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں اختلاف ہوتا ہے اور معاملہ خراب ہوتا ہے، ایسی صورت میں نہ لینے والا مالک اگر یہ رقم لے لے تو اسے خود استعمال کر سکتا ہے یا مکان کی مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہونے کی صورت میں اسے اپنے طور سے واپس کرنا چاہے تو کس کو دے؟ پرانے کرایہ دار کو یا نئے کرایہ دار کو یا پھر فقراء ومساکین میں تقسیم کر دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کرایہ دار کو اس کا تو حق ہے کہ جس کرایہ پر اس نے مکان لیا ہے اسی کرایہ پر دوسرے کو وہ مکان دے دے، لیکن جتنا کرایہ اس نے مالک مکان کو دیا ہے اس سے زیادہ کرایہ کسی سے وصول کرنے کا حق نہیں، البتہ اگر مکان میں الماری وغیرہ لگا کر اس کو شاندار بنا دے، تو جس قدر اس نے خرچ کیا ہے اس کا وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها ...... ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً): بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۶/۲۹، سعيد)

"وإذا استأجر داراً وقبضها، ثم آجرها، فإنه يجوز أن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها فهي جائزة أيضاً، ..... إن كان زاد في الدار زيادة كما لو وتد فيها وتداً أو حفر فيها بئراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائطها طابت له الزيادة" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب ■

۲۔ اصل مالک مکان کو حق ہے کہ جس کرایہ پر چاہے مکان دے اور دوسرے کرایہ دار کو دینا چاہے تو اس سے بھی جو معاملہ چاہے طے کرے(۱)، نیز اس کو حق ہے کہ جس قدر چاہے پیشگی طے کرے(۲)، لیکن ایک کرایہ دار کو حق نہیں کہ وہ اس کرایہ سے زیادہ کسی کرایہ دار سے وصول کرے، جو خود ادا کرتا ہے(۳)۔

۳۔ یہ رقم لے کر اس کو واپس کردے جس سے لی ہے(۱)۔

الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴۲۵/۴، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۳۱/۱۵، حبيبيه كوئته)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن التمليك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۲۵/۱، رقم المادة: ۴۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۲۱/۱، حنفيه كوئته)

"اعلم أن الأجرة لا تلزم بالعقد ... بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۰/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۶، رشيديه)

(۳) "لو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۲۹/۶، سعيد)

"فإن آجره بأكثر مما استأجره به من جنس ذلك ولم يزد في الدار شيئاً ... لا تطيب له الزيادة عند علمائنا رحمهم الله تعالى". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴۲۵/۹، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۱۳۱/۱۵، حبيبيه كوئته)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: —

کرایہ دار کا پگڑی دے کر شرائط طے کرنا

سوال [۱۰۹۱۷]: دکان کرایہ پر دینے سے پہلے مالک دکان کو کچھ الگ اس وجہ سے دیئے جائیں کہ اس دوکان کا محل وقوع اچھا ہے، جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، اس کے بعد صاحب دکان کو یہ اختیار نہیں رہے گا کہ جب چاہے وہ اپنی دکان واپس لے لے، بلکہ کرایہ لینے کا اختیار ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ پھر دوسرے کو بھی اس طریقے سے الگ رقم لے کر کرایہ پر دے دے۔ اور اگر کرایہ پر لینے والے کا جی چاہے، تو صاحب دکان کو اس کی دکان واپس کر دے، واپس کرنے سے پہلے تک صاحب دکان کو کرایہ ملتا رہے گا، چاہے وہ دکان دوسرے یا تیسرے کے پاس اسلوب مذکورہ سے منتقل ہو جائے، تفصیلی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً غلط ہے کہ مالک بے اختیار ہو جائے اور کرایہ دار کے تصرفات ہی ہمیشہ نافذ ہوتے رہیں، پگڑی دینا اور یہ شرط کر لینا کہ کرایہ دار خالی نہیں کرائے گا، بلکہ جس کو دل چاہے گا، اس کو کرایہ پر دے دے گا اور جو کرایہ چاہے گا وہ اس سے وصول کرے گا، مقتضائے عقد کے خلاف ہے، جو کہ مفسد ملک ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۱) "تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۶/۶، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بشرط) ـــ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹۲/۹، رشيديه)

زمین کرایہ پر لے کر دوسرے کو اس سے زائد کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۰۰۱]: درگاہ مسجد کمپاؤنڈ میں کچھ مکانات ہیں، جو وقف ہیں، مکانات معمولی قسم کے ہیں، ان مکانات میں سے ایک مکان کرایہ دار نے اپنے مکان کی مرمت ودرستگی پر کچھ صرفہ کیا، مثلاً: چار دیا پانچ سو روپیہ، حال ہی میں اس نے اپنا یہ مکان دوسرے آدمی کو جو اس مکان کو لینے کے لئے مجبور تھا، تین ہزار پانچ سو کی رقم لے کر دے دیا، اس کو پگڑی کا معاوضہ سمجھئے، یہ وقف کے کارکن کی مرضی کے خلاف ہوا، اب سوال یہ ہے کہ یہ مکان جماعت اور کارکنوں کو واپس کرنا چاہئے تھا اور جو رقم مرمت وغیرہ پر صرف ہوئی، وہ ذمہ داران سے لینا چاہئے تھا۔

پانچ سو یا چھ سو روپیہ کی رقم کرایہ دار کو ملتی ہے، اب جو معاملہ کیا گیا اس میں سو روپے سے تین ہزار روپے کی رقم خرچ ہوئی اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو صرفہ سے زائد ملی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟

۱- مکان وقف کی ملکیت ہے۔

۲- معاملہ کرنے والا کرایہ دار ہے۔

۳- جو جماعت وقف کا انتظام کرتی ہے، اس کی اجازت کے بغیر معاملہ ہوا ہے۔

۴- جو معاملہ کیا گیا ہے، اس میں جبر کا بھی ایک پہلو ہے، وہ یہ کہ جس شخص نے یہ مکان لیا ہے، وہ اپنے ہونے کے لئے اس کا لینا ضروری جانتا تھا، اس مجبوری میں اس نے یہ رقم زائد دی ہے، ورنہ اس رقم کا ملنا مشکل نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مکان کی مرمت میں صرف کی ہے اتنی رقم لینا درست ہے، اس سے زائد کو صدقہ کردے۔

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها، ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً

اهـ" درمختار۔

قوله: إذا أصلح فيها شيئاً بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على

اصلاح" کما فی المبسوط" اھ(۱)۔ شامی: ۶/۱۱، نعمانیہ

جماعت منتظمہ وقف کی اجازت کے بغیر اس کو کرایہ پر دینا درست ہے(۲)، مگر وقف کی جائیداد کو زیادہ طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینے کی کتب فقہ میں اجازت نہیں دی گئی؛ کیونکہ اس میں اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۷ھ۔

پیداوار میں سے مخصوص مقدار کی شرط پر زمین کاشت کے لئے دینا

سوال [۱۰۶۷۳]: ہمارے یہاں زمین ٹھیکہ پر دی جاتی ہے یعنی کاشتکار سے اقرار نامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرار نامہ حسب ذیل میں درج کی گئی صورتوں میں ہوتی ہیں:

"اتنے روپیہ لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، فصل سے پہلے ہی یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی اس میں سے معینہ مقدار مثلاً دس من غلہ زمیندار کو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب ہو، دونوں صورتوں میں مقررہ مقدار

(۱) (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۶/۲۹، سعيد)

"وله أن يسكنها من أحب، فإن آجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۱۵/۱۳۸، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، باب إجارة المستأجر: ۹/۳۰۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) راجع رقم الحاشية:

(۳) "(ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين) في الضياع". (الدر المختار) "(قوله: في الأوقاف) وكذا أرض اليتيم، وأفتى به صاحب البحر، وأكثر كلامهم على أنه المختار المفتى به لوجود العلة فيهما، وهي صونهما عن دعوى الملكية بطول المدة بل هما أولى". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۹، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: (ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين) يعني لا يزاد على هذه المدة خوفاً من دعوى المستأجر أنها ملكه إذا تطاولت المدة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۸۹، ۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)

زمیندار کو دینا ہے"۔

کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں ہے، ہاں! اگر اس طرح معاملہ کرلیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے، کاشت کرو، ہم کو اس کی معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دے دو، تو جائز ہے، خواہ غلہ کہیں سے لاؤ، یہ قید نہ ہو کہ اسی زمین کی پیداوار سے غلہ دیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، ۲۷/۱۱/۹۰ھ۔

وکیل کا خرید میں نفع لینا

سوال [۱۰۹۷۲]: میری والدہ کی بیوہ بہن نے کراچی سے روپیہ روانہ کئے، یہاں سے جڑاؤ زیور خرید کر روانہ کرنے میں مختلف جگہ سے ایک ایک چیز خرید کر اس پر اپنا نفع رکھ کر ان کو روانہ کئے ہوں تو کیا یہ نفع لینا جائز ہے؟ وہ عورت تو بیوہ ہے، لیکن ان کا لڑکا اچھا ملازم ہے، سسرال والے بھی مدد کرتے ہیں، میرا روپیہ، وقت خرچ ہوا، محنت کرکے محنت کا نفع لیا جاسکتا ہے، میری کوئی دکان نہیں ہے، دکان سے سامان خرید کر اس پر اپنا نفع رکھتی ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے اس بیوہ کے بھیجے ہوئے روپیہ سے اس کے لئے سامان خریدا، اس پر آپ کو نفع لینا جائز

---

(۱) "(وسئلت) فيمن استاجر أرضا ببضاعه للزراعة بكذا وكذا قفيزاً من الغلة، هل يجوز ذلك؟ "فالجواب" نعم! يجوز إذا كانت الأجرة مشار إليها، أو موصوفة في ذمته، ولا تكون من الغلة التي تخرج من زرع الأرض المستاجرة، كذا في فتاوى قارئ الهداية". (الفتاوى الكاملية، كتاب الإجارة، ص: ۱۹۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان الخ: ۴۴۳/۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۱/۸، رشيديه)

نہیں (۱)؛ البتہ بازار جانے، دکان سے خریدنے میں جو آپ کا وقت خرچ ہوا، حق المحنت کی حیثیت سے آپ ان سے مطالبہ کرسکتی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

کھجور کا رس نکالنے کی اجرت

سوال [۱۰۹۷۷]: ۱۔۔۔ کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ جب کہ معلوم ہے کہ رس تیار ہونے کی حالت میں فروخت ہوگا۔

۲۔ بعض لوگوں نے کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے دے دیا اس شرط پر کہ اس کے بدلے ایک گھڑی رس دے دے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ منع ہے (۳)۔

---

(۱) اس لئے کہ اصل بیوی کی ملکیت ہے، اور غیر کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں۔

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۳۳۳، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني، ۱/ ۲۶۳، رقم المادة: ۴۶۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأجير الخاص من يتقبل العمل من واحد، وإنما يعرف استحقاق الأجر بالعمل على العبارة الأولى بإيقاع العقد على العمل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترك، الفصل الأول: ۴/ ۵۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/ ۶۹، سعيد)

(۳) "(وانظر بأجر معين لتعامل الناس بخلاف بقية الحيوانات لعدم التعارف) (قوله: لتعامل الناس) علة —

۴... صحیح ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۵ھ۔

ڈرائیور کا کسی کی رعایت کرنا

سوال [۱۰۹۷۱]: ۱... احقر ایک موضوع پر بسلسلۂ تفہیم قرآن پاک بلایا گیا ہے، بلانے والے صاحب میں ایک صاحب ان کے ڈرائیور ہیں، حیدرآباد سے احقر مع اہل وعیال وسامان کے آرہا تھا تو اتفاق سے ان کی بس میں سوار ہو گیا، انہوں نے کہا کہ آپ سامان وغیرہ کا ٹکٹ مت کٹوائیں، اس لئے کہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے میرے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں، تو احقر نے یہ مسئلہ بتایا کہ

= للجواز، وهذا استحسان، لأنها ترد على استهلاك العين وهو اللبن ... وفي التاتارخانية: استأجر بقرة ليشرب لبنها، أو كرماً، أو شجراً ليأكل ثمره، أو أرضاً لترعى غنمه القصيل فهو فاسد كله". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۳، سعيد)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فتخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة: ۵/۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا تجوز إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلك لو استأجر بقرة أو شاة ليكون اللبن والولد له". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴/۴۴۳، رشيدية)

(۱) "(وتفسد الإجارة بالشرط) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيدية)

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعيد)

"(وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة) والقياس أن لا يصح؛ لأنه ترد على استهلاك العين وهو اللبن، كاستئجار البقرة أو الشاة بشرب لبنها أو البستان ليأكل ثمره". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

آپ سرکاری ڈرائیور رہوں گے، آپ کی ذات کی حد تک یہ ہوسکتا ہے کہ گورنمنٹ کچھ چارج معاف کردے، لیکن جب آپ کا کوئی عزیز یا بچا تی آدمی سفر کرے تو غالباً شرعی حکم یہی ہے کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ بلاٹکٹ سفر کرائیں، تو انہوں نے مان لیا اور ٹکٹ وغیرہ کٹوائے گئے، مناسب ہوا یا نہیں؟ راہبری چاہتے ہیں۔

۲..... اب بعض منتظمین مدرسہ کو یہ شکایت ہے اور یوں کہتے ہیں کہ جب وہ خود بلاٹکٹ سامان وغیرہ لانے کو تیار تھے، تو آپ کو کیا ضرورت تھی ٹکٹ کٹوانے کی، وہ خود ذمہ دار تھے، بیچارے ڈرائیور صاحب صرف یہ خیال کر رہے ہیں کہ چونکہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے مجھے جب کسی نوع سے کسی کی اعانت وغیرہ کرنی ہو تو مجھے حق ہونا چاہیے، کیا ان کے خیال کے لحاظ سے جب یہ چاہیں اپنے عزیز اہل وعیال، اپنے بچوں کے استاد وغیرہ کو بلاٹکٹ سفر کرانے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

۳..... لاعلمی سے یا کسی دنیاوی قانون پر قیاس کر کے کوئی شخص غلط کام کرتا ہو تو جس کو مسئلہ معلوم ہو، غلط کام سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر مجاز نہیں تو جب جو شخص سفر کر رہا ہو تو خاموشی پر بے عملی کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

۴..... زید جس کے ڈرائیور یا اور کوئی ملازم ہیں، ان کا وطن بس ڈپو سے تیس بتیس میل یا اس سے کم وبیش پر ہے، جب ان کو وطن آنا ہوتا ہے، تو دوسری بس میں بلاٹکٹ کے آجاتے ہیں، ان کا اس طرح کا سفر شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا(۱)۔

۲..... لاعلمی سے یا علم کے باوجود جو شخص ناحق رعایت کرتا ہو، اس کو مسئلہ بتایا بھی جائے اور ناحق رعایت حاصل کرنے سے بھی احتیاط کی جائے(۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأمر بالمعروف وانه عن المنكر﴾ (لقمان: ۱۷)

"عن طارق بن شهاب قال: قال أبو سعيد: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۲۸۶/۷، دار المعرفة بيروت)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر: ۳۱۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

۳..... آپ پر کوئی بار نہیں۔

۴..... ان دوسرے ڈرائیور کو اگر مالک کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/ ۸۷ھ۔

رکشہ کا کرایہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۰۶۶]: ایک دفعہ سفر میں رکشہ والے سے کرایہ کے سلسلے میں معاملہ نہ ہوا، بلکہ یہ مقامی صاحب سے معمول کے مطابق کرایہ کیا ہے پوچھ کر دیا گیا، رکشہ والے نے لینے سے انکار کیا، بلکہ ڈگنا دینے کو کہا، مگر احقر نے مقامی صاحب کی بات کو صحیح سمجھ کر صرف ایک گنا کرایہ ہی دیا، مگر درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ جو صاحب رکشہ کا کرایہ بتلاتے ہیں ان کے پاس جاؤ، اگر وہ بھی مناسب سمجھیں تو اس کو مزید کرایہ دو، تو وہ صاحب بات کو سمجھے نہیں، بلکہ وہ ایک گنا اور دے دیئے، رکشہ والا ان سے لے کر خاموش بیٹھ گیا، احقر کو معلوم ہوا تو رکشہ والے سے بارہ پیسے کی زائد پیسے اس سے لے لئے، تو کیا مزید کرایہ جو واپس لے لیا گیا، پھر دے دینا چاہیے یا نہ مناسب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اصولی غلطی کی آپ نے کی کہ رکشہ والے سے پہلے پیسے طے نہیں کئے، بلکہ کرایہ مجہول رکھا، جس سے نزاع پیدا ہوا، شریعت کا حکم ہے کہ کرایہ صاف کرلیا جائے، مجہول نہ رکھا جائے(۱)، اگر وہاں کا کرایہ مشہور ومعروف یا میونسپلٹی کی طرف سے مقرر شدہ ہے، جو اس سے وصول کرلیا ہے تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا تھا۔

---

(۱) "وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أما الأول: فكقوله بكذا دراهم أو دنانير، وينصرف إلى غالب نقد البلد". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل الأول: ۹/۸۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۷۷، دار الكتب العلمية بيروت)

جس قدر اس سے وصول کیا ہے، وہ اس کو دوبارہ دے دیا جائے(۱)، اگر کرایہ وہ ہے جو آپ نے تجویز کیا ہے تو جتنی مقدار پہنے وے بچے تھے بس وہی اس کا حق ہے، جتنی مقدار مقرر اس نے وصول کی اور آپ نے اس سے واپس لے لی، وہ اس کا حق نہیں(۲)، لیکن اپنے نفس کی اصلاح کے لئے وہ مقدار بھی اس کو دوبارہ دے دیں، تاکہ آئندہ ہمیشہ معاملہ صاف کرکے رکشہ میں سوار ہوا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکان کرایہ پر دیتے ہوئے شرط فاسد لگانا

سوال[۱۰۹۷۸]: زید نے اپنا مکان اور نقد روپیہ قرض عمر کو اس شرط پر دیا کہ تم اس روپیہ کو اپنی تجارت میں لگاؤ اور مکان کو بطور گودام استعمال کرو، لیکن شرط یہ ہے کہ تم کو ہر وقت بقدر قوت از مقروضہ ضمانت کے طور پر مال گودام میں رہنے دینا ہوگا، ہم تم سے صرف گوداموں کا کرایہ وصول کریں گے، روپیہ کا معاوضہ کچھ بھی نہیں لیں گے، بعد میں تم ہمارا روپیہ طلب کرنے پر صرف ہمارا روپیہ ادا کرنا، کرایہ گودام کے علاوہ ہم اور کوئی معاوضہ لینے کے حق دار نہیں ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا اس میں بھی سود اور عدم جواز کا حکم عائد ہوتا ہے۔

---

(۱) "لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (الفتاوی العالمکیریة، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۳/۱۹۵، إمدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کرایہ پر دینا مستقل معاملہ ہے اور روپیہ قرض دینا مستقل ہے، جو روپیہ قرض دیا ہے اس کے لئے بطور ضمانت یہ شرط لگائی جائے کہ بقدر قرض مال گودام میں موجود رہنا چاہیے، جیسے رہن کو بطور ضمانت رکھا جاتا ہے کہ اپنا قرض وصول کرنے میں کچھ سہولت رہے، اس صورت میں شرعاً سود نہیں (۱)، اگر مکان کرایہ پر دینے کے لئے اس طرح قرض اور گودام میں مال رکھنے کو شرط قرار دیا جائے تو اجارہ فاسد ہوگا۔

"وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها" الخ. "الدر المختار مع حاشية الشامي نعمانية: ۵/۲۹(۲)".

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱/۹۵ھ۔

شکمی کرایہ دار

سوال [۱۰۶۷۹]: ہمارے یہاں ایک صاحب مقیم ہیں جو کہ تبلیغی جماعت کے رکن بھی ہیں، جامع مسجد کی ایک دکان کئی سال سے کرایہ پر لئے ہیں، بذات خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ شکمی کرایہ دار رکھتے ہیں، دکان کا کرایہ مسجد کی کمیٹی کو صرف آٹھ روپیہ ماہوار دیتے ہیں اور شکمی کرایہ دار سے یہ چودہ

---

(۱) "الرهن هو لغة حبس الشيء، وشرعاً: حبس شيء مالي بحق يمكن استيفاؤه منه كلاً أو بعضاً كالدين". (الدر المختار، كتاب الرهن: ۶/۴۷۷، ۴۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۲۸، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۴/۲۹۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بالشروط) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة" (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۹۲، رشيدية)

روپے وصول کرتے ہیں، اس طرح سات روپے وہ ہر ماہ نفع کماتے ہیں، کیا یہ نفع جائز ہے؟ اور یہ نفع سود کہلائے گا؟ کیا کسی اور ڈھنگ سے شکمی کرایہ دار سے نفع حاصل کرنے کے مستحق ہیں؟ کیا یہ شکمی کرایہ دار مسجد کی کمیٹی سے قانونی طریقے سے دکان اپنے نام الاٹ کرا سکتا ہے اور اپنا کرایہ کمیٹی کو دینا شروع کردے، اس طرح شکمی کرائے دار اصل کرائے دار کے درمیان جو پندرہ روپے ماہوار کرایہ دینے کا معاہدہ ہوا ہے، ایسی صورت میں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلطی پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں، اگرچہ یہ سود بھی نہیں، اگر دکان پر کچھ خرچ مثلاً: اس میں الماری، کیواڑ وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت بڑھایا تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے(۱)، کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرلے اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کردے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

قرض لے کر مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۸۰]: ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تو مجھے پانچ ہزار روپیہ دے دے، جب

---

(۱) "وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها ...... ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۲۹/۶، سعيد)

"وله أن يسكنها من أحب ..... فإن آجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل، إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۱۳/۸، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الإجارات، الفن الثاني: ۳۸۸/۲، ۳۸۹، إدارة القرآن كراچی)

تک تیرا روپیہ ادا نہ کردوں، اس وقت تک تجھ سے مکان کا کرایہ نہیں لوں گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ ہزار روپیہ اس شرط پر قرض لینا کہ واپسی تک دکان یا مکان کے کرایہ نہ لے گا، یہ سود ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

قبرستان کے تاڑ غیر مسلم کو سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا حکم

سوال[۱۰۹۸۱]: ہمارے قریہ میں مسلمانوں کی ایک انجمن ہے، جس کے زیرِ نگرانی قبرستان کی دیکھ بھال بھی ہے، قبرستان میں چند پھل دار اور چند غیر پھل دار درخت بھی ہیں، جن سے ایک خاصی رقم حاصل ہوتی ہے، منجملہ تمام درختوں کے کچھ درخت تاڑ(۲) کے بھی ہیں، ذمہ داران انجمن مذکورہ تاڑ کے درختوں کو پاسی (اہل ہنود کی ایک قوم) کے ہاتھ نیلام کردیتے ہیں، پاسی ان تاڑ کے درختوں سے تاڑی(۳) کشید کرتے ہیں جو بعدِ آفتاب سے دن بھر فروخت ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگ قبرستان میں اور باہر بھی لیتے رہتے ہیں، جو رقم سالانہ ٹھیکہ پر حاصل ہوتی ہے، ارکانِ انجمن اس رقم کو قبرستان کے تعمیری کاموں میں صرف کردیتے ہیں، مندرجہ بالا

---

(۱) "قال علیه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۳۸۷، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جرّ نفعاً فهو ربا". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو ـــ وفي الأشباه: "كل قرض جرّ نفعاً فهو ربا".

(الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: ۵۷۵/۱، دار العلوم كراتشي)

(۲) "تاڑ: کھجور کی قسم کا ایک لمبا درخت، جس سے ایک نشہ آور مشروب تاڑی نکالتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۹۰، فیروز سنز لاہور)

(۳) "تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۹۰، فیروز سنز لاہور)

استفتاء میں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱... ثمار کے درختوں کو یا بستان کو ٹھیکہ پر دینا جب کہ معلوم ہے کہ یہ لوگ محض تاڑی کشید کرنے کے لئے ہی لیتے ہیں، کیا یہ ٹھیکہ کا عمل عندالشرع حرام ہے یا نہیں؟

۲... جو رقم اس ٹھیکہ سے حاصل ہوئی، اس کو تعمیر نیز رفاہِ عام کے کاموں میں یا ایصالِ ثواب کے لئے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... یہ ٹھیکہ کا معاملہ شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ ٹھیکہ یعنی اجارہ نام ہے تملیک منافع بالعوض کا، اور یہاں منافع نہیں، بلکہ وہ لوگ تحصیلِ عین کرتے ہیں(۱) اور یہ بیع بھی نہیں، اس لئے کہ مبیع صورتِ مسئولہ میں نہ متعین ہے، نہ (اس کی) مقدار (معلوم) ہے(۲)۔

۲... یہ رقم سوالِ مذکورہ میں خرچ نہ کی جائے(۳)۔

---

(۱) "حقيقة الإجارة تمليك المنافع بعوض دون تمليك الأعيان، لأن تمليك الأعيان بعوض هو البيع لا غير". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۲۰۵/۹، رشيديه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر؛ لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵۰۸/۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"استأجر بقرة لشرب اللبن أو كرماً أو شجراً ليأكل ثمره فهو فاسد كله". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴۴۲/۴، رشيديه)

(۲) "وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۵۲۹/۴، سعيد)

"ومنها: أن يكون المبيع معلوماً والثمن معلوماً علماً يمنع من المنازعة، فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۴۳/۵، رشيديه)

(۳) "امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً ردته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به".

(رد المحتار، كتاب الإجارة، الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

۳... مسکر (نشہ آور) ہو تو بیچنا بھی ناجائز اور پینا بھی۔ "لقوله عليه السلام كل مسكر حرام"(۱) وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الذي حرم شربها حرم بيعها"(۲)۔

خواہ قبرستان میں ہو یا کسی اور جگہ، قبرستان تو ویسے بھی عبرت کی جگہ ہے، ناؤ ونوش کی جگہ نہیں، وہاں مباح چیزوں کی بھی بیع وشراء وغیرہ سے بچنا چاہیے، اس کو بند کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۱ھ۔

خادمہ کی اجرت میں کھانا کپڑا مقرر کرنا

سوال[۱۰۰۸۲]: ہمارے یہاں ایک مائی کھانا پکاتی ہے، اس سے طے ہے کہ دونوں وقت کا کھانا

= "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

(۱) (مشكاة المصابيح، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، الفصل الثالث: ۲/۱۹۸، رقم الحديث: ۳۶۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الأشربة، باب تحريم كل شراب أسكر، ص: ۶۷۰، رقم الحديث: ۵۶۰۱، دار السلام رياض)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الأشربة، باب كل مسكر حرام، ص: ۴۹۰، رقم الحديث: ۳۳۸۹، دار السلام رياض)

(۲) (صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الخمر: ۲/۲۲، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب البيوع الفاسدة، باب حرمة بيع الخمر: ۱۴/۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"بيع الخمر والميتة ... باطل". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۲/۱۳۳، رشيدية)

"لم يجز بيع الميتة والدم والخنزير والخمر والحر". (البحر الرائق، باب بيع الفاسد: ۶/۱۲۲، رشيدية)

اور ناشتہ اور عید وبقرعید میں ایک ایک جوڑا کپڑا دیں گے، یہ نہیں طے کیا کہ کھانا اور ناشتہ میں کیا دیں گے، گھر کے اندر حسب حیثیت حلوہ، مٹھائیاں وغیرہ بنتی ہیں، ان میں سے بھی ان کو قدرے کھانے کے لئے دیا جاتا ہے، اگر زیادہ دیں تو صدقہ بغرض ثواب اپنے مردوں کو دے سکتے ہیں اور مردوں کو ثواب پہنچ جائے گا؟ یا زکوۃ بقدر صدقہ جوڑا کہ ماما کو دیں، ادا ہو جائے گی، بشرط نیت ادائے زکوۃ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کھانے کپڑے مقررہ کے علاوہ بطور انعام جو کچھ مثلاً: عید بقرعید کے موقع پر دیا جائے، اس کو صدقہ وزکوۃ میں محسوب کیا جا سکتا ہے(۱)۔

تنبیہ: صرف کھانے کپڑے پر ملازمت کا معاملہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "نوى الزكاة بما يدفع لصبيان أقربائه أو لمن يأتيه بالبشارة أو يأتي بالباكورة أجزأه ... وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

"دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه أو إلى مبشر أو مهدي الباكورة جاز". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵٦، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱/۴۳۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة وبطعامها وكسوتها قال رحمه الله تعالى: قوله (بطعامها وكسوتها) هذا عند أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه. وقالا: لا يجوز وهو قول الشافعي، وهو القياس؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرهما للطبخ والخبز". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/۱۲۲، ۱۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ويجوز بطعامها وكسوتها استحساناً عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وقالا: لا يجوز؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرها للخبز والطبخ". (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ۳/۳۰۷، رحمانيه ملتان)

"ولو استأجر عبداً بأجر معلوم كل شهر بطعامه لم يجز؛ لأن طعامه مجهول". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه) =

بکری، گائے وغیرہ کے گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۱۰۹۸۳]: بھینسا یا بکرے سے بھینس یا بکری گابھن کرانا اجرت دے کر حرام ہے، لیکن اگر کوئی چنے دانہ گھاس وغیرہ سے بھینسا یا بکرے وغیرہ کو کھلانے کو دے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت پریشانی یہ ہے کہ عام طریقہ سے گاؤں میں گاؤں والے یعنی پورے گاؤں کی طرف سے جیسا کہ پہلے طریقہ تھا کہ بھینسا چھوڑ رکھا ہے اور وہ پورے گاؤں میں گھاس وغیرہ کھاتا پھر رہا ہے اور تمام ہی گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ تو ختم ہوئی، اب بکرے رکھنے والوں کو یہ پریشانی کہ بکری کو گابھن کہاں کرائیں، بغیر دس پانچ روپے دیئے کام نہیں چلتا، تو اس صورت میں چنے وغیرہ لے سکتے ہیں یا کوئی اور صورت اس کے جواز کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکرے سے کام لیتا ہے تو اس کی اچھی طرح دعوت کردیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

آب پاشی کی اجرت پیداوار سے دینا

سوال[۱۰۹۸۴]: ایک شخص کی مشین ہے، وہ مشین کا مالک دوسروں کی زمین میں کھیتوں میں پانی دیتا ہے اور اس کا معاوضہ چوتھائی حصہ لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۶/۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: أن رجلاً من كلاب سأل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه فقال: يا رسول الله! إنا نطرق الفحل فنكرم، فرخص له في الكرامة". (سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية عسب الفحل: ۲۹۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة العيني في شرح هذا الحديث: "وفيه جواز قبول الكرامة على عسب الفحل، وإن حرم بيعه وإجارته. وقال الرافعي: ويجوز أن يعطي صاحب الأنثى صاحب الفحل شيئاً على سبيل الهدية". (عمدة القاري، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۱۵۰/۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۵۸۰/۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشین کے ذریعہ کھیت میں پانی دینے کا معاملہ اس طرح کرنا کہ اس کے عوض پیداوار کا اتنا حصہ لیا جائے گا، درست نہیں، یہ اجارہ فاسدہ ہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، یہ معلوم نہیں کہ کتنا غلہ پیدا ہوگا۔

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة" (در مختار: ۲۹/۵) الدر المختار مع حاشیۃ الشامی نعمانیہ(۱)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مزدوری کی مزدوری آئندہ کام پر آنے کی شرط پر دینا

سوال[۱۰۹۸۵]: کچھ تاجر لوگ غربا کو مزدوری پر اس شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ موسم میں میرے یہاں ایک روپے مزدوری پر آنا ہوگا، حالانکہ موسم کی آمدنی مزدوری دو روپے یومیہ ہے، تو یہ پیسہ اس طرح دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ غلہ وصول کرنے کی شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ فی من کے پانچ روپے کے حساب سے پانچ من غلہ موسم میں دینا ہوگا، حالانکہ غلہ کے دام اس وقت ۲۰، ۲۵/ روپیہ من تک ہوتا ہے، اس قسم کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعید)

"يفسد الإجارة الشرط" قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "نقلاً عن "المحيط" كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة؛ لأن الجهالة المتمكنة في البدل أو المبدل، تفضي إلى المنازعة، وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۹۳، رشيدية)

اپنے اوپر خدانخواستہ ایسا وقت آجائے تو کیا گزرے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کھجور کے درخت سے شیرہ نکالنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر معاملہ کرنا

سوال[۱۰۴۸۶]: کھجور کے درخت کا ہمارے یہاں اس طریقے پر معاملہ کرتے ہیں کہ اس سے رس نکالتے ہیں، پھر آپس میں روزانہ کے رس کو تقسیم کرتے ہیں، یا ایسے کہ ایک روز تو نکالنے والا خود لیتا ہے اور ایک روز مالک کو رس دیتا ہے۔ اس طریقے پر معاملہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۱ھ۔

شریکِ تجارت کا اجرت کا رہنا

سوال[۱۰۴۸۷]: چار آدمیوں نے مل کر ایک دکان رکھ لی، ان میں ایک دو آدمی اس دکان میں کام کرتے ہیں اور تنخواہ لیتے ہیں، ان لوگوں کو تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

= في الهداية والمرابحة: ۲/۲۶۱، رشيدية)

(ومتن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الناس: ۲/۱۴، سعيد)

(۱) اس لئے کہ اجرت مجہول ہے۔

"وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

"وأما شرط جوازها فثلاثة أشياء: أجر معلوم، وعين معلوم، وبدل معلوم". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۳، رشيدية)

"ومنها أن تكون الأجرة معلومة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ۴/۴۱۱، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دو شریک ہیں تو کارِ شرکت کی اجرت لینا درست نہیں، یہ اجارہ فاسد ہو جائے گا(۱)، البتہ کام کرنے کی وجہ سے اگر نفع میں کچھ زیادہ حصہ ان کے لئے سب شرکاء مل کر تجویز کرلیں تو درست ہے۔

"وتصح شركة العنان مع التفاضل في المال دون الربح وعكسه، ومنه عقيب بيان بشرطها الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملاً"۔ شامی کراچی: ۴/۳۱۲۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مزدور کے ذریعہ جنگلات کی لکڑیاں کٹوا کر لانا

سوال[۱۰۸۸۸]: سرکاری جنگلات سے مزدوروں کو مزدوری دے کر لکڑی کٹوا کر لاتا ہوں اور یہ لکڑی کسی کو فروخت کر رہا ہوں، یہ لکڑی کا کاروبار کس حد تک شرعی لحاظ سے درست ہے؟ اور اس کاروبار میں میں نے کسی قسم کی رشوت وغیرہ سے بے ایمانی نہیں کی ہے، یہ کاروبار کس حد تک صحیح ہے اسلامی اصول کے تحت؟

---

(۱) "لا أجر للشريك في العمل المشترك" (رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب يرجع القياس: ۴/۳۲۶، سعيد)

"لا أجر للشريك بعمله في المشترك كما في الكنز وغيره تحت قوله: ولو استأجر لحمل طعام بينهما فلا أجر له" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۱، امداديه كوئته)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن عشر في الإجارة التي تجري بين الشريكين: ۴/۴۴۷، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة: ۴/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشركة: ۲/۵۵۳، مكتبه غفاريه كوئته)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ مزدور سے اس طرح معاملہ کریں کہ ایک دن میں مثلاً آٹھ گھنٹے تم سے یہ کام لینا ہے اور آٹھ گھنٹے کام کی مزدوری مثلاً: چار روپے دوں گا اور مزدور اس کو منظور کرلے تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے اور وہ لکڑی آپ کی ملک ہوگی، آپ جس طرح چاہیں فروخت کریں(۱)۔ اگر وہاں سے لکڑی کاٹنا خلاف قانون اور جرم ہو تو اس سے پوری احتیاط کی جاوے، مال وعزت کا خطرہ مول لینا دانشمندی کے بھی خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ پر لی ہوئی دکان آگے کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۲۸۹]: زید کے پاس ایک دکان کرایہ پر تھی، اس نے بیس سال قبل حامد کو اپنا تحت کرایہ

---

(۱) "(استأجره ليصيد له أو يحتطب له فإن) وقّت لذلك و(وقّت جاز) ذلك" (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶۲/۶، سعيد)

"رجل استأجر أجيراً ليحتطب له إلى الليل بدرهم جاز.... ويكون الحطب للمستأجر". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۳۲/۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۵۱/۴، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (البقرة: ۱۹۵)

اگر حکومت کا حکم، حکم شرعی کے خلاف نہ ہو اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ نہ ہو تو حکومت کے حکم کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔

"أمر السلطان يعمل إذا وافق الشرع وإلا فلا".

(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته وفي "ط" عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراتشي)

دار بنایا اور مالک دکان کو جو کرایہ پر دیا تھا اس سے کچھ زائد حامد سے بطور کرایہ وصول کرتا تھا، کافی عرصہ کے بعد اس نے حامد سے دکان خالی کرنے کے لئے کہا، چونکہ حامد کا کاروبار اس دکان میں چل رہا تھا، اس لئے اس نے دکان خالی کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کی، چنانچہ زید نے یہ معاملہ اپنی قومی جماعت میں ڈالا، جماعت نے حسب ذیل فیصلہ کیا: حامد اس دکان پر مزید چار سال رہ سکتا ہے، مگر پہلے دو سال ماہانہ ۵۰؍ روپے کرایہ کے بجائے ۷۵؍ روپے اور مزید دو سال ۱۲۵؍ روپے حامد زید کو بطور کرایہ دیتے رہے، اس کے بعد دکان خالی کر کے زید کے حوالے کرے۔

اب چار سال ہو گئے ہیں، مگر حامد اپنا کاروبار بند کر کے دکان زید کے حوالے کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے، یہ دکان اس کی معاش کا ذریعہ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے:

۱- جماعت کا فیصلہ کیا شرعاً جائز ہے؟

۲- کیا حامد پر اس فیصلے کی پابندی ضروری ہے؟

۳- کیا جماعت حامد سے مقررہ کرایہ سے زیادہ دلوا سکتی ہے؟

۴- اس طرح زائد لی ہوئی کرایہ کی رقم کا شرعی کیا حکم ہے؟

۵- حامد جماعت اور زید دونوں کے فیصلے سے الگ کر کے ایک مکان سے معاملہ کا تصفیہ کرائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جتنے کرایہ پر مالک سے دکان لی ہو، اتنے ہی کرایہ پر دوسرے شخص کو کرایہ پر دینے کا حق ہے، اس سے زائد کرایہ لینا درست نہیں (۱)، لہٰذا زید نے جو اپنے ماتحت کرایہ دار حامد سے زائد رقم لی ہے،

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة ... ولو آجرها بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد)

"قال محمد رحمه الله تعالى: وللمستأجر أن يؤاجر البيت المستأجر من غيره ... فإن آجره بأكثر مما استأجره به من جنس ذلك، ولم يزد في الدار شيئاً ... لا تطيب له الزيادة عند علمائنا رحمهم الله تعالى". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۹/۱۰۵، مكتبة غفارية كوئٹه) =

دیے جائیں، اس لئے ان کی واپسی ضروری ہے، نیز جس طرح مالک کو یہ حق ہے کہ زید سے دکان خالی کرائے، اسی طرح زید کو بھی یہ حق ہے کہ معاہدے کے بعد دکان خالی کرالے (۲)، دکان کا معاملہ ایک سال سے زیادہ کرایہ کا طے کیا جائے، اگر سال بھر گزرنے پر فریقین رضامند ہوں تو اسی سابق کرایہ پر یا کم وبیش جدید کرایہ پر معاملہ کرنا درست ہے، اگر مالک رضامند نہ ہو تو کرایہ دار کے ذمہ دکان کو خالی کردینا لازم ہے (۳)۔

یہ ہے شرعی مسئلہ جو کتب فقہ: درمختار (۴)، تنقیح الفتاوی الحامدیہ (۵) میں مذکور ہے، لہذا اگر زید سے کرایہ کا معاملہ ختم کردے اور اطلاع کردے کہ میں آئندہ سے آپ کو کرایہ دار نہیں بناؤں، دکان زید کے حوالہ

= "وإذا استأجر دارا وقبضها ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها، فإن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولى، فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيدية)

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما: ۵/۹۹، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

(۲) "أجر داره كل شهر بكذا، لكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۲۵، سعيد)

"إذا مضت مدة الإجارة فعلى المستأجر قلع البناء والغرس وتسليم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا: ۸/۵، رشيدية)

"يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ... لو انقضت الإجارة وأراد الآجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۰۲، رقم المادة: ۵۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) تخریج حاشیہ نمبر ۲ کے تحت گزر چکی ہے۔

(۴) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا: ۶/۴۴، سعيد)

(۵) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۹، [illegible])

کردے، پھر اصل مالک سے معاملہ کرے، اس کی اجازت ہے، اصل مالک زید سے معاملہ ختم کرکے عمرو کو کرایہ پر دے سکتا ہے(۱)۔

۲..... ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کرکے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۹ھ۔

مچھلی نکلوانے کی اجرت میں مچھلی ہی تجویز کرنا

سوال[۱۰۹۹۰]: ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، وہ اپنی اجرت نکلوائی نصف مچھلی اسی سے لیتا ہے، یہ اجرت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اجرت کس طرح ادا کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، اس کی اجرت میں وہ مچھلی ہی تجویز کرنا نصف یا کم وبیش درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

(۱) "وإن آجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۵۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو استأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه، أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه: ۴/۴۴۴، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۳۴، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا

سوال[۱۰۵۵۱]: اہلِ ہنود کے مندر وگرجا وغیرہ میں معماری کا کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ باطل کے عبادت خانہ جیسے گرجا گھر یا بت کدہ میں تعمیری مزدوری کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "مندر کی تعمیر اجرت پر جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں"۔ (احسن الفتاوی، کتاب الإجارة: ۷/۳۰۹، سعید)

قال الحصكفي رحمه الله تعالی: "جاز تعمیر كنیسة".

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی: "(قوله: وجاز تعمیر كنیسة) قال في الخانیة: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة، ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعید)

"قال في المنح: ولو أن مسلماً آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۱۹۶، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۴، رشيدية)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع اور مشتری، دونوں کی طرف سے دلالی کرنا

سوال [۱۰۹۹۲]: ہمارے ایک دوست کے والد صاحب ہیں، ان کا دھندہ دلالی کا ہے، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو گھر چاہیے یا زمین، تو بیچنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ زمین، یہ گھر کا گاہک لا دو، تو تم کو سو روپے یا ایک اتنے روپے پر دوں گا۔ اور جس کو ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی گھر ہو، تو ڈھونڈو، میں سو روپے پر ایک یا دو سو روپے دوں گا، اس میں گھر ڈھونڈنے میں، دکھانے میں، معاملہ کروانے میں اور اگر سودا ہو جائے تو کورٹ وغیرہ کے رجسٹری کاموں میں کافی وقت لگتا ہے اور محنت اور وقت بھی خراب ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں جو آمدنی ہوئی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اس آمدنی کو ذاتی کام میں کھانے پینے میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس روپے کا کیا کیا جاوے؟ کیونکہ روپیہ ایسا ہی رکھا ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ آمدنی درست ہے(۱)، اس کو اپنے کام میں لانا صحیح ہے، ایسی آمدنی پر حسب قواعد شرعیہ حج بھی فرض

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه......". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ٦/٦٣، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمرة: ١٦/٢٠٨، ٢٠٩، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٤٧، سعيد)

ہوسکتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

ریٹ اور کمیشن میں ایک رقم کی تفصیل اور استحقاق

سوال[۱۰۹۹۳]: ہم لوگوں کا کام کمیشن ایجنسی کا ہے، کارخانہ کا مالک بی، این الیاس کمپنی ہے، ایجنسی کا مطلب ہے کہ جو کمپنی کا ریٹ ہوگا، وہ ریٹ کمپنی کے بیوپاریوں کو دے کر مال لانا ہوتا ہے، اس مال کے اوپر ہم لوگوں کو دس روپیہ فی ٹن علاوہ ریٹ کے کمیشن ملتا ہے، کاروبار ہڈی کا ہے، پورے ہندوستان سے ریگوں میں مال کلکتہ آتا ہے، اب تک تو کمپنی دام طے کرتی تھی، اسی ریٹ میں ہم لوگوں کو مال لا کر دینا ہوتا تھا، اگر کمپنی نے مال میں زیادہ کٹوتی کرلی یا بیوپاریوں کو ریٹ کے علاوہ دوسرے مل کے کمیشن میں کچھ ریٹ سے زیادہ دینا پڑا، تو کمپنی کچھ نہ دیتی تھی، ہمیں اپنے کمیشن سے دینا پڑتا تھا، گویا اپنے کمیشن سے دینا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔

چونکہ ہندوستان میں اب ہڈی کے کافی کارخانے ہوگئے ہیں، اس لئے اس میں کمیشن بہت زیادہ ہوگیا ہے، کمپنی ایک دام مجھے کہتی ہے، کہ اس دام میں مال لاؤ، تو اس وقت تک دوسری کمپنی کا ریٹ زیادہ ہوگیا اور جب ہم نے کمپنی کو اطلاع کی کہ ریٹ زیادہ ہوگیا ہے اور کمپنی نے ریٹ بڑھائے تو اس اطلاع کرنے کے وقفہ میں مال نکل گیا، جس سے دوسرے کارخانہ والے مال زیادہ اٹھانے لگے، تو اس سال کمپنی نے یہ طریقہ اختیار کیا،

= (وکذا في أحسن الفتاوی، کتاب الإجارة، دلال کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعید)

(۱) "(فرض) — (مرة) — (علی مسلم) — (صحیح البدن، (بصیر) — (ذي زاد) يصح به بدنه، فالمعتاد اللحم ونحوه، إذا قدر على خبز وجبن لا يعد قادراً (وراحلة) — (و فضلاً عن (نفقة عياله) — (إلى) حين (عوده) وقيل: بعده بيوم وقيل بشهر —". (الدر المختار، كتاب الحج: ۲/۴۵۵-۴۶۳، سعيد)

"(وأما شرائط وجوبه) فمنها الإسلام — (ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة — وتفسير ملك الزاد والراحلة، أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة —". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۱/۲۱۶، ۲۱۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۳-۵۵۰، رشيدية)

اس نے کہا کہ ہم آپ کے ایمان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بیوپاریوں کو دوسرے کارخانے کے مقابلہ میں آپ جو ریٹ دیں، ہم سے لے لیں، اس لئے کہ ریٹ کے سلسلہ میں مجھے اطلاع کرنے میں اور پھر بیوپاریوں تک اطلاع ہونے کے وقفہ میں مال نکل جاتا ہے، اس لئے کمپنی نے ایسا راستہ اختیار کیا، اس ریٹ کے علاوہ ہمارا جو کمیشن مقرر ہے، وہ ملے گا۔

کمپنی کے سامنے ہم نے یہ عذر پیش کیا کہ جو آپ کٹوتی کرتے ہیں، وہ زیادہ ہوتی ہے اور ہمیں اپنے کمیشن سے دینا ہوتا ہے، لہٰذا اب کٹوتی کا الاونس (۱) دیں، اس لئے کہ دوسرے کارخانہ والے کٹوتی کرتے ہیں، تو کمپنی سے یہ بات طے پائی کہ آپ کٹوتی کے ریٹ میں اندازاً کچھ اضافہ کرکے لے لیا کریں، اس لئے کہ ریٹ میں دیتے وقت کمپنی کو لکھ کر دینا ہوتا ہے اور مال بعد میں ریگن سے کارخانہ میں آتا ہے۔

لہٰذا جب ریگن پہنچتا ہے، تو مجھے کسی ریگن میں کٹوتی کا نہیں دینا پڑتا ہے، کسی ریگن میں کم، کسی میں زیادہ دینا پڑتا ہے، کمپنی نے تو مجھے اندازاً لکھی ریٹ میں زیادہ کٹوتی کا زیادہ رکھ لینے کو اجازت دے دی ہے، اس لئے کمپنی نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اندازاً لکھ دیا کرو، سال تمام پر ہم کچھ نہ دیں گے، اس صورت میں سال تمام پر اگر ہم نے بیوپاروں کو زیادہ دے دیا تو کمپنی سے اور مزید مجھے کچھ نہ ملے گا اور اگر اس رقم سے بھی کٹوتی والی رقم سے جو ریٹ میں کمپنی کو زیادہ لکھ کر دیتے ہیں، بیوپاریوں کو دینے کے بعد سال تمام پر کچھ رقم بچ جائے تو یہ رقم اپنے منافع میں لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس رقم کا حق دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم کمپنی کے علم میں ہے اور اس نے آپ کو رکھنے کی اجازت دے دی ہے، تو آپ کے لئے اس کا رکھنا درست ہے، ورنہ یہ رقم کمپنی کی ہے، اس کو دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۰ھ۔

(۱) "الاونس: بھتا، زائد خرچ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

آڑھت دار کی کٹوتی

سوال[۱۰۹۹۴]: مبارک پور کے آڑھت کے یہاں کوئی باہر کے خریدار آتے ہیں، تو ان کی موجودگی میں بکروں سے ساڑھیاں خریدتے ہیں، آڑھت داروں اور خریداروں کے درمیان ایک مقررہ کمیشن طے رہتا ہے، آڑھت دار جب قیمت پر ساڑھیاں خریدتا ہے، خریدار اسی حساب سے ساڑھیوں کی قیمت آڑھت داروں کو مع کمیشن کے دیتا ہے، مگر خریداروں سے قیمت پانے کے بعد بکروں کو جب وہ قیمت دیتا ہے، تو پوری قیمت نہیں دیتا ہے، بلکہ دو روپیہ سے لے کر پانچ دس روپے تک کم کر دیتا ہے، جس کو کٹوتی کہتا ہے، مگر بکروں (ساڑھیاں بیچنے والوں) کا کہنا ہے کہ اس طرح سے جو رقم کاٹی جاتی ہے، وہ بالکل حرام و ناجائز ہے، آڑھت دار کہتا ہے کہ یہ کٹوتی حرام نہیں، کیونکہ ہمارے یہاں جو شخص بھی ساڑھی فروخت کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ہم کٹوتی کاٹتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا خریداروں سے اصل قیمت پانے کے بعد آڑھت داروں کا کٹوتی کاٹنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر اپنا مال آڑھت دار کے یہاں لاتے ہیں، کہ تم ہمارا مال فروخت کر دو، خریدار آکر آڑھت سے خریدتے ہیں، آڑھت داران سے قیمت لے کر بکروں کو دیتا ہے اور کچھ اپنی دلالی لیتا ہے، اس دلال کا معاملہ بکروں اور آڑھت داریوں کی رضامندی پر موقوف ہے، جو مقدار طے کر لیں، اس مقدار کا لینا درست ہے(۱)،

= "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴/۳۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه....". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد) =

شامی میں اجرت سمسار کو تعامل وتعارف کی بناء پر درست لکھا ہے(۱)، بہر حال اگر یہ اجرت نہیں دینا چاہتے، تو اپنا مال براہِ راست خریداروں کے ہاتھ فروخت کردیں، مگر ظاہر ہے کہ اس میں ان کو دشواری ہے، اس دشواری سے بچنے کے لئے وہ آڑھت دار کے پاس مال لاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۹۹ھ۔

حق الحنت کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۹۵]: زید نے کسی فنڈ میں سے اپنے نام مال منگوایا، مگر کسی مالی مجبوری کی بناء پر وہ اس مال کو چھڑانے سے قاصر ہے، مال کو واپس نہیں لیا جاسکتا، چونکہ یہ تجارتی اور اخلاقی ضابطہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا، اس لئے ایک دوسرے شخص سے مال کو چھڑانے کے لئے کہا، شخص مذکور نے مال چھڑانے کے لئے آڑت (آڑھت)(۲) لینے کی شرط لگادی، مثلاً: پانچ روپیہ سینکڑہ آڑھت یا کمیشن اگر دینا منظور ہو تو یہ آڑھتی یا کمیشن ایجنٹ اپنی نقدی سے مال مذکور کو چھڑالے گا۔

اس صورت میں یہ آڑھت یا کمیشن لینا کیسا ہے؟ اور عمومی طور پر یہ آڑت یا کمیشن کا کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال منگوانے والا اگر کسی مجبوری سے مال نہ چھڑا سکے اور کسی دوسرے شخص کو کہہ دے، وہ چھڑالے اور اس چھڑانے اور لاکر حفاظت سے رکھنے کا معاوضہ مقرر کرلیا جائے، تو درست ہے(۳)، خواہ اس کو آڑھت کہا

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) "آڑھت: ہنر، فن، صناعی، سلیقہ، ڈھب، موسیقی، ڈراما، شاعری، مصوری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹، فیروز سنز لاہور)

(۳) "الوكالة بأجر: تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات، ويجعل لهم عمولة، ولهذا قال له أبناء عمه: "لو بعثنا على هذه الصدقات، =

جائے یا کمیشن مگر یہ حقیقت میں حق المحنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

دلال کے ذریعے کپڑا بیچنا

سوال[۱۰۹۹۶]: زید نے عمر سے کپڑے کا بیس میٹر کا تھان اس شرط پر لیا کہ میں اس میں جتنا فروخت کروں گا، اس کے دام میں تم کو تمہاری خرید سے ایک آنہ فی روپیہ منافع لگا کر تم کو ادا کروں گا اور باقی جو اس تھان میں سے کپڑا بچے گا، واپس کروں گا۔ عمر نے یہ بات منظور کرلی، اب زید نے اس کپڑے کو لے کر اس میں سے پانچ میٹر فروخت کردیا اور وہ کپڑا عمر کا چار روپیہ فی میٹر خرید تھا، تو اس طرح زید، عمر کو پانچ میٹر کے مع منافع کے ۲۵-۲۱ روپے دیئے اور باقی جو کپڑا بچا تھا، وہ دے دیا۔

اب زید عمر کی یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور زید نے وہ کپڑا بکر کو چار روپیہ آٹھ آنہ فی میٹر کے حساب سے فروخت کیا، تو یہ زید و بکر کی بیع بھی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر یہ شکل صحیح نہیں ہے، تو صحت کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ بیع کا نہیں، عمر بائع نہیں، زید مشتری نہیں، بلکہ یہ اجارہ ہے، گویا عمر نے زید کو کہا کہ میرا یہ کپڑا فروخت کردو، زید کپڑا لے کر جاتا ہے اور گاہک تلاش کرکے کپڑا فروخت کرتا ہے، اس کام کی اجرت یہ قرار پائی کہ عمر نے جس قیمت پر خریدا تھا، اس پر ایک آنہ فی روپیہ زائد تو زید لاکر عمر کو دے گا اور اس کے علاوہ جتنی بھی زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا، وہ زیادتی بطور اجرت زید کی سمجھی جائے گی(۱)۔

= فتؤدي اليک ما يؤدي الناس، وتصيب مايصيبه الناس". أي: العمولة؛ ولأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها، بخلاف الشهادة، فإنها فرض يجب الشاهد أداؤها".

(الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع الوكالة: ۴۰۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۶، حقانيه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۴/۳۹۷، رشيديه)

(۱) "الأجير على قسمين: القسم الأول: الأجير الخاص، وهو الذي استوجر على أن يعمل للمستأجر =

اصولاً یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اجرت متعین نہیں، مجہول ہے، جو کہ مفسد اجارہ ہے(۱)، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ردالمحتار'' میں لکھا ہے کہ مجہول ہونے کے باوجود تعامل الناس کی بناء پر اس کی اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

نیلام کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۹۷]: میری لکڑی کی آرٹ کی دکان ہے، جس پر باہر سے لانے والوں کا مال نیلام

= فقط، كالخادم مشاهرة، والقسم الثاني: الأجير المشترك، وهو الذي لم يقيد بشرط عدم العمل لغير المستأجر كالحمال والدلال والخياط ...". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الثاني في الإجارة، الباب الأول في الضوابط العمومية، رقم المادة: ۴۲۲: ۱/ ۲۳۶، ۲۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/ ۶۳-۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/ ۴۷-۵۲، رشيديه)

(۱) "تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة، أو مدة ...". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۶، ۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۷/ ۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۳/ ۴۳۹، رشيديه)

(۲) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه ...". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/ ۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/ ۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۷، سعيد)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الإجارة، دلال كى اجرت جائز ہے: ۷/ ۲۷۳، سعيد)

کرتا ہوں اور جس کا مال نیلام کرتا ہوں، اس سے آڑت، یعنی کمیشن کاٹتا ہوں اور فوراً پیمنٹ کردیتا ہوں اور جس سے مال فروخت کرتا ہوں، اس سے آڑت، یعنی کمیشن لیتا ہوں اور دونوں جانب سے برابر کمیشن لیتا ہوں اور اگر اندر میعاد مال لینے والا رقم واپس کرتا ہے تو اس سے کمیشن نہیں لیتا اور اپنی جانب سے جو کمیشن مال والے سے لیا ہے، اس میں سے ایک پیسہ فی روپیہ واپس کردیتا ہوں، یعنی خریدار کو اتنا دیتا ہوں، یہ سب طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیلام کرنے والے کو کمیشن (اجرت نیلام) لینا درست ہے، مال والے سے بھی خریدار سے بھی (۱)، لیکن سود سے بچنا لازم ہے، لہٰذا اگر کوئی میعاد مقررہ پر رقم نہ دے تو اس سے سود نہ لیا جاوے (۲)، اندر میعاد رقم ادا کرنے

---

(۱) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الإجارة، دلال کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعید)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ (آل عمران: ۱۳۱، ۱۳۲)

"قوله: (لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز ..... وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف ..... والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دار المعرفة بيروت)

کے بعد ایک پیسہ ڈالن کرنا یہ قیمت میں کم کرنا ہے، جس کا مالک کو اختیار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۱۴۰۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کا مکان کو خالی نہ کرنا

سوال[۱۰۹۹۸]: زید نے اپنی دکان پر رشید احمد کو مقرر کیا کہ میری دکان کسی کو کرایہ پر دے دو، طے پایا کہ جب بھی مجھے ضرورت ہوگی، آپ کو خالی کرا کر ہم کو دینی ہوگی، اب مالک کو ضرورت ہے، مگر کرایہ دار خالی نہیں کرتا، اب میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو بیع وشراء کا اختیار ہے(۱)، دکان خالی کرانے کے لئے جو تدبیر مقدمہ وغیرہ کی مناسب ومؤثر ہو، اختیار کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة، وذلك بقلعها في الحال؛ لأنه ليس له غاية تعلم بخلاف ما إذا كانت للزراعة ..... والقياس أن يقلع في الأمور كلها؛ لأن الأرض ملكه فلا تؤجر بغير إذنه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"وإذا انقضت المدة لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة ..... لأنه ليس لهما نهاية معلومة حتى يتركا إليها، وفي تركها على الدوام ضررا لصاحب الأرض". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۲۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يكون خلافاً: ۶/۳۰، سعيد)

باب الاستئجار علی الطاعات

الفصل الأول في الاستجار علی التلاوۃ وإهداء ثوابها للمیت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور معاوضہ بصورتِ دعوت

سوال[۱۰۹۹۱]: مولوی ولایت صاحب مدرسہ کے معلم ہیں، مدرسہ سے ان کو ۴۰/ روپیہ اور کھانا ماہانہ وظیفہ ملتا ہے۔ بستی میں عثمان کے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے مدرسہ کے طلباء سے قرآن خوانی کرائی اور تمام طلباء کو مدرسین کو میت کے کھانے میں مدعو کیا، مولوی ولایت صاحب نے کھانے سے انکار کیا، تو عثمان صاحب نے کہا کہ کسی دانہ کی صورت میں مدرسہ ہی میں بھیجوں تو آپ کھائیں گے اور اسی کو میں گھر پکا کر کھلاتا ہوں تو انکار کرتے ہیں، حالانکہ میرا مقصد مدرسہ کی امداد کرنا ہے، بہرحال ازروئے شرع واضح فرمادیں، مولوی صاحب کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی مدرسہ کی امداد کرنا خواہ نقد اور غلہ دے کر ہو، یا کھانا کھلا کر ہو سب طرح درست ہے(۱)، مولوی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: من أنفق زوجین من شيء من الأشیاء في سبیل الله دعي من أبواب الجنة، وللجنة أبواب ... ومن كان من أهل الصدقة دعي من باب الصدقة". (مشكاة المصابیح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، ص: ۱٦٤، قدیمی)

قال الله تعالی: ﴿الذین ینفقون أموالهم في سبیل الله ثم لا یتبعون ما أنفقوا مناً ولا أذی لهم أجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون﴾ (البقرة: ۲٦۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالی عنه یقول: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: ما تصدق =

صاحب اگر غریب مستحق ہوں تو ان کو دینا بھی ثواب ہے، مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ قرآن خوانی طلبہ سے کرا کے جب ان کی دعوت کی جائے، تو یہ معاوضہ کی صورت میں کی ہے، اس طرح ثواب نہیں ہوتا، ایسی دعوت قبول کرنے سے مولوی صاحب کو اور طلبہ کو سب کو ہی بچنا چاہیے۔ اگر مولوی صاحب نے اس وجہ سے انکار کیا تو ٹھیک کیا، تو عثمان ان پر ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آئندہ اس طریقے سے پرہیز کرنا چاہیے، بغیر اس کے جب دل چاہے، دعوت کردے، اس میں مضائقہ نہیں، مولوی صاحب کو بھی چاہیے کہ نرمی سے عثمان کو اصل بات سمجھا دیں، تا کہ اس کی طبیعت میں رنج باقی نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أحد بصدقة من طيب، ولا يقبل الله إلا طيبا إلا أخذها الرحمن بيمينه، وإن كانت تمرة تربو في كف الرحمن حتى تكون أعظم من الجبل، كما يربي أحدكم فلوه أو فصيله". (سنن الترمذي، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۳۳، سعيد)

(۱) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت لا للقارئ، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان.

فالحاصل: أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"لأن شرط الثواب الإخلاص لله تعالى في العمل، والقارئ بالأجرة إنما يقرأ لأجل الدنيا لا لوجه الله تعالى، بدليل أنه لو علم أن المستأجر لايدفع له شيئاً لا يقرأ له حرفاً واحداً، خصوصاً من جعل ذلك حرفته، ولذا قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن قارئ القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، ميمنية مصر)

(وكذا في البزازية، باب صلاة الجنائز، نوع آخر: ۳/۸۱، رشيدية)

(وكذا في رسالة ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل: ۱/۱۶۷، سهيل أكيدمي لاهور)

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

امامت کی تنخواہ

سوال[۱۱۰۰۰]: مساجد کے ائمہ کا کسی معین تنخواہ کے لئے اصرار کرنا اوران کی مانگ کے مطابق تنخواہ نہ دی جائے، تو امامت کا قبول نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ امامت بلا تنخواہ کی جائے اور مقتدی امام کی ضروریات کا تکفل کریں، مگر نہ امام کو اتنا تحمل ہے، نہ وسعت اور نہ مقتدیوں کو اتنا پاس ولحاظ ہے، ان حالات کی بناء پر متاخرین فقہاء نے امامت کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے، ورنہ مساجد معطل ہو جائیں گی اور جماعت کا اہتمام نہ ہو سکے گا(۱)، لہٰذا طرفین معاملہ

---

(۱) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: بجواز الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ واستحسنوا ذلك، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، وافتقاد من المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط مروة، يعينونهم على معاشهم ومعادهم ...... وأما اليوم فذهب ذلك كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم ...... فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلك، ورأوه حسناً وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۵، رشيديه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۸، عثمانيه كوئٹه)

صاف صاف طے کرلیں اور اس کی پابندی کریں، جو تنخواہ طرفین کی رضامندی سے طے ہو جائے (کم یا زیادہ) اس کو پابندی سے ادا کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۷ھ۔

امامت کی تنخواہ اور تراویح میں سنانے کی چند صورتوں کا حکم

سوال [۱۱۰۰۱]: ......(۲):

الجواب حامداً ومصلیاً:

"۱" تا "۵" اصل یہ ہے کہ امامت بلا تنخواہ کی جائے (۳) اور کوئی معاوضہ نہ لیا جائے، مگر فقہاء نے دیکھا کہ پہلے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے، جن سے نفقات واجبہ پورے ہو جاتے تھے اور یہ علماء، قراء، حفاظ دل جمعی ہو کر یکسوئی کے ساتھ امامت، تدریس، تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے، تنخواہ لینے دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

پھر بیت المال کا حال بدل گیا، ان کے وظائف بند ہو گئے، پھر اب اگر یہ حضرات نفقات واجبہ ادا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیہا الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدۃ: ۱)

"ویجبر المستأجر علی دفع ما قبل، فیجب المسمی بعقد، وأجر المثل إذا لم تذکر مدۃ". (الدر المختار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۶/۵۹، سعید)

"ویجبر علی دفع ما سمی" (مجمع الأنہر، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۳/۵۳۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) اصل کتاب میں یہ جواب اسی طرح بلا سوال مذکور ہے۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰقوم لا أسئلکم علیہ أجرًا إن أجری إلا علی الذی فطرنی﴾ (ہود: ۵۱)

"عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس، جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظم، لیس علیہ لحم". (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، ص: ۱۹۳، قدیمی)

"الأصل أن کل طاعۃ یختص بہا المسلم لا یجوز الاستئجار علیہا عندنا لقولہ علیہ السلام: اقرؤوا القرآن ولا تأکلوا بہ" (رد المحتار، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۶/۵۵، سعید)

کرنے کی سعی میں لگ جائیں تو امامت، تعلیم، تدریس کا کام معطل ہوتا ہے، جس سے دین کے ضیاع کا قوی خطرہ ہے۔ اگر اس سعی میں نہ لگیں اور ان کو خدمات مذکورہ بالا پر مجبور کیا جائے، تو نفقات واجبہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اس لئے تحفظ دین کی خاطر مجبوراً متاخرین فقہاء نے اجازت دی ہے کہ یہ حضرات اپنے اوقات کو خدمات مذکورہ کے لئے طے کرکے یا بغیر طے کئے معاوضہ لینے دینے کی اجازت ہے(۱)۔ جو شخص نماز پنجگانہ کا امام ہے، اگر وہ تراویح میں سنائے اور رمضان المبارک میں جس طرح ہر ایک کی روزی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوجاتا ہے، امام کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جائے، تو اس میں مضائقہ نہیں کہ مؤذن اور دیگر خادمی اور مسجد کے ملازمین کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن محض تراویح سنانے کی وجہ سے روپیہ لینا اور دینا اس حد میں نہیں آتا کہ اس کی اجازت دی جائے(۲)۔

جس جگہ یہ دستور ہو کہ امام اور اہلِ مسجد سب کے ذہن میں ہو کہ تخمیناً اتنا ملے گا اور اتنا دینا ہوگا، وہاں

---

(۱) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة والأذان". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز على الإمامة، وتعليم القرآن، والفقه ـــــ وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك وقالوا: بنى المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، وافتقاد من المتعلمين ـــــ وأما اليوم فذهب ذلك كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقلما يعلمون الحسبة، ولا يتفرغون له أيضاً ـــــ فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلك، ورأوه حسناً، وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، ميمنيه مصر)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۳۹۳

اگرچہ بانی طے نہ کیا جائے تب بھی وہ طے کرنے ہی کے حکم میں ہے(۱) چاہے آپ اس کا نام ہدیہ رکھ دیں مگر ہے وہ معاوضہ، اس کی کھلی نشانی یہ ہے کہ نہ ملنے پر یا تخمینہ سے کم ملنے پر امام صاحب ناک منہ چڑھاتے ہیں اور کبھی طعن وتشنیع بھی کرتے ہیں، پھر بھی بعض مقتدیوں کو امام صاحب پر ترس آتا ہے، بعض کو غصہ آتا ہے اور آئندہ کے لئے امام صاحب بھی سنانے سے عذر کردیتے ہیں، کبھی اشارہ وہی اشارہ میں مقصد جتا بھی دیتے ہیں اور کبھی کوئی لطیف وجہ بیان کر کے دوسری جگہ تجویز کر لیتے ہیں۔

اگر امام صاحب نے کچھ نہ دو مانگ لیا تھا، کم دینے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا تھا تو مقتدی یا تو ان کے تخمینہ کے مطابق دیں گے یا پھر دوسرے امام کا انتظام کریں گے، ان حالات میں اس کو ہدیہ کہنا محض لفظی چیز ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، اگر کسی جگہ ایسے لینے دینے کا طریقہ اور دستور بالکل نہ ہو اور امام صاحب دیئے نقد جائیں اور ان کا ذہن بالکل خالی ہو اور نہ ملنے پر ان کو خیال تک نہ آئے اور نہ ملنے پر آئندہ کوئی عذر نہ کریں، تو پھر جو کچھ پیش کیا جائے، وہ ہدیہ بن سکتا ہے اور اس کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ دوسروں کو اس سے استدلال کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "لأن المعروف كالمشروط، والقراءة بالأجرة لا يستحق الثواب، لا الآخذ والمعطي الخ"

(رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۵، ۵۶، سعید)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۱۳۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ۳/ ۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختم تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

شبینہ پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم

سوال[۱۱۰۰۲]: یہاں ۲۰ گھنٹے میں قرآن ختم کیا جاتا ہے، حفاظ شریف اجرت لیتے ہیں، ان کی منشأ کے مطابق دیا جائے تو وہ قرآن خوانی کریں گے ورنہ نہیں، ساری رات لاؤڈ اسپیکر میں قرآن خوانی کرتے ہیں، سامعین عدد میں کم ہوتے ہیں، قرآن کی آیات مجلس کے باہر کے لوگوں کے کانوں میں ایسے وقت میں پہنچتی ہیں، جب کہ لوگ طرح طرح کے کاموں میں معروف ہوتے ہیں، کیا یہ حرکات قرآن کی آیت ﴿وانصتوا﴾ کے خلاف نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اجرت لینا دینا حرام ہے، اس طرح پڑھنے والے ثواب کے مستحق نہیں، بلکہ گنہگار ہیں۔ کما في رد المحتار(۱)، وشروح الهداية(۲)۔ ان حالات میں بہ آواز بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا حرام

---

(۱) "ولايصح الاستئجار على القراءة، وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك، وقد قال العلماء: إن القارئ إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب له فأي شيء يهديه إلى الميت، وإنما يصل إلى الميت العمل الصالح، والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل: ۶/۵۶، سعيد)

"وقد صرح أئمتنا وغيرهم بأن القارئ للدنيا لا ثواب له، والآخذ والمعطي آثمان". (رسائل ابن عابدين، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل: ۱/۱۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، رسائل الإجارة الفاسدة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۴، المكتبة الحقانية پشاور)

(۲) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. ="

قرآن پاک کے خلاف ہے تو سننے والے حق سماعت ادا نہیں کرسکتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۷ھ۔

تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اور اس کو فروخت کرنا

سوال [۱۱۰۰۳]: ایک حافظ قرآن نے ختم القرآن کے دن ایسا کیا کہ جو ہار پھولوں کا مقتدیوں کی طرف سے ملا تھا، انہوں نے وہیں نیلام کردیا، اس کا نیلام تین سو چھتر روپیہ میں ہوا، وہ پیسہ انہوں نے آدھا روپیہ مسجد کی تعمیر میں فنڈ کو دے دیا اور آدھا روپیہ مدرسہ کی تعمیری فنڈ میں دے دیا، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ہی نیلام کیا تو برا کیا، مسجد میں بیع شراء کی اجازت نہیں (۲)، اگر خارج مسجد میں نیلام کیا تو

=وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

(۱) "وفي الفتح عن الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن، فلا يمكنه استماع القرآن، فالإثم على القارئ، وعلى هذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، فروع في القراءة خارج الصلاة: ۱/۵۴۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۲۹۸، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة وما لا يكره، ص: ۴۹۷، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة، وعن الشراء والبيع في المسجد". (سنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱/۱۱۷، قديمي)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهي". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

"وقيد بالمعتكف؛ لأن غيره يكره له البيع مطلقاً؛ لنهيه عليه السلام عن البيع والشراء في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية) =

درست ہے، یہ حکم تو محض بلا نظام کا ہے، قرآن پاک تراویح میں سنانے کا معاوضہ خواہ بصورت نقد ہو یا کوئی اور چیز ہو، نیز پہلے سے طے کرلی ہو یا بغیر طے کئے صرف ذہن میں ہو، درست نہیں ہے، خاص کر جب کہ حافظ صاحب کو دینے کا رواج بھی ہو(۱)، حافظ صاحب نے اس کو اپنے پاس نہیں رکھا، بلکہ مدرسہ، مسجد میں دے دیا، اچھا کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۰۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، ص: ۱۹۳، قديمي)

"الأصل: أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه السلام: "اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به" ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهليته فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجموعة رسائل ابن عابدين، الرسالة الرابعة: ۱/۱۶۷-۱۶۹، عثمانيه كوئته)

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

تقریر کرانے پر اجرت

سوال [۱۱۰۰۴]: تقریر کے لئے جو روپے پیش کئے جاتے ہیں، ان کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقل ملازمت اور ماہانہ تنخواہ لینا درست ہے، ایک تقریر پر درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان ... وزاد بعضهم: الأذان، والإقامة والوعظ، ویجبر المستأجر علی دفع ما قبل، فیجب المسمی بعقد، وأجر المثل إذا لم تذکر مدة".
(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعید)

"الاستئجار علی الطاعات کتعلیم القرآن، والفقه، والتدریس، والوعظ لایجوز، والمتأخرون علی جوازه ... وفتوی علمائنا: أن الإجارة إن صحت یجب المسمی، وإن لم تصح یجب أجر المثل والحیلة: أن یستأجر المعلم مدة معلومة ثم یأمره بتعلیم ولده". (الفتاوی البزازیة، کتاب الإجارة، نوع في تعلیم القرآن: ۵/۳۷، ۳۸، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

وعظ وتعویذ پر معاوضہ لینا

سوال[۱۱۰۰۵]: تعویذ دے کر یا وعظ کہہ کر روپیہ لینا دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ کہنے کی اگر نوکری کرے اور تنخواہ مقرر ہو جائے، تو تنخواہ لینا درست ہے(۱) تعویذ اگر جانتا ہے اور اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں لکھتا، تو اس کی اجرت میں روپیہ لینا بھی درست ہے(۲)، یہ دونوں مسئلے

---

(۱) "(و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "(قوله: ويفتى اليوم الخ) ...... وزاد بعضهم، الأذان والإقامة والوعظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

"قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه، والحيلة: أن يستأجر المعلم مدة معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن والحرف: ۵/۳۷، ۳۸، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، مطلب: استأجره ليؤم الناس، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة: شفاء العليل: ۱/۱۶۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: "اعرضوا عليّ رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك" رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، ص: ۳۸۸، قديمي)

"ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

"وأما حديث رهط الذين رقوا لديغاً بالفاتحة، وأخذوا جعلاً، فسألوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

ردالمحتار کی پانچویں جلد میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

تعویذ پر اجرت

سوال[۱۱۰۰۲]: تعویذ پر اجرت لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ علاج ہے، جائز ہے، اس پر پیسے لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فقال: أحق ما أخذتم عليه أجراً كتاب الله، فمعناه إذا رقيتم به، كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض أصحابنا، وقال: إن الرقية بالقرآن ليست بقربة، أي لأن المقصود بها الاستشفاء دون الثواب". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۱۱۶، امجد اكيدمي لاهور)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، أن رهطاً من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انطلقوا في سفرة سافروها، فنزلوا بحي من أحياء العرب، فقال بعضهم: إن سيدنا لدغ، فهل عندكم شيء ينفع صاحبنا؟ فقال رجل من القوم: نعم والله إني لأرقي، ولكن استضفناكم فأبيتم أن تضيفونا، ما أنا براق حتى تجعلوا لي جعلاً، فجعلوا له قطيعاً من الشاء، فأتاه فقرأ عليه أم الكتاب ويتفل حتى برئ ... فقدموا على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أين علمتم أنها رقية؟ أحسنتم، اقتسموا، واضربوا لي معكم بسهم. في الحديث دليل على أن يجوز الأجرة على الرقى والطب". (بذل المجهود، باب كيف الرقى: ۵/۱۱، معهد الخليل كراچي)

"جاز الاستئجار على الرقية ولو كانت بالقرآن، لأنها لم تفعل لقربة لله تعالى بل للتداوي، فهي كصنعة الطب وغيرها من الصنائع". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۱، عثمانيه كوئٹه)

"جوزوا الرقية بالأجرة، ولو بالقرآن كما ذكره الطحطاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

باب الاستئجار علی المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

جاندار کی تصاویر کو فریم کرنے کی اجرت

سوال [۱۱۰۰۷]: زید ایک دکان فریم بنانے کی کرنا چاہتا ہے، شیشہ کا فریم ہوگا، اس میں بہت سے لوگ سندیں، سرٹیفکیٹ، عمارت کی تصویر، بیل بوٹے، باغات جھاڑیاں وغیرہ فریم کرائیں گے، لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ جب زید یہ کام شروع کرے گا، تو بہت سے مسلم اور غیر مسلم جاندار چیزوں کی تصویریں لائیں گے اور اسے فریم کرنے کے لئے کہیں گے، اب سوال یہ ہے کہ زید اسے فریم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جاندار کی تصویر بنانا تو حرام اور کبیرہ گناہ ہے (۱)، اس کو اجرت پر فریم کرنا اس حکم میں نہیں، بلکہ اس میں تخفیف ہے، اس میں ایک حرام چیز کا فی الجملہ استحکام و اعزاز بھی ہے، اس لئے مکروہ ہے، اس کی اجرت میں کراہت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۵/۱۱ھ۔

---

(۱) "وظاهر كلام النووي في شرح المسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۷، سعيد)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۲/۱۹۹، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۲/۱۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲) .... =

سینما کی آمدنی

سوال[۱۱۰۰۸]: زید کا ایک منی فلم (یعنی چھوٹا سینما) ہے، وہ اس کو ایک رات دو سو روپے کرایہ پر دیتا ہے، لوگ اس کو منع کرتے ہیں کہ تو اس حرام کام سے باز آجا، مندرجہ تو برا لگتا ہے، لیکن منی کے اندر سینما چالو رکھتا ہے، بکر نے زید کو کہا کہ تم حرام خوری کیوں کرتے ہو، ایک تو سینما دیکھنا خود حرام دکھاتے ہو اور آمدنی سے اپنا پیٹ بھی بھرتے ہو۔

اچھا تم ایک کام کرو، مجھے پانچ سو روپیہ ہر مہینہ دو یا اپنی خوشی سے جو بھی دو، لیکن ہر مہینہ دو یا ایک ساتھ دس ہزار روپے دے دو تو میں تم کو ایک ترکیب بتا دوں، زید نے کہا کہ پھر پوچھنے کی کیا بات ہے، میں راضی ہوں، تم ترکیب بتلا دو، تو بکر نے کہا کہ دیکھو تم سینما چلاتے ہو، یہ ہوا حرام اور اس کی آمدنی بھی حرام ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بکر کا اس ترکیب سے ہر مہینہ پانچ سو روپے یا زیادہ خوشی سے جو دے اس کو لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز تو کیا بکر گنہگار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تبدیلِ ملک سے اگر تبدلِ عین کا حکم ہوجائے تو اس سے سینما کی آمدنی کیسے درست ہوجائے گی؟ اور

- "يأمر تعالى عباده المؤمنين على فعل الخيرات ... وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، المائدة: ۲، ۱۰/۲، دار السلام رياض)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: قوله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي". (روح المعاني: ۶/۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من استأجر حمالاً يحمل له الخمر، فله الأجر في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعند أبي يوسف ومحمد لا أجر له ... وذكر في الجامع الصغير: يطيب له الأجر في قول أبي حنيفة، وعندهما يكره، لهما أن هذه إعانة على المعصية لكونه إعانة على المعصية، وقد قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارات: ۴/۴۴، رشيديه)

"وفي نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالى: استأجر رجلاً ليصور له صوراً أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلك وأجعل له الأجرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب في الإجارة على المعاصي: ۴/۴۵۰، رشيديه)

یہ کاروبار کیسے جائز ہو جائے گا(۱)؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۲ھ۔

چنگی کی ملازمت کا حکم

سوال[۱۰۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ زید کل حلال کے ذریعہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، موصوف میونسپلٹی میں ملازم ہے اور زید کے ذمہ ملازم ہونے کی حیثیت سے دو کام سپرد ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں ہے:

۱- میونسپل بورڈ کی چنگی کے ذریعہ وصول کئے گئے محصول کی نگرانی کرنا اور شہر میں باہر سے مال لانے والوں کو محصول ادا کرنے پر مجبور کرنا، ایسے مال مالکوں سے جو مال بغیر محصول ادا کئے ہوئے شہر میں آجاتے ہیں، گرفت کرکے ان سے اصل محصول سے پانچ گنا یا بیس گنا تک تاوان وصول کرنا۔

---

(۱) یعنی خواہ کسی کی بھی ملک ہو اس کو کرایہ پر دینا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے، اس لئے کہ گانا، رقص وسرود حرام اور معصیت ہے، اور اجارہ علی المعاصی ناجائز ہے اور ایسا کام ان لوگوں کی اعانت ہے۔

"قال رحمه الله تعالى: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه؛ لأن المبادلة لا تكون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل، ويجب عليه رده على صاحبه. وفي المضمرات: الغناء حرام في جميع الأديان". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٨/٣٥، ٣٦، رشيديه)

"لا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو؛ لأنه معصية، والإجارة على المعاصي باطل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ١٦/٣٨، حبيبيه كوئته)

"لو استأجر رجلاً ينحت له أصناماً أو يزخرف له بيتاً بتماثيل والأصباغ من رب البيت فلا أجر، وكذا لو استأجر نائحة أو مغنية فلا أجر لها؛ لأن فعلها معصية". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع آخر في الاستئجار على المعاصي: ٩/١٩٩، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/١٠٩، ١١٩، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٩/١٠٢، رشيديه)

۲..... شہر کی حدود کے اندر تمام مکانات ودکانات وغیرہ پر خواہ وہ کرایہ پر ہوں یا اپنے نجی استعمال میں ہوں، اوسطاً سالانہ آمدنی کرایہ کا دس فیصدی ٹیکس وصول کرنا، ادانہ کرنے کی صورت میں مکان یا دکان کی قرقی کرانا، آیا یہ نوکری شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ارقام فرمائیں۔

۳..... ملازمین تو قانونی خلاف ورزی کرتے ہوئے پکڑے جائیں، جیسے مال مالکوں سے چنگی کی شرح کے مطابق پورا محصول وصول نہ کر کے اپنے فائدے کے لئے واجب محصول سے کم رقم لیکر مال مالکوں کو بغیر رسید دیئے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں، اس کا علم ہونے پر قانونی کارروائی کئے جانے پر ملازمین معطل یا ملازمت سے برطرف یا ان پر کوئی جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے، اس لئے اگر ان کی کچھ خامیوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جب کہ اکثریت ملازمین کی مسلم ہے، تو عند اللہ مواخذہ دار تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر حکومت کی طرف سے شہر میں آنے والے تاجروں کے مال کی حفاظت کا انتظام ہے کہ وہ اس انتظام کی بدولت اپنے پورے سامان تجارت کو لے کر عافیت کے ساتھ شہر میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں کاروبار کرتے ہیں، مال فروخت کر کے روپیہ لے کر عافیت کے ساتھ پہنچ جاتے ہیں، ان کا راستہ میں نہ مال ضائع ہوتا ہے نہ روپیہ تو اس حالت میں چنگی حسب ضابطہ وصول کرنا درست ہے (۱)، اس کی ملازمت، نگرانی بھی درست ہے، لیکن خلاف ورزی کرنے والوں سے مال جرمانہ وصول کرنے کی اجازت نہیں، مالی جرمانہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔

---

(۱) "وقال أبو جعفر البلخي: مایضر به السلطان علی الرعیة مصلحة لهم یصیر دینا واجباً وحقاً مستحقاً کالخراج، وقال مشایخنا: وکل مایضر به الإمام علیهم لمصلحة لهم، فالجواب هکذا حتی أجرة الحراسین لحفظ الطریق واللصوص ونصب الدروب، وأبواب السکک ۔ لایجوز الامتناع عنه ولیس بظلم". (رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/ ۳۳۶، ۳۳۷، سعید)

"وإنما ینصب لیأمن التجار من اللصوص، ویحمیهم منهم، فیستفاد منه أنه لابد أن یکون قادراً علی الحمایة؛ لأن الجبایة بالحمایة". (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العاشر: ۲/ ۴۰۲، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل وأما شرائط ولایة الأخذ: ۲/ ۱۴۷، رشیدیه)

"وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. قال الشمني:

سالفاً على المختار والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" شامی

کراچی ۴/ص: ۶۲(۱)

شہر میں گھر، مکان، دکانوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دار مقرر ہیں، جن کی وجہ سے چوری وڈاکہ سے حفاظت رہتی ہے، تو اس حفاظت کے معاوضے کے طور پر کچھ وصول کرتا ہے یہ بھی درست ہے، اس کی ملازمت بھی درست ہے، لیکن حفاظت کا انتظام نہیں، راستہ میں و شہر میں چوری بھی ہوتی ہے، ڈاکہ بھی پڑتا ہے اور جو نقصان ہو، اس کا معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا۔

بلکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ راستہ میں کچھ مال ڈاکوؤں نے چھین لیا، کچھ معمولی باقی بچا اس کو لے کر شہر میں آئے تو چنگی والوں نے وصول کرلیا، پھر شہر میں آکر وہاں ٹیکس ادا کرنا پڑا، اگر ٹیکس ادا کرنے کو کچھ پاس نہیں تھا تو مکان کی قرقی (۲) کی نوبت آئی، یا اس سواری کی قرقی کرلی گئی جس پر مال لائے تھے تو یہ غریب خالی ہاتھ خسارے ہی خسارے میں رہا، تجارت کو مال لانے سے عاجز ہو گیا، بیوی بچے پریشان رہے، ان کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں رہا، یہ قوانین کی معصیت بھی ہے، لہذا اس کی ملازمت بھی حرام ہے، وہ شرعاً درست نہیں (۳)۔

۲۔ جو صورت ظلم کی ہو، ان سے درگزر کیا جائے (۴)، جو محصول شرعاً واجب ہو، وہ ہر ایک سے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۱، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۲/۴۱۰، دار المعرفة بیروت)

(۲) "قرقی: ضبطی، سرکاری ضبطی" (فیروز اللغات، ص: ۹۵۳، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: لا یدخل الجنة صاحب مکس، یعني العشار". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۴/۱۰۵، رقم الحدیث: ۱۶۸۵۳، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"وما ورد في ذم العاشر محمول علی من یأخذ أموال الناس ظلماً کما یفعله الظلمة الیوم".

(تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب العاشر: ۲/۸۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العاشر: ۲/۴۰۲، رشیدیة)

(۴) راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً.

درگزر کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۸/۹۹ھ۔

اپنی زمین فرم کو کرایہ پر دینا

سوال[۱۱۰۱۰]: کسی فرم کو جائیداد کرایہ پر دیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس جگہ (Hire Purchase) کا کاروبار کرے گی، جائز ہے؟ اور اگر ایسی جائیداد ترکہ میں اس حال میں ہے کہ پہلے ہی سے "ہائر پرچیز" کا اس میں کاروبار ہورہا ہو، تب کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ "وھو الأوسع"۔ اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ "وھو الأورع"

"وجاز إجارة بيت ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وقالا: لا ينبغي ذلك" له در مختار وبسط النقول الشامي". (الدر المختار مع حاشية الشامي نعمانيه، كتاب الحظر والإباحة: ۵/۲۵۱)(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) یہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی، خیانت اور تعاون علی الاثم کے زمرے میں آتا ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: آية المنافق ثلاثة: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

(۲) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۲، سعيد)

"وإذا استأجر الذمي من المسلم بيتاً ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الفتاوى =

فاحشہ کو زمین کرایہ پر دینا

سوال [۱۱۰۱۱]: ایک حاجی صاحب نے اپنی زمین ایک عورت جو فاحشہ ہے، کو فعل بد کے لئے کرایہ پر دے دی ہے، اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فعل بد کے لئے زمین دینا تو جائز نہیں (۱)، اگر رہنے کے لئے زمین دی ہے اور وہ اس پر فعل بد ہی کرے گی، تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس پر ناجائز ہونے کا حکم نہیں ہے (۲)، البتہ فعل بد سے کمایا ہوا روپیہ کرایہ میں لینا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۲/۸۷ھ۔

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۳/۴۴۹، رشيديه)

"لو استأجر الذمي من المسلم بيتاً يبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ، ولابأس للمسلم أن يؤاجر داره من ذمي يسكنها، وإن يشرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، فذلک لايلحق المسلم كمن باع غلاماً ممن يقصد به الفاحشة". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع آخر في الاستئجار على المعاصي: ۹/۱۰۹، غفاريه كوئٹه)

(۱) "لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجارة على المعاصي: ۳/۴۴۹، رشيديه)

(۲) قال المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالیٰ:

"كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزيا للهيثمي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لايجوز قصداً ويجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدور ولا إصالةً وقصداً". (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف كراچي)

"قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً كالشرب في البيع، والبناء في الوقف". =

کیا نائی کی مزدوری حرام ہے؟

سوال[۱۱۰۱۲]: نائی کی روزی حرام بتائی جاتی ہے، کیوں بتائی جاتی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، اگر نائی کی روزی حرام ہے تو اس سے چندہ لے کر مدارس دینیہ ومساجد میں کیوں لگایا جاتا ہے؟ بے نمازی کی روزی بھی حرام ہے اور بے نمازی مسجد اور مدرسہ میں چندہ کی رقم دیتا ہے، لینے والے شخص کو خوب معلوم ہے کہ یہ بے نمازی ہے، پھر اس سے پیسہ کیوں لیا جاتا ہے، نیز مدارس میں نمازی بے نمازی سب کا پیسہ جاتا ہے، ان یتیم بچوں کو حرام سے کھلا کر تعلیم حاصل کراتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ نمازی، متقی اور دیندار آدمی کو حلال وطیب روزی کھانی چاہیے۔

ایک طرف علماء تو کہتے ہیں کہ حلال روزی کمائی اور کھانی چاہیے، پھر وہ عوام سے چندہ کرکے حرام روزی طلبہ کو کیوں کھلاتے ہیں؟ مسجد میں بے نمازی سے جبراً پیسے لگاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نائی سر مونڈھتا ہے، مونچھیں صحیح طریقہ پر بناتا ہے، ناخن تراشتا ہے اور ان پر اجرت لیتا ہے تو اس کی کمائی حرام نہیں(۱)، آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ نائی کی روزی مطلقاً حرام ہے، جو شخص شریعت کے مطابق

= (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۴/۳۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۳، رشيديه)

(۳) "إن علم أنه مغصوب عينه، لا يحل أن يأكل؛ لأنه علم بالحرمة". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۴۰۰، رشيديه)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، النوع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه، قال: احتجم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۱/۳۰۴، قديمي)

"واختلف العلماء بعد ذلك في هذه المسألة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج =

تجارت، زراعت، وقت مزدوری سے روزی کماتا ہے، وہ حرام نہیں، اگرچہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس روزی کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ جبراً پیسہ لینا نہ نمازی سے درست ہے، نہ بے نمازی سے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

نائی کی اجرت

سوال [۱۱۰۱۳]: ایک مقرر صاحب نے ایک تقریر میں یہ فرمایا کہ بال برکی اجرت حرام ہے، جب سے احقر نے یہ سنا ہے، بے حد پریشان ہے، احقر کا یہی پیشہ ہے، لہٰذا اپنی کمائی خیر خیرات کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے، مسجد اور مدرسہ میں حتی الامکان اپنا روپیہ صرف کرتا ہے اور نیز کھانا، پینا، پہننا سب اسی کمائی سے ہی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بال بر اگر شریعت کے مطابق سر مونڈتا، لبیں بناتا، بغلیں مونڈتا، ناخن تراشتا ہے تو اس کی اجرت حرام

= الحجام: ۵۷۸/۳، قدیمی)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ...... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۹/۱۹۰، ۱۹۱، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۱/۵۳۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب جارية فباعها: ۶/۱۶۶، دارالكتب العلمية بيروت)

نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔ شاید لفظ حجام سے شبہ ہوا ہوگا کہ اس کی اجرت کو حدیث میں خبیث فرمایا گیا ہے(۲)، وہاں حجام سے باربر مراد نہیں، بلکہ پچھنا لگانے والا مراد ہے، عربی میں باربر کو حجام نہیں کہتے، بلکہ حالق کہتے ہیں اور حجام پچھنا لگانے والے کو کہتے ہیں، البتہ داڑھی مونڈنا باربر کے لئے بھی ناجائز ہے(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه، قال: احتجم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۱/۳۰۲، قديمي)

"واختلف العلماء بعد ذلك في هذه المسألة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۴/۵۷۸، قديمي)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۶/۱۶۰، ۱۶۱، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم ثمن الكلب، ص: ۶۸۵، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۱/۴۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في ثمن الكلب: ۲/۲۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "لاتصح الإجارة لأجل المعاصي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجارة على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مزارعت یا مساقات کا معاملہ

سوال[۱۱۰۱۴]: فصل آنے سے پہلے پانچ سال کے لئے فصل ستر ہزار میں خریدی، اس کے ساتھ ساتھ مالک سے کہا گیا: ہم اس کے اندر کچھ پیڑ مختصر لگائیں گے، اس میں آپ کا ساجھا(۱) رہے گا اور زمین اور پانی آپ کا کھاد اور اوپر کا خرچ تمام ہمارا ہوگا۔ شریعت کی روشنی میں جواب درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باغ میں پھل موجود نہیں، زمین میں فصل موجود نہیں، پھر پانچ سال کے لئے اس کو خریدنا معدوم کو خریدنا ہے، یہ بیع شرعاً درست نہیں(۲)، ہاں! زمین میں چاہے باغ کی زمین ہو یا خالی ہو، کھیتی کرنے کے لئے اور پیڑ لگانے کے لئے اجارہ کا معاملہ کر لینا درست ہے(۳) اور مزارعت، یعنی پیداوار کی شرکت اور مساقات یعنی

---

(۱)"ساجھا: کسی کام میں حصہ داری یا شراکت"۔ (فیروز اللغات، ص:۸۰۲، فیروز سنز لاہور)

(۲)"ومنها في المبيع وهو أن يكون موجوداً، فلا ينعقد بيع المعدوم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۲/۳، رشيديه)

"وكونه مقدور التسليم، فلا ينعقد بيع المعدوم". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۳)"(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة وإلا فهي فاسدة للجهالة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

درختوں کے پھل میں شرکت کا معاملہ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدار غلہ طے کرکے زمین کاشت کے لئے دینا

سوال [۱۱۰۱۵]: ہمارے یہاں زمین غیروں کو دی جاتی ہے کہ کاشت کاروں سے اقرارنامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرارنامہ کے ذیل میں درج ذیل کئی صورتیں ہوتی ہیں:

۱- نقد روپے لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

۲- فصل سے پہلے ہی یہ طے کرلیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی اس میں معین مقدار غلہ زمین کا

---

(۳) "قوله: (والأرض للمزارعة إن بين ما يزرع فيها أو قال على أن أزرع فيها ما أشاء) أي صح ذلك للإجماع العملي عليه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۸/۵، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، الفصل الأول: ۴/۴۴۰، رشيدية)

(۱) "(هي) لغة: مفاعلة من الزرع، وشرعاً (عقد على الزرع ببعض الخارج) (ولا تصح عند الإمام) لأنها كقفيز الطحان (وعندهما تصح وبه يفتى) للحاجة". (الدر المختار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۴-۲۷۵، سعيد)

"(أما شرعيتها) فهي فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعندهما جائزة، والفتوى على قولهما لحاجة الناس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها: ۵/۲۳۵، رشيدية)

"وشرعاً: معاقدة (دفع الشجر والكروم ... إلى من يصلحه بجزء) معلوم (من ثمره، وهي كالمزارعة حكماً وخلافاً". (الدر المختار، كتاب المساقاة: ۶/۲۸۵-۲۸۶، سعيد)

"المعاملة في الأشجار والكرم بجزء من الثمرة فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعندهما جائزة إذا ذكر مدة معلومة وسمى جزءاً مشاعاً، والفتوى على أنه تجوز وإن لم يبين المدة، كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المعاملة، الباب الثاني في المتفرقات: ۵/۲۸۴، رشيدية)

زمین دار کو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب۔ سو دونوں صورتوں میں معینہ مقدار غلہ زمین دار کو دیتا ہے۔ کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ یہ صورت جائز ہے(۱)۔

۲۔ یہ صورت جائز نہیں (۲)، ہاں اگر اس طرح معاملہ کیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے کاشت کرو، تم کو اس کے معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دینا ہوگا تو جائز ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۱ھ۔

---

(۱) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة، وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها ويجب المسمى". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۶/۳۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۷/۵۱۹، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۴/۲۹۳، رشيدية)

(۲) "ونفي أن شرط لأحدهما قفزاناً معلومة تفسد؛ لأنه يؤدي إلى قطع الشركة في المسمى كما تقدم". (البحر الرائق، كتاب المزارعة: ۸/۲۹۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها وتفسيرها وركنها الخ: ۵/۲۳۵، رشيدية)

(۳) "يشترط أن تكون الأجرة معلومة، سواء كانت من المثليات أو من القيميات أو كانت منفعة أخرى؛ لأن جهالتها تفضي بها إلى المنازعة فتفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ۱/۲۴۰، رقم المادة: ۴۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها ونوع من أنواعها الخ: ۴/۴۱۱، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

دوسرے کی زمین کو غصب کرنا

سوال[۱۱۰۱۶]: زید، عمر، بکر تین آدمی ہیں، بکر نے کچھ زمین عمر کی اور کچھ زید کی زبردستی اپنے قبضے میں رکھی تھی، پٹواری نے بکر کی کچھ زمین زید کے نام درج کردی، جس سے قانونی طور پر بکر کی زمین کا مالک زید ہو گیا، زید کی جس زمین پر بکر کا زبردستی قبضہ تھا وہ اور تھی اور بکر کی جو زمین زید کے نام دے دی گئی، وہ اور ہے، مگر قیمت میں دونوں برابر ہیں۔

بکر کی زمین جو قانونی طور پر زید کے نام دے دی گئی اس میں کچھ پیڑ ہیں، جس کی وجہ سے بکر کی زمین کی قیمت کچھ زیادہ بن گئی، عمر نے بکر سے تنگ آکر اپنی زمین عطیہ کے طور پر زید کو دے دی، زید نے عمر والی اور بکر والی دونوں زمین بذریعہ مقدمہ حاصل کرلی، زید کچھ زمین مذکورہ بالا بکر کے قبضہ میں ہے، اب زید آخرت کے مواخذہ کے ڈر سے بکر کی زمین واپس کرنا چاہتا ہے، مگر بکر کہتا ہے کہ عمر والی عطیہ زمین بھی جس پر غیر شرعی قبضہ بکر کا تھا، وہ بھی واپس کرو، اس صورت میں بکر والی زمین زید کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی زمین کو غصب کرنا گناہِ کبیرہ اور سخت جرم ہے(۱)، غاصب سے اپنا حق وصول کرنا شرعاً

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۱/۵۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

درست ہے، خواہ قیمت کی صورت میں ہو، جس جس کی زمین ناحق قبضہ میں ہے، اس کو واپس کرنا ضروری ہے یا پھر رضامندی سے اس کی قیمت دے دی جائے (۱)، اگر حق دار کو اس کا حق دیا جائے تو اس کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کا بھی حق واپس کرو، یعنی اپنا حق قبول کرنے کے لئے یہ شرط نہ لگائے، ہاں! نصیحت وعہد کے طور پر کلمۂ خیر کہہ دے ترغیب دے دے تو درست ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۲۹/۲/۹۲ھ۔

حکومت سے دوسرے کے نام سے زمین الاٹ کرائی، اس کا مالک کون؟

سوال[۱۱۰۱۱]: آج سے تقریباً ۱۵/ سال پہلے راجستھان سرکار نے ایسے کسانوں کو جن کے پاس کاشت کی زمین نہیں تھی، بلاقیمت زمین الاٹ کرنے کی اسکیم چلائی تھی، زید اس وقت اپنے گاؤں میں سرپنچ تھا۔ زید کے پاس کاشت کے لئے پہلے سے کافی زمین تھی، اس لئے اس اسکیم کے تحت زمین حاصل نہیں کرسکتا تھا، زید نے زمین حاصل کرنے کی غرض سے اپنے نام کی بجائے اپنے چھوٹے بھائی عمر کے نام سے درخواست دے کر جس کے پاس زمین کاشت پہلے سے نہیں تھی اور عمر اس اسکیم میں قانوناً زمین لے سکتا تھا، عمر کے نام ۱۵/ بیگھہ زمین الاٹ کروائی اور اس میں کاشت کرتا رہا۔

زید نے اس بات کو اپنے بھائی عمر کو نہیں بتلایا کہ میرے پاس ۱۵/ بیگھہ زمین تمہارے نام سے ہے، پچھلے سال عمر کو اس بات کا علم ہوا کہ زید کے پاس ۱۵/ بیگھہ کا الاٹ ہے، وہ اس کے نام میں ہے، عمر نے زید سے درخواست کی کہ اس زمین میں مجھے کاشت کرنے دو، کیونکہ حکومت نے میرے نام سے الاٹمنٹ دیا ہے، زید زمین پر اپنی ملک بتاتا ہے اور چھوڑنا نہیں چاہتا ہے، یہ زمین آج بھی سرکاری کاغذوں میں عمر کے نام ہے۔

۱ـــ زید کا عمر کے نام پر اس طرح زمین حاصل کرنا کیسا ہے؟

=(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۱) "حكمه ـــ رد العين القائمة والغرم هالكة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، رشيديه)

۲ ..... زمین کا شریعت کی رو سے مالک کون ہے؟

۳ ... اگر زمین کا مالک عمر ہے تو اتنے سالوں سے زید اس کو کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۴ ... اگر زید زمین کا مالک ہے تو عمر کو زید کے نام زمین ٹرانسفر کرنے کے لئے کوئی شرط لگانے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ... یہ طریقہ غلط ہے (۱)۔

۲ ... جو عمر کے نام سے الاٹ ہوئی ہے، عمر ہی مالک ہے (۲)۔

۳ ... وہ غلط طریقہ پر کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا (۳)۔

۴ ... زید کو چاہئے کہ وہ زمین عمر کے حوالہ کر دے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۹ھ۔

---

(۱) اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا ناجائز ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيع: ۱/۲۴۵، قديمي)

(۲) "وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعيد)

"ويملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة الخ: ۴/۳۷۴، رشيدية)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان"

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه" (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۳/۲۲۳، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۱، مير محمد كتب خانه)

(۳) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان =

دوسرے کی زمین میں پودے لگانا

سوال[۱۱۰۱۸]: زید کی زمین پر بکر نے ”کوکا“(۱) کے پودے لگانے کا خیال ظاہر کیا، زید کو منظور نہیں تھا، اس لئے انکار کرتا رہا، مگر بکر برابر اصرار کرتا رہا اور زید کی مرضی کے بغیر کوکا کے پودے لگا دیئے، ہم وطن اور تعلقات کی وجہ سے زید خاموش ہوگیا، بکر کی مالی حالت کمزور تھی، اس خیال سے کہ اگر میں مدد نہیں کرتا تو میری زمین خراب ہو جائے گی، بکر کو گھاس مارنے کے لئے زہر اور کھاد وغیرہ اور مزدوروں کی مزدوری دیتا رہا، دو سال کے بعد پودوں نے پھل دینا شروع کیا، جس سے بکر مستفیض ہوتا رہا، دس سال کے قریب ہو رہا ہے، بکر کا پچھلے سال میں انتقال ہوگیا ہے۔

اب حل طلب بات یہ ہے کہ بکر نے جو پودے زید کی زمین پر لگائے ہیں کیا بکر کی ملکیت مانی جائے گی؟ یہاں بکر کا کوئی وارث نہیں ہے، سب ہندوستان (میں ہیں)، جو دار الحرب ہے اور یہاں اسلامی مملکت ہے، زید خود پودوں کی نگہداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو نگرانی میں دینا چاہتا ہے، کوکا کے پودے ناریل کے درختوں کے نیچے لگائے جاتے ہیں، کیونکہ ان کو سایہ کی ضرورت ہوتی ہے، کوکا کے پودے کی عمر تخمیناً تیس سے چالیس سال کی ہوتی ہے، اب تک دس سال گزر چکے ہیں، زمین اور ناریل زید کے ہیں۔

(از پاکستان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد، وللمالك أن يضمن له قيمة بناء أو شجر أمر بقلعه إن نقصت الأرض به اهـ“ تنوير الأبصار.

– ضمناً“. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۱۱۶، رقم المادة: ۹۰۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

”وعلى الغاصب رد العين المغصوبة لقوله عليه السلام: ”على اليد ما أخذت حتى ترد“

(الهداية، كتاب الغصب: ۳/ ۳۷۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/ ۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) ”کوکا: سرخ کنول“۔ (فیروز اللغات ص ۱۰۴۰، فیروز سنز لاہور)

"قوله: (إن نقصت الأرض به) أي: نقصانا فاحشاً بحيث يفسدها،

أما لو نقصها قليلاً فيأخذ أرضه، ويقلع الأشجار، سائحاني عن المقدسي اهـ"

(الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه، كتاب الغصب: ١٢٤/٥)(١).

اگر ان پودوں کو اکھاڑنے اور کاٹنے سے زمین میں نقصان زیادہ ہو، تو ان پودوں کی قیمت جن کے کاٹ ڈالنے کا حکم ہے، پودا لگانے والے کے ورثاء کو دے دی جائے، پھر وہ پودے مالک زمین کے ہو جائیں گے،اس مرحوم کے ترکہ کی وراثت بھی تو کسی ہندوستان میں رہنے والے وارث کو ملی ہوگی، اسی طرح یہ قیمت بھی دے دی جائے، اختلاف دارین حق مسلم میں مانع من الارث نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۴۰۶ھ۔

دوسرے کی زمین اپنے نام کرالینا اور وعدہ خلافی کرنا

سوال[۱۱۰۱۹]: ا...... ایک صاحب ہیں، جن کا نام تھا رسول احمد، ان کے چار لڑکے تھے، اصغر حسین، سکندر حسین، روشن حسین اور امجد حسین۔ رسول احمد کی جملہ جائیداد ان چاروں بھائیوں میں تقسیم ہوئی اور اب تک چلی آرہی ہے۔ نیز اب بھی جملہ وارثین قابض ہیں، لیکن ۲۳ء کے بعد سکندر حسین کے صاحبزادوں

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، قبيل مطلب زرع في أرض الغير يعتبر عرف القرية: ١٩٣/٦، ١٩٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ٢١٢/٨-٢١٣، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ٣٢٩/٦، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "الرابع: اختلاف الدارين فيما بين الكفار عندنا، خلافاً للشافعي حقيقة أو حكماً، كمستامن وذمي، وكحربيين من دارين مختلفين، كتركي وهندي لانقطاع العصمة بخلاف المسلمين". (الدر المختار).

"(قوله بخلاف المسلمين) محترز قوله فيما بين الكفار أي: اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين". (رد المحتار، كتاب الفرائض: ٧٦٨/٦، سعيد)

"ولكن هذا الحكم في أهل الكفر لا في حق المسلمين، حتى إن المسلم إذا مات في دار الإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ٩/٥٦٥، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ٤٩٨/٤، مكتبه غفاريه كوئته)

نے دس گنا لگان (۱) ادا کر کے ایک مشترک زمین کو کسی طرح پوشیدہ طور پر اپنے نام کرالیا، جب ظاہر ہوا تو ان کے شراکت داروں نے لوگوں کو جمع کیا۔ لوگوں نے کافی محنت کی اور معاملہ طے ہوا کہ ہم ان کے نام بیع نامہ کرادیں گے۔

چنانچہ بیع نامہ کروادیا، لیکن داخل خارج (۲) نہیں کروایا، برابر ٹال مٹول کرتے رہے۔ بالآخر بقیہ لوگوں نے داخل خارج کا مقدمہ دائر کردیا، تب انہوں نے چند لوگوں کے سامنے وعدہ کیا کہ یہ لوگ مقدمہ لوٹا لیں اور ڈگری شدہ کریں، ہم ان کو ہر طرح سے دیں گے، لیکن ان کی منشا نہیں تھی اور میعاد بھی اپیل کی خارج ہوگئی۔

اب یہ لوگ بھی جنہوں نے اپنے نام کرالیا تھا، ان کا کہنا ہے کہ تمہارے والد امجد حسین نے کہا تھا کہ تم دس گنے ادا کرو، ہمیں زمین کی ضرورت نہیں، بہرکیف دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت کا شریعت کی رو سے ان صاحبان پر کیا مواخذہ ہوگا؟

۲۔ رسول احمد کے چاروں لڑکوں میں سے ایک لڑکا روشن تھا، ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام کلو تھا، ان کی شادی ہوئی، لیکن کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی بیوی، کلو ابن روشن کی زمین آگئی، کلو کی بیوی نے چند دن بعد دوسری جگہ نکاح کرلیا اور زمین برابر ان کے نام چلی گئی، کچھ دنوں بعد حاجی صاحب نے کچھ روپیہ دے کر زمین اپنے نام کرالی۔

لہٰذا اس طرح کرنا ان کو مناسب ہے یا نہیں؟ اور جب کلو ابن روشن کا انتقال ہوگیا تو ان کے وارث بقیہ تین لڑکے جو رسول احمد کے ہیں، یعنی امجد حسین، اصغر حسین، سکندر حسین۔ لہٰذا ان تینوں کو ان کا حق ملنا چاہیے یا نہیں؟ یا صرف سکندر حسین کو ملنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ حکومت نے زمینداری ختم کر کے جب تمام زمینوں کو اپنی ملک قرار دے لیا تو زمین سب سرکاری

---

(۱) "لگان: زمین کا خراج، باج، کر، سرکاری محصول، وہ آمدن جو زمین سے حاصل ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "داخل خارج: سرکاری رجسٹر میں جائیداد کے پہلے مالک کا نام خارج کر کے نئے مالک کے نام کا اندراج"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۲۱، فیروز سنز لاہور)

ہوگئی، زمیندار مالک نہیں ہے(۱)، پھر جس نے زمین کا داخل کرکے زمین اپنے نام کرالی، حسب قانون وہ اس کی ہوگئی، البتہ اگر غیر قانونی طریقہ پر دوسرے کی مقبوضہ زمین کو اپنے نام کرالیا تو یہ غصب اور ناجائز ہے(۲)، وعدہ کرکے اس کے خلاف کرنا بھی شرعاً مذموم ہے(۳)۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها" (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۵۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۲۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۲۲۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين"

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة" (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: ۲/۳۳، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه" (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲/۴۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، مير محمد كتب خانه)

(۳) عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر" (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

جب بیع نامہ کردیا، پھر دخل فوراً نہ کرنا بھی غلط حرکت ہے، حدیث پاک میں دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے سے منع فرمایا گیا اور اس پر سخت دھمکی دی گئی ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا ضروری ہے(۱)۔

۲... دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے، حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مقدمہ میں جو خرچہ ہوا اس کی ذمہ داری دھوکہ دینے والے پر ہے(۲)۔

قانون کی رو سے اگر زمین روشن کی بیوی کے نام ہوگئی اور اس کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، تو جس کا دل چاہے خریدے اس پر کوئی پابندی نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی زمین پر قبضہ کرکے اپنی زمین ظاہر کرنا

سوال[۱۱۰۲۰]: زید کے مکان سے متصل بکر کی زمین تھی: جس پر شرف کسی ایسے مسلمان کی بیکار

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "ثم حاصل ما ذكره في ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن، ولو بلا حق فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية البتة يضمن، وإن كان قد يغرم وقد لا يغرم لا يضمن، والفتوى على قول محمد من ضمان الساعي بغير حق مطلقاً ويعزر". (رد المحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۴/۹۹، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب، فصل: ۶/۲۰۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الغصب، فصل غصب: ۴/۱۱۵، دار المعرفة بيروت)

(۳) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

کھنڈر، کھنڈریے کی صورت میں ہے اور وہ کسٹوڈین (۱) کے قبضہ میں جاچکی ہے، اس زمین کا مالک کوئی مسلمان تھا، وہ پاکستان میں کہیں رہتا ہے اور اس کے یہاں موجود اعزاء، اقرباء یا وارث کون ہیں، اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور کسی کو مل بھی نہیں سکتی، کیونکہ کسٹوڈین نے ایک سندھی کو زمین دے دی ہے، لیکن زید کے ذاتی مکان کے نقشہ میں اتفاقاً یا جس طرح بھی ایسی پیمائش لکھی ہے، کہ وہ مذکورہ بالا زمین اس کے ذاتی مکان کے نقشہ میں پوری طرح ضم ہوجاتی ہے اور مکان سے ملی ہوئی ہے، اس لئے زید نے اس زمین کو اپنی ذاتی مکان کی زمین بتلا کرائے، ڈی، ایم میں اپنا دعویٰ کردیا اور پڑوس کے سندھی نے اپنا دعویٰ کردیا کہ مجھے کسٹوڈین سے میری پاکستان کی زمین کے معاوضہ میں دی ہے۔ فیصلہ زید کے حق میں ہوا، مذکورہ بالا صورت میں شرعاً عنداللہ زید کو زمین لینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسٹوڈین کے قبضہ کرنے اور سندھی کو معاوضہ میں دینے کی وجہ سے وہ زمین اس جانے والے کی ملک سے خارج ہوگئی (۲) اور سندھی کی ملک ہوگئی (۳)، اب زید کا غلط بیانی کرکے اس کو اپنی زمین ظاہر کرنا اور

---

(۱) "کسٹوڈین (Custodian): محافظ، نگران، رکھوالا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها"۔ (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) جب کسٹوڈین نے قبضہ کے بعد سندھی کو یہ زمین دوسری زمین کے معاوضے میں دے دی تو گویا کہ انہوں نے یہ زمین دوسری زمین کے بدلے بیچ دی اور بیع مکمل ہونے کے بعد مبیع پر مشتری اور ثمن پر بائع کی ملک ثابت ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ زمین پر سندھی کی ملک ثابت ہوگئی ہے۔

"وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً"

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

بذریعہ مقدمہ غلط ثبوت پیش کر کے اپنے مکان میں شامل کرنا جائز نہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی باتیں خوب بنا کر اپنا دعویٰ ثابت کر دیتا ہے، پس اگر کسی کی غلط بیانی کے بعد اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، جو کہ درحقیقت اس کا حق نہیں ہے تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس کو ہرگز نہیں لینا چاہئے۔ مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۲۷(۱) میں یہ حدیث موجود ہے، اس لئے دوسرے کا مکان لینے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے، لیکن اگر زید نے خود جھوٹ نہیں لکھوایا، بلکہ سرکاری نقشہ میں اندراج ہو کر وہ زید کو مل گئی، تو وہ ملک زید ہو گئی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحو ما أسمع فيه، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذنه، فإنما أقطع له قطعة من النار". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات: ۲/۳۲۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، ص: ۷۵۹، دارالسلام)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأحكام، باب قضية الحاكم لاتحل حراماً ولا تحرم حلالاً، ص: ۳۳۱، دارالسلام)

(۲) مذکورہ صورت میں یہ زمین حکومت کی طرف سے زید کو ہبہ ہوگی اور ہبہ میں قبضہ کے بعد موہوب پر موہوب لہ کی ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، رقم المادة: ۸۶۱: ۱/۴۷۳، مكتبه حنفيه كوئته)

"لايجوز الهبة إلا مقبوضةً، والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية، كتاب الهبة: ۳/۲۸۱، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

نابالغ سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا

سوال[۱۱۰۲۲]: نابالغ بچہ سے خرید وفروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نابالغ بچہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہو اور اس کے ولی کی طرف سے اجازت ہو، اس سے خرید وفروخت درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۱۴۰۲ھ۔

بچھوے کی بیع

سوال[۱۱۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ بچھوا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ جائز ہے اور پھر بھی کسی نے فروخت کر دیا تو اس کا ثمن (قیمت) کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچھوا غیر ماکول اللحم ہے(۲)، مگر خنزیر کی طرح کلیۃً محرم الانتفاع نہیں، پس اگر اس میں کوئی منفعت

---

(۱) "ومن البیع الموقوف: بیع الصبي المحجور الذي یعقل البیع والشراء، یتوقف بیعه وشراؤه علی إجازة والده، أو وصیه، أو جده، أو القاضي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الثاني عشر في أحکام البیع الموقوف وبیع أحد الشریکین: ۱۵۲/۳، رشیدیه)

"ولیس من شرائط العاقد البلوغ، فانعقد بیع الصبي وشراؤه موقوفاً علی إجازة ولیه". (البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۳/۵، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، فصل في البیع الموقوف: ۱۷۶/۲، رشیدیه)

(۲) "وکذلک مالیس له دم سائل مثل الحیة والوزغ وسام أبرص وجمیع الحشرات وهوام الأرض من الفأر والجراد والقنافذ والضب والیربوع وابن عرس ونحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشیاء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الثاني فیما یؤکل من الحیوان ومالا یؤکل: ۲۸۹/۵، رشیدیه) .... =

ہے تو اس کی بیع جائز ہے، جیسے کلب، فہد وغیرہ کی بیع جائز ہے اور ثمن کا استعمال کرنا درست ہے۔

قال الشامي: ٤/١١١، نعمانيه:

بعد نقل العبارات "ونقل السائحاني عن الهندية: ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. قال الحصكفي: والحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع، مجتبى واعتمده المصنف"(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۱/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۹۱/۱/۱۳ھ۔

لومڑی مینڈک وغیرہ کی بیع

سوال[۱۱۰۲۲]: لومڑی مینڈک اور کچھوا، بال وغیرہ کا خرید وفروخت کرنا اور اس آمدنی سے اپنا گذران کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لومڑی کی کھال دباغت دے کر کام میں لائی جاتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے(۲)، مینڈک کی کوئی

= "لا يؤكل ذوناب ومخلب من السبع ... والضبع والضب والزنبور والسلحفاة والحشرات". (كنز الدقائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لايحل، ص: ٤١٩، حقانيه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠٤، سعيد)

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٦٩، سعيد)

"وفي النوازل: ويجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية، وإن كان لاينتفع بها لايجوز، والصحيح: أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به، كذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ٣/١١٤، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/٤١، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ٦/١٤٧، ١٤٨، رشيديه)

(٢) "وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مدبوغاً أو مذبوحاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به =

چیز جائز طور پر استعمال کی جاتی ہو تو اس کی تجارت بھی درست ہے(۱)، یہی حال کھال کا ہے(۲)، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ مردار (مرے ہوئے) جانور کی بیع جائز نہیں، بلکہ بیع باطل ہے(۳)، جانوروں کے بال بھی کام میں آتے ہیں، ان کی تجارت بھی درست ہے(۴)، البتہ انسان کے بال بیچنا اور خریدنا بالکل جائز نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہے(۵)، خنزیر نجس العین ہے(۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

= شرعاً لكان مالاً". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع: ۴/۳۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه ... (وبعده يباع وينتفع به) ... ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الزكاة، كجلود الميتة بعد الدبغ، فيجوز بيعها". (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيدية)

"و بيع جلود الميتة باطل إذا لم تكن مذبوحة أو مدبوغة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۲/۱۳۳، رشيدية)

(۱) "الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۸۴، مكتبه غفاريه كوئته)

"يجوز بيع الحيوانات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه أي: من حيوانات البحر أو غيرها". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۹، سعيد)

"والصحيح: أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به ... ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۳/۱۱۴، رشيدية)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۴۹، شركت علميه ملتان)

"ولا يجوز بيع الحر والخمر والخنزير والميتة، كذا في التهذيب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع المحرمات: ۳/۱۱۶، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعيد) ■

زمین کی بیع ہونے کے بعد رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حکم

سوال [۱۱۰۲۵]: عبدالحمید خاں نے محمد عاشق سے ایک زمین کا ساڑھے چار سو روپیہ میں سودا کیا، وہ زمین اس کی اہلیہ کی تھی، بحیثیت شوہر یہ معاملہ کیا، محمد عاشق خاں کو مسجد میں نمازیوں کے سامنے روپیہ ادا کئے ہیں اور زمین پر قبضہ کرلیا اور باقاعدہ رجسٹری کے لئے اس کو عبدالحمید خاں کہتا رہا، مگر اس نے کہا کر کردیں گے، ہم تمہارے سے واپس نہیں لیتے، کئی سال کے بعد اس نے زمین دوسرے کے ہاتھ فروخت کروائی اور چک بندی کے دوران چک پر قبضہ کرلیا اور مشتری کو جواب دیتا ہے کہ تم نے بہت عرصہ اس سے فائدہ اٹھایا ہے، لہٰذا اس بائع کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس نے نہ روپیہ واپس کیا اور زمین بھی چھین لی، آپ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمین کا معاملۂ بیع کامکمل ہوگیا اور قیمت بھی ادا کردی گئی اور مشتری نے زمین پر قبضہ بھی کرلیا تو محض رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ میں کوئی کمی نہیں رہی (۱)، پھر بائع کو زمین واپس چھیننے کا کوئی حق نہیں

= (۴) راجع رقم الحاشیة: ۱

(۵) "(وشعر الإنسان والانتفاع به) أي: لم يجز بيعه والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيديه)

"ولا يجوز بيع شعور الإنسان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الخامس الخ: ۳/۱۱۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۸، سعيد)

(۶) "(وشعر الخنزير) لكونه نجس العين كاملة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۲، رشيديه)

"بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به: ۱/۴۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۱، سعيد)

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت) .... =

رہا بائع، پس وہ اس حرکت کی وجہ سے غاصب اور ظالم ہے(۱)، اس کے ذمہ لازم ہے کہ زمین مشتری کے حوالہ کردے(۲) یا اگر وہ رضامند ہو تو اس کی قیمت دے دے، ورنہ اس کا وبال دنیا میں بھی بھگتے گا اور آخرت میں بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کسی چیز کو قسطوں پر خریدنے کا حکم

سوال[۱۱۰۴۲]: کچھ دکاندار سائیکل، سلائی مشین، انجن وغیرہ قسطوں پر فروخت کرتے ہیں اور

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۱) "(اعلم) بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) ... وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه" (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶ (جزء: ۱۱)، ص: ۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة ... وصفته: أنه حرام محرم على الغاصب ذلك" (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۲۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۹، سعيد)

(۲) "(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والغرم هالكة ..." (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، ۱۸۰، سعيد)

"وحكمه: وجوب رد المغصوب إن كان قائماً، ومثله إن كان هالكاً أو قيمته". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۲۵، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۵/۱۱۹، رشيدية)

اس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ اکثر سو روپیہ کی قسط ہوتی ہے اور دس سال تک دس روپیہ ماہانہ حساب سے وصول کرتے ہیں، تو اس طریقہ سے وہ ایک سال میں ایک سو بیس روپے ہو جاتے ہیں، نقد اگر خرید اجائے تو ایک سو روپے میں اور قسط وار ایک سو بیس روپے میں پڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں عموماً فرق ہوتا ہی ہے، اس میں مضائقہ نہیں(۱)، مگر ایسا نہ ہو کہ کسی قسط کے وقت پر ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی چیز، سائیکل، مشین وغیرہ کی واپس ہو جائے اور ادا شدہ رقم بھی ضبط ہو جائے کہ یہ ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

مبیع کی قیمت بڑھا کر قسطوں پر بیچنا

سوال[۱۰۲۷۱]: کاشت کرنے والوں کے لئے ٹریکٹر بے انتہا ضرورت کی چیز بن گئی ہے اور یہ

---

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۳/۷۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۵/۱۴۲، سعيد)

(۲) "قوله: (لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱-۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دار المعرفة بيروت)

چیز بازاروں میں نہیں ملتی ہے، یہ صرف مالی بینک سے ہی میسر آتا ہے۔ جس کی شکل یہ ہے کہ مالی بینک خریداری کی سہولت کے لئے ایک خاص رقم کے کئی بلاک متعین کرتی ہے، جس میں خریدار کو متعینہ مدت میں دن کے ساتھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے، تو اس سوال میں قابلِ طلب دو چیزیں ہیں:

1. مالی بینک سے زرِ نقد اور شکل کے ساتھ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟
2. اس میں سود ہے یا سود کی کوئی شکل ہے یا سود نہیں ہے، جو حقیقت ہو بیان فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

1. خرید سکتے ہیں(۱)۔
2. نقد کے اعتبار سے ادھار کی قیمت عامۃً کچھ زیادہ ہوتی ہے، اس طرح قیمت تجویز کرلی جاوے کہ اتنی قسطوں میں پوری قیمت ادا کی جائے گی اور ہر قسط میں رقم اتنی ہوگی، جو نقد سے کچھ زیادہ ہے، اس زیادتی کا نام سود ہے، یہ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے سود نہیں، مالی بینک جو نام چاہے تجویز کرے، احکامِ شرعی اس کے تابع نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

گورنمنٹ سے نیلام پر زمین خریدنا

سوال [۱۰۰۰۸]: بکر کے والد زید نے عمرو (جو کہ مسلم کاروباری ہے) سے تجارۃً زمین رہائش کے لئے دی تھی، اور یہ طے ہوگیا تھا کہ بوقتِ ضرورت واپس لے لی جائے گی، بعد عمرو کی وفات کے اس زمین

---

(۱) "وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۲۳۳/۱، سعيد)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۷۸/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً.

۱۹۴۷ء تک زندہ رہی، پھر ہنگامی حالات سے متأثر ہو کر پاکستان ہجرت کر گئے، ہندو عروتی اوقاف میں سے صرف ایک آدمی اسحاق کی مسلم یہاں رہ گیا، جو کہ اس رقبہ میں سے اپنے حصہ پر قابض ہے، گورنمنٹ نے مسلم کے حصہ کے علاوہ باقی حصہ کو متروکہ قرار دے دیا، میر اسحاق زید کا چچا تھا جو پورے عرصہ سے کھیتی پر موجود ہے، گوچہ رقبہ متنازعہ تھا، مگر گورنمنٹ نے موقع پر فرضی پارٹ سکونت میں داخل کر دیا اور پھر اس کو ۱۹۷۲ء میں نیلام کیا، جو تب نیلامی کے خریدار حاضر تھے، اسحاق مسلم (بکر) نے خوب حوصلہ کے ساتھ بولی لگائی، مگر بکر نے مسلم سے زیادہ پیسے چڑھا کر اس رقبہ کو خرید لیا۔

اب مسلم یہ کہتا ہے کہ جناب تمہارے لئے اس کو خریدنا جائز نہیں، چونکہ میرے باپ دادا اس رقبہ میں رہتے چلے آئے ہیں، بکر کہتا ہے کہ تمہارے لئے اس کو خریدنا جائز نہیں، یہ رقبہ میرا متروکہ ہے، لہٰذا میں حق پر ہوں۔ مسلم چونکہ پہلے سے کچھ رقبہ پر قابض تھا، اس نے قبضہ بدستور رکھتے ہوئے مقدمہ دائر کر دیا، لیکن بکر نے عدالت میں کاغذی کارروائی کے اعتبار سے ملکیت لی اور قبضہ بھی سرکار سے وصول کر لیا، مگر مسلم پھر بھی یہی کہتا ہے کہ بکر کا اس رقبہ پر قبضہ کرنا اور خریدنا مطلقاً جائز نہیں، آپ شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرما دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب گورنمنٹ نے اس پر استیلاء کر کے مالکانہ قبضہ کر لیا، پھر اس کو نیلام کیا، تو جس نے اس کو خریدا وہ مالک ہوگا، پہلے مالک یا اس کے ورثہ کا اب حق باقی نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۹ھ۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۵۷، سعيد)

"وأما حكمه: ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۲۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبة غفارية كوئٹه)

قیمت میں پیسے کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی دینے کا مطالبہ کرنا

سوال[۱۰۰۲۹]: ایک شخص نے آم یا کوئی دوسرا باغ بیچتے وقت باغ کی بہار لینے والے سے یہ کہا کہ میں مثلاً: دو ہزار روپے لوں گا اور ۵/من آم لوں گا، تو کیا ایسی بھی کوئی صورت ہے کہ جس میں بیع درست ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۵/من آم کی صفات اسی طرح بیان کردی گئیں کہ کوئی نقصان نہیں رہا ہے اور یہ شرط نہیں کی گئی کہ اس باغ کے یا فلاں درخت کے ہوں گے، بلکہ خریدنے والے کو اختیار ہے کہ وہ بازار سے خرید کر دے دے تو یہ معاملہ اس طرح درست ہے، یہ ۵/من آم مستثنیٰ نہیں، بلکہ جزو ثمن ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۳۹۵ھ۔

تالاب کے پانی کی بیع

سوال[۱۰۰۳۰]: یہاں تقریباً ہر ایک کے پاس تالاب ہوتے ہیں اور ان تالابوں کے قرب وجوار میں زمین بھی ہوتی ہے، ان زمینوں میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، زمین والا تالاب کا پانی جو کہ تالاب میں موجود ہے، تالاب والے سے خرید لیتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیع مجہول تو نہیں ہے؟

---

(۱) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه، أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد، والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز: أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر، كما يجوز أن يكون مشاراً إليه يجوز أن يكون ديناً في الذمة، ثم إذا جاز، يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان الخ: ۴/۴۴۴، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، ۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۱، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گڑھا کھود کر تالاب بنایا گیا اور پانی کو اس میں محفوظ رکھا گیا، اس کی حفاظت اور نگرانی کی گئی تو جس قدر پانی تالاب میں سامنے موجود ہے، اس کی بیع درست ہے(۱)، اگرچہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو، مشار الیہ جب سامنے ہو، تو اس کی مقدار معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، جب کہ اس کل کی بیع بصفقۂ واحدہ کی جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

تالاب سے مچھلی پکڑ کر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۲۱]: زید نے ایک تالاب گورنمنٹ سے دس سال کے لئے خریدا اور اس میں سے مچھلی

---

(۱) "وأما بيع ماء جمعه الإنسان في حوضه، ذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده في شرح كتاب الشرب: أن الحوض إذا كان مجصصاً أو كان الحوض من نحاس أو صفرة جاز البيع على كل حال، وكأنه جعل صاحب الحوض محرزاً للماء بجعله في حوضه، ولكن يشترط أن ينقطع الجري، حتى لا يختلط المبيع بغير المبيع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل السابع في بيع الماء والجمد: ۳/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، بيع الماء والكلاء: ۱۴/۱۹۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: صاحب البئر لا يملك الماء: ۵/۶۷، سعيد)

(۲) "قال: والأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف، وجهالة الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة". (الهداية، كتاب البيوع: ۳/۲۰، مكتبه شركت علميه)

"قال رحمه الله تعالى: (والأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها) الأعواض المشار إليها ثمناً كانت أو مثمناً لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف المنافي للجهالة المفضية إلى المنازعة المانعة من التسليم والتسلم اللذين أوجبهما عقد البيع، فإن جهالة الوصف لا تفضي إلى المنازعة، لوجود ما هو أقوى منه في التعريف". (شرح العناية على هامش فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۵۹، ۲۶۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۵۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

پکڑ کر بازار میں فروخت کرتے ہیں تو کیا یہ شرعاً درست ہے؟ یعنی خاص مچھلی پکڑنے کے لئے تالاب خریدا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مچھلی خود پیدا ہوئی اس کو فروخت کرنا بغیر اس کو پکڑے ہوئے شرعاً درست نہیں (۱) اور اس مقصد کے لئے تالاب کرایہ پر لینا بھی درست نہیں، لیکن اگر مچھلی کا بیج اس میں ڈال کر پرورش کی جائے تو اس پر پابندی عائد کردینا کہ کوئی اور شخص نہ پکڑنے پائے، درست ہے، اسی طرح اگر تالاب کرایہ پر لیا اور اس میں بیج ڈالا، مچھلی کی تربیت اور پرورش کی، پھر پکڑ کر فروخت کیا تو اس کا پکڑنا اور فروخت کرنا سب درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]/۱۴۰۰ھ۔

درخت کی بیع اور اس سے اگنے والی شاخوں کا حکم

سوال[۱۰۴۴۲]: زید درخت بغیر زمین کے زید نے بکر کو فروخت کیا، مگر عرصہ دراز سے اس پر قابض ہے، اس درخت سے لکڑیاں وغیرہ زید ہی چھانٹ رہا ہے۔ مذکورہ صورت میں دریافت کرنا ہے کہ زید درخت کا بغیر زمین کے بیچنا اور اس کو بائع کی زمین پر اس عرصہ تک رکھ کر لکڑیاں حاصل کرنا کہ نئی شاخ اور اصل درخت کا بڑھنا جو عقد البیع مجہول تھا، اس کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(والسمک قبل الصید) أي: لم یجز بیعه لکونه باع ما لا یملکه، فیکون باطلاً" (البحر الرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۶/۱۲۹، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۶۰، سعید)

(وکذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/۱۷۴، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "والحاصل کما في الفتح: أنه إذا دخل السمک في حظیرة، فإما أن یعدها لذلک أو لا، ففي الأول یملکه، ولیس لأحد أخذه، ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة جاز بیعه ... وفي الثاني لا یملکه فلا یجوز بیعه لعدم الملک إلا أن یسد الحظیرة إذا دخل فحینئذ یملکه ... وإن لم یعدها لذلک، لکنه أخذه وأرسله فیها ملکه" (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۶/۱۲۹، رشیدیه)

(وکذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/۱۷۴، میر محمد کتب خانه کراچی)

صورتِ مسئولہ میں جب درخت زندہ فروخت کیا گیا اور یہ شرط نہیں کی گئی کہ اس کو کاٹ لیا جائے، نہ مشتری نے کہا کہ میں کاٹنے کے لئے خرید تا ہوں، تو اس پر جس قدر اور جو شاخیں پیدا ہوں، تو وہ سب مشتری کی ملک ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سود سے بچنے کے لئے اصل قیمت سے زائد پر بیچنا

سوال[۱۱۰۳۳]: ہمارے یہاں بازار کا عرف یہ ہے کہ ہر آڑھت دار(۲) کے بارے میں مزدور، کاریگر وبائع بھی یہ جانتا ہے کہ قیمت اس کو نقد نہیں ملے گی، نیز ہر آڑھت دار کا طریق جدا جدا ہے، کوئی پندرہ تیس دن کے بعد قیمت بصورتِ نقد چکا دیتا ہے، کوئی کچھ نقد دیتا ہے اور کچھ کے بدلے سوت دیتا ہے، کوئی کل کا سوت دیتا ہے، یہ تمام تفصیلات قریب قریب فی الجملہ تمام کاریگروں کو ہر آڑھت دار کے بارے میں معلوم رہتی ہیں، مزدور چاہے طوعاً چاہے کرہاً مگر معاملہ اسی طریقے سے رکھتے ہیں اور لین دین جاری رہتا ہے، لیکن جو لوگ نقد کے بجائے سوت دیتے ہیں، وہ بجائے اپنے کن طرزات اصول کے مطابق سوت کو اصل بازار سے دو تین روپیہ بڑھا کر دیتے ہیں، یعنی اگر بازار میں سوت کا بھاؤ ۵۵ روپیہ ہے تو وہ ۵۶ یا ۵۷ میں دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو سوت پر بڑھا کر لی گئی ہے، وہ کیسی ہے؟ جب کہ کاریگر جانتے ہیں کہ اس آڑھت دار کے یہاں اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا۔

بطورِ وضاحت مکرر عرض ہے کہ بازار میں یہ طرزِ معاملہ کا جز بن گیا ہے اور لوگ اسی طرح طوعاً وکرہاً معاملہ کرتے ہیں، مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ معروف ومروج طریق پر سوت پر ایک دو روپیہ زائد لینے والی رقم کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ حلال ہے، مکروہ ہے، حرام ہے؟

دوسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ دو آدمیوں نے اسی طرح کی آڑھت کا شرکت میں کاروبار شروع

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب المخصص فيما يدخل تحت البيع الخ: ۳/۳۵، ۳۶، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) ''آڑھت: دکان یا کوٹھی جہاں سوداگروں کا مال کمیشن لے کر بیچا جاتا ہے۔ دلالی، دستوری، ایجنسی، کمیشن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷، فیروز سنز لاہور)

گیا، کچھ دنوں کے بعد ایک نے خلاف مروت سمجھ کر اس طریقِ عمل کی مخالفت شروع کی، مگر دوسرا اپنے طریقے پر بدستور کاربند رہا، پہلا اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ یکایک شرکت سے جدا ہو جائے، اس لئے کہ ایسا بغیر نقصان عظیم کے ممکن نہیں، آخر اسی طرح کاروبار چلتا رہا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جدائیگی تک نوبت پہنچی، تقسیم کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جتنی رقم خلاف مروت طریق پر لی گئی تھی، قریب قریب اتنی ہی ڈوب بھی گئی، گویا قدرتی نظام نے ڈبل برابر کر دیا، لیکن کھاتے اعلان کرتا رہا کہ ڈھائی ہزار سوت پر فائدہ ہوا، چنانچہ اسی حساب سے وہ رقم ہر ایک کو ملی، اب یہ بتائیے کہ یہ رقم فی نفسہ کیسی ہے اور شخص اول کے اعذار کو سامنے رکھ کر اس کے حق میں کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل قیمت "نقد" لازم ہو، مگر بجائے اس نقد کے سوت دیتا ہے اور سوت بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ دیتا ہے، تو اس کا معاملہ اس فرق کے ساتھ طے کر لینا بھی درست ہے، ناجائز نہیں (۱)۔ بصورت شرکت اس قسم کی رقم ملے تو وہ بھی ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۱ھ۔

جواب صحیح ہے اور تنقیح یہ ہے کہ کپڑے کی نقد قیمت طے ہو کر متعین ہو کر بائع کو بھی معلوم ہو چکی ہو۔

العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند

بیع پختہ ہو جانے کے بعد بائع کا شرط لگانا

سوال [۱۱۰۴۴]: عمرو نے زید کو بغیر کسی شرط کے زمین فروخت کی، مگر روپیہ لینے کے بعد عمرو زمین نہ دے کر اس میں شرط لگا رہا ہے، عمرو کا ایسا شرط لگانا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "چونکہ صورت مسئولہ میں بائع اپنی چیز کے بدلے میں بطور ثمن نقدی کے بجائے سوت (اگرچہ بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ ہو) لینے پر راضی ہے اور سوت میں ثمن بننے کی صلاحیت بھی ہے، لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے:

"إذا باع عبداً بثوب موصوف في الذمة إلى أجل جاز ويكون بيعاً في حق العبد". (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۴۹۳/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب البيوع: ۳۳۳/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۴/۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا ایجاب وقبول ہوجانے کے بعد کوئی شرط لگانا درست نہیں، اب کوئی حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۳ھ۔

ناوارِ ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

سوال [۱۱۰۳۵]: بہت سے لوگ غلہ خرید کر جس بھاؤ کا ہوتا ہے، اس بھاؤ کو لوگوں کو دے دیتے ہیں اور فصل کے آنے پر جس بھاؤ کا ہوتا ہے اس سے لے لیتے ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا اس وقت کے بھاؤ کے موافق درست ہے(۲)، ان سے

---

(۱) بیع تام ہوجانے کے بعد مبیع پر مشتری کا ملک ثابت ہوگیا، اب بائع کو اس میں کسی قسم کے تصرف یا شرط لگانے کا اختیار نہیں ہے۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/ ۳، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/ ۴۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/ ۳، رشيديه)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ومن اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها، فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية: ۳/ ۱۶۱، رشيديه)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۴/ ۲۰۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۵/ ۲۵۴، إمداديه)

قیمت لے لی جائے، پھر جب فصل آئے تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق جس طرح ہر شخص کو خریدنا درست ہے، اس کو بھی خریدنا درست ہے، جس نے ان کے ہاتھ فروخت کیا تھا، لیکن قرض ان کے ہاتھ فروخت کرنا، اس طرح کہ مثلاً دو سو روپے کا غلہ فروخت کیا، پھر فصل آنے پر اس غلہ کے عوض اس سے زیادہ وزن لینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

مردار کی کھال پر نمک لگا کر بیچنا

سوال [۱۱۰۲۹]: مردہ مویشی کی کھال پر صرف نمک مل دینے سے بیچنا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردہ مویشی کی کھال پر نمک لگانے سے اگر وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو اس کا خریدنا اور بیچنا درست ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۳۳، حقانية)

(۲) "(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه (وبعده يباع وينتفع به) وقيد بالميتة؛ لأن جلد المذكاة يجوز بيعه قبل الدباغة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيدية)

"وبيع جلود الميتات باطل، إذا لم تكن مدبوغة أو مدموغة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۲/۱۳۳، رشيدية) =

گیلی کھال کی خرید وفروخت

سوال[۱۱۰۳۷]: مردہ جانور یعنی شیر چیتا وغیرہ کی گیلی کھال خرید کر پھر اس کو نمک وغیرہ لگا کر خشک کر کے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار جانوروں کی تازہ کھال (بغیر دباغت دیئے) خریدنا جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے، ہاں! اس کھال کو نمک وغیرہ لگا کر ایسا بنا دیا جائے کہ وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو اس کو فروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے، سوائے خنزیر کے(۱)۔

مچھلی تالاب سے نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۸]: اگر مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کردی جائے تو کوئی شرعی قباحت درکوٹ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کردینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وجلد میتة قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل، وبعده أي: بعد الدبغ يباع".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

(۱) "(وجلد ميتة قبل الدبغ) لو بالعرض ولو بالثمن فباطل. ولم يفصله هنا اعتماداً على ما سبق فإنه ألوى للحفظ (وبعده) أي: الدبغ (يباع) إلا جلد إنسان وخنزير". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۳، سعيد)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه، لأنه غير منتفع به ... (وبعده يباع وينتفع به)".

(البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيديه)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب البيوع، البيع الفاسد: ۲/۱۷۳، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) جب اس نے مچھلیاں پکڑ لیں تو وہ اس کا مالک ہو گیا، پھر جس کو چاہے، جس طرح چاہے، بیچ سکتا ہے۔ =

بادلی ملاح کے ہاتھ مچھلی فروخت کرنا

سوال [۱۱۰۳۹]: ملاح سے ایک مشت قیمت طے کر کے روپیہ کچھ پیشگی دے، کچھ بعد میں لیا جائے اور مچھلی نکلوا کر وزن کر کے دے دی جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ قیمت مجرا ہوتی رہے، کیا یہ صورت ممکن ہے کہ مسلم بادلی ملاح کے ہاتھ کر دی جائے اور ملاح جس طرح چاہے مچھلی نکالے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ملاح سے ایک مشت قیمت طے کر کے کچھ پیشگی روپیہ بطور بیع نامہ لینا بھی درست ہے(۱)، پھر بقیہ

= "(قوله: وفسد بيع سمك لم يصد) لو بالعرض (الخ): ظاهره أن الفاسد بيع السمك، وأنه يملك بالقبض". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۳/۱۱۳، رشيدية)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "قوله: نهى عن بيع العربان... وروي عن ابن عمر وجماعة من التابعين إجازته، ويرد العربان على كل حال. قال ابن عبد البر: ولا يصح ما روي عنه صلى الله تعالى عليه وسلم من إجازته، فإن صح احتمل أنه يحتسب على البائع من الثمن إن تم البيع، وهذا جائز عند الجميع". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۴/۱۷۴، إدارة القرآن كراچی)

"قوله: نهى عن بيع العربان... وأما العربان الذي لم ينه عنه فهو: أن يبتاع منه ثوباً أو غيره بالخيار، فيدفع إليه بعض الثمن مصروفاً عليه، إن كان مما لا يعرف بعينه حتى أنه إن رضي كان من الثمن، وإن كره رجع إليه ذلك، لأنه ليس فيه خطر يمنع صحته". (كشف المغطا عن وجه الموطأ على موطأ =

روپیہ مچھلی نکلوا کردینے پر وصول کرلیا جائے۔

وہ قطعہ زمین جس میں باولی ہے، ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست ہے، پھر ملاح کو اختیار ہے، وہ مالک ہے، جب چاہے، جس طرح چاہے، اُس میں تصرف کرے(۱)، اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

جواب صحیح ہے اور یہ جو رواج ہے کہ مسلم باولی ملاح کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، پھر ملاح حسب منشاء مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرتا ہے، یہ درست نہیں، اس لئے کہ اس میں زمین تو فروخت نہیں ہوئی، صرف مچھلیاں فروخت ہوئی ہیں اور مچھلیوں کا اس طرح فروخت کرنا درست نہیں، یہ بیع مالم یقبض ہوجاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

= الإمام مالک، کتاب البیوع، ص: ۵۶۸، قدیمی)

(۱) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لایمنع أحد من التصرف في ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في ردالمحتار، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعید)

(۲) "(و) فسد (بیع السمک لم یصد)". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۶۰، سعید)

"(و) لایجوز بیع (سمک لم یصد)؛ لأنه بیع مالا یملکه، کما في أکثر الکتب". (مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۵۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع في بیع الحیوانات: ۳/۱۱۳، رشیدیه)

اگربتی مزار پر جلانے کے لئے خریدنا

سوال[۱۰۴۰۰]: ایک شخص اگربتی، لوبان، خوشبوئی تجارت کرتا ہے، لوگ اس سے خرید کر دیوی، دیوتا(۱) کے پاس جلاتے ہیں اور جاہل مسلمان مزارات پر جلاتے ہیں، ایسی حالت میں یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی اور لوبان کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، جو لوگ اس کو خرید کر غلط طرح استعمال کریں گے، وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

گنے یا آلو کا کھڑا کھیت فروخت کرنا

سوال[۱۰۴۰۱]: کسی چیز کا اس شرط پر خریدنا یا بیچنا جیسے: گنے کا کھڑا کھیت یا آلو کا کھڑا کھیت، جس کو "پٹہ" کہا جاتا ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریدار کو اس چیز کا پورا علم ہے اور کوئی شرط اس میں خلاف شرع نہیں(۳) تو اس طرح بیچنا اور خریدنا

---

(۱) "دیوتا: بتوں کا اوتار، معبود، بھلائی کرنے والا، تاک، سانپ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لایکرہ بیع الجاریۃ المغنیۃ، والکبش النطوح، والدیک المقاتل، والحمامۃ الطیارۃ؛ لأنہ لیس عینھا منکراً، وإنما المنکر في استعمالہ المحظور". (تبیین الحقائق، کتاب السیر، باب البغاۃ: ۳/۹۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"ولا بأس بأن یوجر المسلم دار أمن الذمي یسکنھا، فإن شرب فیھا الخمر، أو عبد فیھا الصلیب، أو دخل فیھا الخنزیر لم یلحق المسلم إثم في شيء من ذلک؛ لأنہ لم یؤاجرھا لذلک، والمعصیۃ في فعل المستاجر". (المبسوط للسرخسي، کتاب البیوع، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۱۶/۳۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب السیر، باب البغاۃ: ۵/۲۳۸، رشیدیہ)

(۳) "وأما شرائط الصحۃ فعامۃ وخاصۃ، فالعامۃ: لکل بیع ما ھو شرط الانعقاد ... ومنھا الخلو عن —

درست ہے(۱)، اپنی خریدی ہوئی چیز لے کر اپنا قبضہ کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۱ھ۔

تانبے پیتل وغیرہ کی ادھار بیع کرنا

سوال[۱۱۰۴۲]: تانبہ پیتل، لوہے کا کاروبار ادھار خرید کر فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

= الشرط الفاسد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وحكمه وأنواعه: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(۱) "وفي فتاوى أبي الليث: أرض بين رجلين فيها زرع لهما باع أحدهما نصف الزرع الذي هو نصيبه من غير شريكه بدون الأرض فإن كان الزرع مدركاً يجوز، وإن كان غير مدرك لايجوز إلا برضا صاحبه باع مطلقاً، أو بشرط القطع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وانزال الكرم والأوراق الخ: ۱۰۸/۳، رشيديه)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده يجوز". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۲۵۱/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، فصل يدخل البنا والمفاتيح في بيع الدار: ۵۰۳/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

(۲) "ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوماً لإطلاق قوله تعالى: ﴿وأحل الله البيع﴾ وما بثمن مؤجل بيع". (فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۴/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵۲۶/۵، رشيديه)

قانونی تحفظ کے لئے زمین کا دوسرے کے نام کاغذی اندراج کرانا

سوال [۱۱۰۴۳]: مسئلہ دستخط مولانا تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد والقعدہ کی مدد سے تیار کیا گیا تھا، جس میں مختلف عنوانات سے متعدد فتاویٰ زمیندار وکاشتکار کے درج ہیں، جس کے دیکھنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ زمیندار زمین کا مالک ہوتا اور اسی کی ملکیت ہے اور کاشتکار زمین کرایہ پر لے کر کاشت کرتا ہے، اگر کسی وجہ سے کاشتکار سے زمین زمیندار واپس لینا خالی کرانا چاہے، کاشتکار اپنا قبضہ نہ چھوڑے، خالی نہ کرے، تو اس نے زمین غصب کرلی یعنی خلاف مرضی زمیندار کے زمین کاشتکار اپنے قبضہ میں رکھے گا تو اس کی آمدنی پیداوار فصل کاشتکار کے لئے حرام اور ناجائز ہے۔

چونکہ موجودہ زمانہ میں حکومت نے زمینداری ختم کرکے خود زمیندار بھی ہوگئی ہے، پہلے زمیندار پبلک تھی، اب خود حکومت ہے، اس فرق سے تو مسئلہ کی نوعیت نہیں بدلی، یہ بالکل صحیح ہے، کہ زید نے اپنی زائد زمین قانونی تحفظ کے لئے بچے ناموں لوگوں کے نام کاغذی اندراج کرادیا تھا اور زمین پر اپنا قبضہ وتصرف رکھا اور اس کی آمدنی پیداوار میں فصل خود تصرف کرتا رہا۔

بس یہی اشکال ہے کہ حکومت زمیندار ہے، اس کی مرضی کے خلاف زید اپنی زائد زمین سے مذکورہ تدبیر سے اپنا تصرف ونفع حاصل کر رہا ہے، زید کے لئے آمدنی مذکور حرام ناجائز ہے یا حلال؟ زید نے جن لوگوں کے نام زمین پر کاغذی اندراج کرایا ہے، ان میں سے اگر کوئی پھوٹ جاوے، اپنے نام فرضی اندراج کی رپورٹ حکومت کے سیلنگ دفتر میں کردے، تو حکومت فوراً ہی زمین مذکور ضبط کرلے گی۔ یہ پہلے استفتاء میں واضح کیا جاچکا ہے کہ زید کی زمینداری ختم ہوجانے سے اس کے شرائط بھی زمیندار سے ختم ہوگئے، لہٰذا جو حکم شرعاً ثابت ہو تحریر فرمایا جائے۔

محمد ماجد علی، بی پی پورہ، پاسورٹی پور، اعظم گڈھ، یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جو زمین جس کو دے کر اس کو فروخت کرنے کا حق بھی دے دیا، ظاہر ہے کہ اس کو مالک بنا دیا، ورنہ ملکِ غیر کا فروخت کرنا تو بے محل ہے(۱)، مالک کی زمین پر اگر قانونی اختیار دینے والا ہو اور وہ دفع

---

(۱) "أما شرائط الانعقاد فأنواع ..... وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه =

استیلاء کی تدبیر اختیار کرے، جس سے اپنی ملک کا تحفظ مطلوب ہو، تو یہ ممنوع نہیں (۱)، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ موروثی کاشت ناجائز ہونے کے متعلق ہیں، جن کی بناء پر رفع استیلاء کے مالک ہیں (۲)۔

وبین الدفع والرفع بون ظاهر.

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

دوسرے کے نام زمین وجائیداد خریدنا

سوال [۱۱۰۴۴]: میرا بھانجہ محمد اکرام ڈھائی سال کا تھا کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور میری بہن لے کر میرے یہاں یعنی میکے چلی آئی، اس کی پرورش وپرداخت میرے گھر پر ہوئی، سارے اخراجات وغیرہ میرے ہی ذمہ رہے، شروع میں میرے بھانجے کے عادات واخلاق ہی گر چکے تھے، لیکن میں ان کے حق میں دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھانجے کو راہ راست پر لگادے، اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی، چنانچہ میرا بھانجہ جب تقریباً ۲۰ سال کا ہوا تو ۲۸ء کو حج بیت اللہ کو گیا اور جانے سے پہلے سارا اثاثہ ان کے

= لنفسه فلا ينعقد بيع الكلاء، ولو في أرض مملوكة له ولا بيع ماليس مملوكاً له، وإن ملكه بعده".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، ۳، رشيديه)

"وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۱) "﴿فقال إني سقيم﴾ (الصافات: ۸۹) وقال الضحاك: معنى "سقيم" سأسقم سقم الموت؛ لأن من كتب عليه الموت يسقم في الغالب ثم يموت، وهذا تورية وتعريض، كما قال للملك لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحكام القرآن للقرطبي، الجزء الخامس عشر: ۹۲/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۷/۶، سعيد)

(۲) (امداد الفتاویٰ، کتاب الزراعة: ۵۲۰/۳–۵۳۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

لکھ دیا اور قبضہ کرادیا وہ اس کا ہوگیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

لفافہ کے ساتھ چینی تول کر دینا

سوال [۱۱۰۴۵]: دکان دار چینی لفافہ میں تول کر دیتا ہے، جب کہ لفافہ کی قیمت بھی ہے اور اس کا کچھ وزن بھی ہے، اسی وزن کی چینی گاہک کو کم ملتی ہے، کیا یہ لینا دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لینے والا اور دینے والا راضی ہو تو درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۷ھ۔

دو سال بعد خیارِ عیب کا حکم

سوال [۱۱۰۴۶]: میں نے مہاجن (۳) سے ایک مشین خریدی، خریدتے وقت اس کی یہ شرط تھی

---

(۱) "(هي) ــــ وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي بلاعوض ــــ (و) شرائط صحتها (في الموهوب أن يكون مقبوضاً ــــ) ــــ (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) "وأما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"فالأولى ما ذكره حافظ الدين في الكنز من قوله هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "مہاجن: سوداگر، بیوپاری، ساہوکار"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۳۸۵، فیروز سنز لاہور)

کہ اگر سال بھر تک یہ مشین خراب ہوگی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں، اس کے کچھ ماہ بعد چلنا بند کر دیا، ہم نے اس کی اطلاع کی، وہ آکر ٹھیک کر کے اپنی سمجھ سے چلا گیا، مگر پھر بھی نہ چل سکی، اسی طرح دو سال تک بگڑتی رہی، پھر میں دو سال بعد مشین کو لا کر کانپور مہاجن کو واپس کرنے لے گیا، جب واپس کرنے کو کہا، تو اس نے کہا: کہ ہم ٹھیک کر دیں گے، میں نے کہا کہ ہم اس کو لینا نہیں چاہتے، اس کو وہ واپس نہیں لیتا، براہ کرم تحریر فرمائیں کہ اس کا کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چار پانچ ماہ بعد خراب ہو جانے پر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا، نہ قیمت کا کوئی حصہ اور خسارہ واپس لیا، اب دو سال کے بعد وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۱/۹۳ھ۔

غبارے بیچنا

سوال [۱۱۰۲۷]: زید غبارے بیچتا ہے، چونکہ غبارہ ایک ایسا کھیل ہے، جو بے فائدہ نظر آتا ہے، تو کیا غبارہ کا بیچنا اسراف اور بے جا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں مضائقہ نہیں، بچوں کے حق میں اتنی وسعت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔

---

(۱) "الأصل: أن المشتري متى تصرف في المشترى بعد العلم بالعيب تصرف الملاك بطل حقه في الرد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن في خيار العيب، الفصل الثالث فيما يمنع الرد بالعيب وما لا يمنع الخ: ۷۵/۳، رشيديه)

"وأشار المؤلف رحمه الله تعالى باللبس وأخويه لغير حاجة إلى أن كل تصرف يدل على الرضا بالعيب بعد العلم به يمنع الرد والأرش". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب خيار العيب: ۱۰۶/۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب خيار العيب، مطلب: فيما لو أكل بعض الطعام: ۳۲/۵، سعيد)

(۲) "عن أبي يوسف يجوز بيع اللعبة، وأن يلعب بها الصبيان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب =

کسب کی تفصیل

سوال[۱۱۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ انسان اپنے کو زندہ رکھنے کے لئے کن کن پیشوں سے مخصوص نسبت رکھ سکتا ہے، ضروری پیشوں کو بالترتیب ان کے درجہ ومرتبہ کے مطابق وضاحت سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقوق واجبہ ادا کرنے کے لئے حلال روزی حاصل کرنا لازم ہے(۱)، جس جس پیشہ کی شریعت نے اجازت دی ہے، حدودِ شرع کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو اختیار کرنا درست ہے۔ کسب کے طرق کے متعلق فتاویٰ عالمگیری: ۳۴۹/۵(۲) میں ہے:

"وأفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم

= البیوع، باب المتفرقات: ۲۲۶/۵، سعید)

"أرسل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم غداة عاشوراء إلى قرى الأنصار، من أصبح مفطراً فليتم بقية يومه، ومن أصبح صائماً، فليصم، قالت: كنا نصومه بعد ونصوم صبياننا، ونجعل لهم اللعبة من العهن، فإذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذاك". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صوم الصبيان: ۲۶۳/۱، قديمي)

"لعب" جمع "لعبة" أرادت ما كانت تلعب به، وفيه إباحة لعب الجواري بهن". (هامش مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) "ويجب الكسب من الحلال بقدر كفاية نفسه وعياله وقضاء دينه لقوله تعالى: ﴿أنفقوا من طيبات ما كسبتم﴾". (فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۸/۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۶/۶، رشيديه)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳۳/۳، سعيد)

الصناعة، كذا في الاختيار شرح المختار. والتجارة أفضل من الزراعة عند البعض، والأكثر على أن الزراعة أفضل، كذا في الوجيز للكردري"۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

☆ ☆ ....☆.. ..☆......☆

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول في البیع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

خنزیر وغیرہ کی تجارت مسلم کے حق میں

سوال[۱۱۰۴۹]: افریقہ وغیرہ میں تجارت عام طور پر مسلمان کرتے ہیں، اس میں گوشت بند ڈبوں میں بھی بیچتے ہیں اور اس کو خریدنے والے سب غیر مسلم ہوتے ہیں، وہ گوشت عام طور پر ذبیحہ کا نہیں ہوتا، بلکہ بعض مرتبہ خنزیر کا بھی ہوتا ہے، تو کیا مسلم تاجر کے لئے اس قسم کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کے گوشت کی خرید وفروخت مسلم کے لئے جائز نہیں، ایسی بیع باطل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

غیر کی زمین کو فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۰]: تیس سال قبل صمد نے خالد کو ایک قطعہ زمین قبولیت لے کر مالک بنادیا، خالد

---

(۱) "فالبیع بالمیتة والدم باطل". (الهدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۴۹، شرکة علمیه ملتان)

"ولایجوز بیع المیتة والدم والخمر والخنزیر والمیتة، کذا في التهذیب". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه وما لایجوز، الفصل الخامس في بیع المحرم الصید، وفي بیع المحرمات: ۳/۱۱۴، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۵۵، سعید)

چند دن تک دخل لے کر اپنے نابالغ لڑکے رحیم کو چھوڑ کر مر گیا، لیکن رحیم مجبوری کی وجہ سے دوسری جگہ چلا گیا۔ مذکورہ حامد نے بارہ سال بعد دوبارہ اسی زمین پر دخل لے کر اپنے نام کرالیا اور بارہ سال بعد قاسم کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایسی صورت میں قاسم کے لئے از روئے شریعت مذکورہ زمین پر قبضہ کرنا، نفع اٹھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور رحیم کی حقیت زائل ہوگئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حامد نے وہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کر دی تھی، تو خالد اس کا مالک ہو گیا تھا(۱)، پھر خالد کے انتقال کے بعد وہ زمین بطور ترکہ وراثت کی ہوگئی (۲)، اگر اس کا وارث صرف ایک لڑکا ہے، تو وہی وارث اور مالک ہے، اس کے کسی دوسری جگہ چلے جانے سے اس کی ملک ختم نہیں ہوئی، پھر حامد کا بغیر کسی وجہ شرعی کے اس زمین کو اپنے نام کرالینا غصب اور ظلم ہے(۳)، اس سے وہ مالک نہیں ہوا، پھر قاسم کے ہاتھ اس کو فروخت کر دینا بھی صحیح

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

"وأما الحكم: فالأصلي له الملك في البدلين لكل منهما في بدل". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

(۲) "ويبدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم بدينه، ثم وصيته، ثم يقسم بين ورثته". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الفرائض: ۳۶۸/۴-۳۶۹، دار المعرفة بيروت)

(۳) "وشرعاً: (إزالة يد محقة) ولو حكماً ..... (بإثبات يد مبطلة) .... (في مال) . . (متقوم) . . وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير ...". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تعريف الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، ۱۹۷، رشيديه)

نہیں ہوا(۱)، اس لئے قاسم کو اس زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

ریلوے سے چوری کی ہوئی اشیاء کا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۱]: ایک شخص نے ریلوے ویگن توڑ کر چوری کیا اور اس مال کو دوسرے شخص نے اس سے خرید کر اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا، اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا، کہ ایک شخص ریلوے سے چوری کرتا تھا اور دوسرا اس سے خرید کر فروخت کرتا تھا، جب خریدنے والے کے پاس کچھ پیسے ہوگئے تو اس نے چوری کا مال خریدنا ترک کر دیا اور ایک ٹرک (گاڑی) خرید کر اس کو کرایہ پر لگا دیا ہے۔

اب میری تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ریلوے کی چوری جائز ہے یا جس نے خرید کر اپنی تجارت کی وہ جائز ہے؟ پھر اس تجارت کو ترک کر کے ٹرک خرید کر کرایہ پر لگا رکھا ہے، تو کیا اس ٹرک کی آمدنی جو بھاڑے کی صورت میں آتی ہے، جائز ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو کیا اس تجارت کے جواز کی کوئی صورت ازروئے شرع ہے؟ ریلوے چوری کا مال خریدنے والا شخص چاہتا ہے کہ ہمارا مال پاک ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری ریلوے کی بھی ناجائز ہے، ایسے مال کو بھی چوری کر کے تجارت کرنا ناجائز ہے، ایسی ناجائز

---

(۱) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۳/۳۴۴، إدارة القرآن كراچي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

تجارت کرکے مال جمع کرنا اور اس سے ٹرک خریدنا بھی ناجائز ہے(۱)۔ اب یہ صورت ہے کہ جس قدر مال چوری کا خرید ہے، اس کی قیمت مالک کو پہنچایا جائے، اگر وہ معلوم نہ ہو تو اتنا مال غریبوں کو بلانیت ثواب صدقہ کردے(۲)، ٹرک کی آمدنی جائز ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۲ھ۔

ایک کھیت کا دو الگ آدمیوں سے خریدنا

سوال[۱۰۰۵۲]: ایک سرکاری کھیت نمبر کو ایک فلاں نے پٹواری سے خرید لیا، دوسرے خاندان

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يزني الزاني وهو مؤمن، ولا يسرق السارق وهو مؤمن ..." متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"تنبيه: عد السرقة هو ما نصوا عليه وهو صريح هذه الأحاديث، والظاهر أنه لا فرق في كونها كبيرة بين الموجبة للقطع وعدم الموجبة له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود، الكبيرة التاسعة والثلاثون بعد الثلاثمائة: السرقة: ۲/۲۲۰، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۲) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى لهم، ويردونه على أربابه إن عرفوهم، وإلا تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

"ونص في كتب فقهائنا الحنفية: من دفع إلى الفقير من المال الحرام شيئاً يرجو به الثواب يكفر". (معارف السنن، أبواب الطهارة، باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور: ۱/۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي: ۱/۳، سعيد)

راؤں نے بعد وتختی کے پردھان(۱) کے نائب سے خرید یا، کیونکہ اصل پردھان حج کو گئے تھے، جب اصل پردھان واپس آگئے تو انہوں نے بیع فاسد کو درست مانا اور کہا کہ کھیت انہی کا ہے، جنہوں نے پہلے پٹواری سے خرید لیا، اب اس میں جھگڑا ہے، پہلا کہتا ہے میرا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ میرا ہے، اس کے اندر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ کھیت ملک سرکار تھا اور پٹواری کو بغیر اجازت پردھان اس کے فروخت کرنے کا سرکار کی طرف سے اختیار تھا، تو جس نے پٹواری سے خریدا ہے، اس کا ہو گیا(۲)، پھر جس نے پردھان کے نائب سے خریدا ہے، اس کا خریدنا صحیح نہیں ہوا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۰ھ۔

حرہ کو باندی بنالینا

سوال[۱۱۰۵۳]: زید نے نکاح سعیدہ بیگم سے کرنا چاہتا ہے، بکر سعیدہ کی تعلیق میں شریفہ بانگدیا اس کے والدین کو مجبور کر کے نقدہ سے کر باندی خرید لیا ہے کہ باندی کی حیثیت سے بغیر نکاح کے شریفہ سے ہمبستری حلال ہوتی ہے، زید سعیدہ اور اس کی بہن شریفہ سے نکاح کیے بغیر دونوں سے ہمبستری کرنا جائز سمجھتا ہے، زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "پردھان: گاؤں کا مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "الوكيل بالبيع يجوز بيعه بالقليل والكثير والعرض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا: لا يجوز بيعه بنقصان لا يتغابن الناس فيه، ولا يجوز إلا بالدراهم والدنانير، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۵۸۸/۳، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب الوكالة بالبيع والشراء، فصل لا يعقد وكيل البيع والشراء: ۵۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۲۸۳/۷، ۲۸۴، رشيدية)

(۳) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲۳۳/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا شریفہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً حرام اور زنا ہے۔ اس کو فوراً الگ کرنا ضروری ہے، شریفہ حرہ ہے، حرہ کی بیع باطل ہے، محض روپیہ دینے سے وہ شرعی باندی نہیں بنی، باندی کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

"بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة والحر" (درمختار مع الشامی نعمانیه، باب البیع الفاسد: ۴/۱۰۰)(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

پنجے کی بیع وشراء

سوال[۱۱۰۵۴]: ریچھ کا پنجا جو جگر کے اوپر ایک جھلی ہوتی ہے، اس پر زرد رنگ کا تلخ پانی ہوتا ہے اور عموماً ہر جانور کے اندر ہوتی ہے۔ اس کو خشک خرید کر کے بیچنا اور گیلا خرید کر گیلا ہی فروخت کردینا درست ہے یا نہیں؟ یہ دوا کے کام آتا ہے اور باہر جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریچھ کا پتا بھی نجس اور مردار ہے(۲)، اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے، گیلا ہو یا خشک ہو، سب کا ایک حکم ہے۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۱۲، رشيديه)

(وكذا في درر الحكام في غرر الأحكام، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۱۶۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) "وعن الزهري رضي الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل ذي ناب من السباع حرام". فذو ناب من سباع الوحش مثل الأسد والذئب ... والذئب". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، باب أكل ذي ناب من السباع ...: ۴/۱۵۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان ومالايؤكل: ۵/۲۸۹، رشيديه)

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیع فاسد کا بیان)

پھل کی بیع یا ٹھیکہ

سوال[۱۱۰۵۵]: ۱......انجمن اسلامیہ کے متعلق وسیع قبرستان میں امرود کا باغ جدید نصب کردیا گیا ہے اور کچھ قدیم آم، بیل وغیرہ کے بھی درخت ہیں، عرصہ سے امرود کی دو فصلیں اور آم وباغ کی ایک فصل مع گھاس اراضی قبرستان کے ایک ساتھ بذریعہ نیلام فروخت کی جاتی ہیں، نگرانی، تحفظ، آب پاشی کی بھی کرلی جاتی ہے، مشتری ایک سال تک باغ پر قابض رہتے ہیں اور تدریجاً قیمت ادا کرتے ہیں، اس فصل کی بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲......اگر درست نہ ہو، تو کیا ایک سال کے لئے اراضی قبرستان کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ باستثناء محاصل گورکنی دیگر جملہ پیداوار اراضی قبرستان سے بائع نفع اٹھائے اور جو اراضی ابھی قبرستان سے خالی ہیں، اگر بائع چاہے، اس پر مناسب کاشت کرائے اور ٹھیکہ کی معینہ مدت پورے ہونے کے بعد اراضی سے اپنا قبضہ اٹھائے۔

۳......ایک صورت یہ ہے کہ انجمن ملازم رکھ کر فصل کا تحفظ کرائے، جو صورت مشروع "اقرب إلی النفع فی حق الوقف" ہے، اس کو شرح فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- پہلی صورت درست نہیں(۱)۔

(۱) "بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقاً ...... ولو باع كل الثمار، وقد ظهر البعض دون البعض فظاهر المذهب أنه لا يصح، وكان شمس الأئمة الحلواني والفضلي يفتيان بالجواز في الثمار، والباذنجان والبطيخ، وغير ذلك، ويجعلان الموجود أصلاً في العقد والمعدوم تبعاً لتعامل الناس، والأصح أنه =

۲- دوسری صورت تاویل کرکے درست ہوسکتی ہے(۱)۔

۳- تیسری صورت بے غبار ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= لا يجوز كذا في المبسوط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم والأوراق والمبطخة: ۱۰۶/۳، رشيدية)

"قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لا يدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۵۵۴/۴، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع: ۳۲۶/۴، رشيدية)

(۱) مذکورہ صورت کی تاویل یہ ہے کہ تخمینہ لگاکر مذکورہ زمین کو ایک مدت کے لئے اجارہ (کرایہ) پر دے اور درختوں کو معاملہ پر لے، یعنی قبرستان کے منتظمین نے اس شرط پر درختوں کو دے رکھا ہے کہ وہ ان کی نگہداشت کریں، ان کا جو پھل حاصل ہوگا اس کو سو حصوں میں تقسیم کریں گے، جن میں سے ننانوے حصے میرے ہوں گے اور ایک حصہ قبرستان کا ہوگا، اس طرح دونوں قسموں میں معاملہ صحیح ہوجائے گا اور زمین پر جو چاہے کاشت کرے۔

"ثم الزرع إذا لم يدرك تأويل جواز الإجارة في الأرض، فالحيلة في ذلك أن يدفع الزرع إليه معاملة، إن كان الزرع لرب الأرض على أن يعمل المدفوع إليه في ذلك بنفسه وأجرائه وأعوانه على أن ما رزق الله تعالى من الغلة فهو بينهما على مائة سهم من ذلك للدافع تسعة وتسعون سهماً للمدفوع إليه، وكذلك الحيلة في الشجر والكرم، يدفع الشجر أو الكرم معاملة، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، الفصل الرابع: ۴۴۶/۴، ۴۴۷، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارات، فصل في الإجارة الطويلة: ۳۰۳/۳، ۳۰۴، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، ۳۰، سعيد)

(۲) "(والثاني) وهو الأجير (الخاص) ويسمى أجير وحد (وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل كمن استؤجر شهراً للخدمة أو شهراً لرعي —

باغ کو دو مرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۶]: زید نے ایک درخت بکر سے خریدا، طے شدہ رقم بھی بکر کو دے دی، بوجہ تنگ دستی زید اسے جلدی نہ کٹوا سکا، چند دنوں بعد عمر نے بکر کو کچھ الٹی سیدھی پڑھا کر قیمت بڑھا کر مذکورہ درخت کو دوبارہ خرید کرا کے لکھوالیا اور درخت کٹوانا شروع کر دیا، زید کو اطلاع ملی تو اس نے عمر کو روکا اور کہا کہ یہ درخت میں خرید چکا ہوں، تم کو کٹوانے کا حق نہیں ہے، مگر چونکہ عمر صاحب اثر شخص ہیں، زید کی فریاد کو ٹھکرا دیا اور درخت کٹوالے گئے، بلکہ زید کا روپیہ ابھی تک بکر کے ذمہ باقی ہے، بتلایئے کہ ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جو کہ ناحق وناجائز کاموں سے پرہیز نہ کریں، کیا ایسے آدمیوں کے یہاں کھانا یا ان کی امامت درست ہے، جو کہ حق وناحق کا پرہیز نہ کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بکر سے زید نے درخت خرید لیا اور طے شدہ رقم (قیمت) بھی دے دی، تو پھر بکر کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بکر نے جس کے ہاتھ فروخت کیا، وہ بیع زید کی رضامندی واجازت پر موقوف ہے(۲)، اب بہتر یہ ہے کہ زید اجازت دے دے اور بکر سے قیمت لے لے، بکر نے دو جگہ سے قیمت

= الغنم) المسمی بأجر مسمی". (الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۶/۶۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بیان حکم الأجیر والمشترک، الفصل الأول: ۴/۵۰۰، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۸/۵۲، رشیدیه)

(۱) جب پہلی بیع مکمل ہوگئی، تو باغ پر زید کی ملک ثابت ہوگئی اب بکر کو زید کی ملک میں تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حکمه: فثبوت الملک في المبیع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا کان البیع باتاً".

(حاشیة الطحطاوي علی الدرالمختار، کتاب البیوع: ۳/۳، دار المعرفة بیروت)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۲/۳۳۳، إدارة القرآن)

(وکذا في القواعد الکلیة الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع الخ: ۳/۲، رشیدیه)

(۲) "إذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی إجازة المالک". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب =

ایک چیز کو دو مرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۷]: حضرت مفتی صاحب!

عرض ہے کہ عمر نے بکر سے ایک زمین ومکان پچھتر ہزار روپے میں خرید لیا اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعینہ طے کر دی کہ اس مدت میں کامل رقم تم کو ادا کر دیں گے اور اس وقت تحریری خریدی دستاویز سرکاری طور پر بھی رجسٹرڈ کر لیا جائے گا اور فی الحال خرید وفروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد ۵۰۰۰/ پانچ ہزار روپے عمر نے بکر کو دے دیے اور دس روز کے بعد مزید دس ہزار کی رقم مکان کی قیمت کے ماتحت عمر نے بکر کو دی۔

گویا کل پندرہ ہزار کی رقم مکان کے ضمن میں عمر نے بکر کو دیے، اس کی اطلاع زید کو ہوئی، تو بکر کے پاس گیا اور عمر کی مقررشدہ رقم سے مزید رقم مذکورہ زمین ومکان کی قیمت میں بکر کو دینے کو کہا اور عمر کو قوم کی چند با اثر افراد کے ذریعہ بکر کو زید کے ہاتھ مذکورہ مکان (جو کہ پہلے عمر کو فروخت کر دیا ہے) پھر سے فروخت کرنے پر مجبور کرایا، لہٰذا بکر نے عمر کی بیع کے چند روز بعد زید کو پچاس ہزار کی رقم کا خرید دستاویز کرا کر رجسٹر کرا دیا، بکر نے اس دوسری بیع کی عمر کو نہ طلاع دی، نہ پندرہ ہزار کی رقم جو مذکورہ زمین ومکان کی قیمت کے تحت اس کو عمر نے دی تھی وہ واپس کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عمر کو زمین ومکان فروخت کرنے کے بعد زید کو چند روز بعد وہ زمین ومکان فروخت کرنے کا بکر کے لئے شرعاً حق ہے یا نہیں؟ اور یہ بیع ثانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہو جاتی ہے(۱) تحریری بیع نامہ قانونی رعایت کے پیش نظر ہوتا ہے، جب

(۱) "أما شرائط الانعقاد ..... ومنها في العقد، وهو موافقة القبول للإيجاب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وهو معنى ما في فتح القدير، من أن ركنه الإيجاب والقبول، ..... قوله (البيع يلزم بإيجاب وقبول) أي: حكم البيع يلزم يوماً". (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۳۲-۴۳۹، رشيديه) =

بیع ہوگئی اور قیمت کا بھی ایک حصہ دے دیا گیا تو پھر بائع کو اس کے فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بیع ثانی تام نہیں ہوئی، مشتری ثانی کو لازم ہے کہ اس بیع کو واپس کردے، چودہ ہزار کی رقم بیع اول کی قیمت کا جز ہے، اس کو باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں(۲)، اگر اول مرتبہ محض وعدہ بیع تھا کہ بعد قیمت وصول ہونے پر بیع کردی جائے تو اس سے بیع نہیں ہوئی مگر وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے(۳)، اور چودہ ہزار روپے کی واپسی لازم ہے، اس کو نہ دینا غصب ہوگا(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۱ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع: ٤/٥٠٦، سعيد)

(۱) جب مکمل بیع عمل ہوگئی تو زمین و مکان پر عمرو کی ملک ثابت ہوگئی، اب بکر کو اس میں کسی تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً" (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ٣/٣، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه" (شرح الحموي، كتاب الغصب: ٣/٣٣٣، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ٣/٣، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن، كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ١/١٠، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق، الفصل الأول، ص: ١٧، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ١/٥٦، قديمي)

(۴) "أما تفسيره شرعاً: فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك ...". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ٥/١١٩، رشيديه)

وظیفۂ پنشن کی بیع

سوال[۱۱۰۵۸]: احقر وظیفہ خور مدرس ہے، اصل وظیفہ ساڑھے پانچ روپیہ اور ساڑھے چھ روپیہ اور گرانی الاؤنس جملہ اکتھر روپیہ، پچاس روپے ماہانہ وظیفہ حکومت ہند سے ہے اور تھوڑی سی جائیداد اور صرف کاشت کی زمین ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملنے والے وظیفہ کا تھوڑا حصہ سرکار میں فروخت کرکے حج کرلوں۔ براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ ایسا حج جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فروختگی ناجائز ہے(۱)، ناجائز مال سے حج کرنے سے حج مقبول نہیں ہوتا، اگرچہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے(۲)، لیکن اگر سرکاری وظیفہ دیتی ہے اور سرکار ہی خریدے، تو یہ محض صورۃً بیع ہے، حقیقۃً بیع نہیں، بلکہ جو وظیفہ وہ ماہانہ دیتی ہے، اس کے عوض اپنے تخمینہ سے برضامندی وظیفہ خوار کو یکمشت دے دیتی ہے، اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، ۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۱) ”پنشن ایک قسم کا انعام ہے، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو وہ اس کا مالک نہیں بنتا، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا، اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے“۔ (أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد والباطل، عنوان: پنشن بیچنا جائز نہیں: ۶/۵۲۱، ۵۲۲، سعيد)

(۲) ”ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام كما روي في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج“. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: من حج بمال الحرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیع فاسد کو صحیح کرنے کی صورت

سوال[۱۱۰۵۹]: زید نے بکر سے سو کروے(۱) رس خریدا، فی کروہ آدھا من کا ہوتا ہے، خریدتے وقت زید نے بکر سے یہ شرط طے کی کہ اگر آپ نے رس سو کروں سے کم دیا تو میں فی کروہ پچیس روپیہ لوں گا، سو کروں سے جتنے بھی کم ہوں گے، خواہ ایک کروہ کم ہو، پچیس کے حساب سے وصول کروں گا، بکر نے شرط زید کی منظور کر لی، لیکن بکر نے ۹۰ کروے رس دیا، شرط سو کروں کی تھی، دس کروے کم آئے، شرط کے مطابق فی کروہ کمی پر ۲۵/ روپیہ کے حساب سے ڈھائی سو ہوئے، زید کو بکر سے یہ قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع تحریر فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت کرنا منع ہے، اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے(۲)، زید کو چاہیے کہ یہ ڈھائی سو روپیہ بکر سے نہ لے، تاکہ شرط فاسد ختم ہو کر بیع صحیح ہو جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "کروہ: مٹی کا ٹونٹی والا برتن، لوٹا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(و) لا (بیع بشرط) عطف علی إلی النیروز یعني: الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو) فیه نفع (لمبیع) ----"۔ (الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع والتي لاتفسده: ۳/۱۳۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۶/۱۳۰، رشیدیه)

(۳) "اعلم أن البیع بأجل مجهول لایجوز إجماعاً ---- فإن أبطل المشتري الأجل المجهول المتقارب قبل محله، وقبل فسخ العقد بالفساد وانقلب البیع جائزاً عندنا"۔ (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: في بیع الشرب: ۵/۸۴، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۶۱، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع الخ: ۳/۱۳۴، رشیدیه)

آب پاشی، پانی کی بیع کی ایک صورت

سوال[۱۱۰۶۰]: محکمہ آب رسانی پانی کی قیمت وصول کرتا ہے، مگر پانی کی مقدار کچھ متعین نہیں، اس کا کوئی میٹر وغیرہ نہیں، بلکہ فی پلاٹ سالانہ معاوضہ پانی کا متعین ہے، محکمہ کی طرف سے شرط یہ ہے کہ ایک پلاٹ کا پانی دوسرے پلاٹ میں بالعوض یا بلاعوض نہ دیا جائے، اس صورت میں محکمہ کی اس شرط کی پابندی شرعاً لازم ہے، یا کہ دوسروں کو پانی دینے کی گنجائش ہے، اگر گنجائش رہے تو اپنی ٹنکی وغیرہ میں پانی کے اخراج سے قبل اس پانی کی بیع درست ہے یا نہیں؟ جو سرکاری لائن سے گھر کی لائن میں آرہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبل القبض بیع کا ناجائز ہونا، کتب فقہ میں مصرح ہے(۱)، لیکن اگر اس کو اجارہ قرار دیا جائے اور ثمن کو اجرت کہا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ فلاں پلاٹ میں مشین کے ذریعہ پانی پہنچانے کی اجرت یہ ہے، مستاجر کو اس کا حق ہے کہ دوسرے کو منفعت حاصل کرنے کا حق دے دے، بالعوض ہو یا بلاعوض، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے(۲)۔ لیکن خلاف قانون کرنا جس سے عزت یا مال کا خطرہ لاحق ہو قرین دانش مندی نہیں(۳)۔

---

(۱) "من حکم المبیع إذا کان منقولاً أن لایجوز بیعه قبل القبض". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الفصل الثالث في معرفة المبیع والثمن والتصرف فیما قبل القبض: ۱۳/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب المرابحة والتولیة: ۱۹۳/۶، رشیدیه)

(۲) "وشرعاً: (تملیک نفع) مقصودة من العین (بعوض) ــــ". (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۳/۶، سعید)

"أما تفسیرها شرعاً فهي عقد علی المنافع بعوض، کذا في الهدایة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول في تفسیر الإجارة ورکنها الخ: ۴۰۹/۴، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الإجارة: ۵۰۶/۷، رشیدیه)

(۳) "(أمر السلطان إنما ینفذ) أي: یتبع ولا تجوز مخالفته ــــ فلو أمر بصوم یوم وجب". (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعید)

(وکذا في الحموي علی الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الکلیة، ص: ۱۰۸، میر محمد کتب خانه کراچي)

"وفیما لا یختلف مایہ بطل تقییدہ بہ، کما لو شرط سکنی واحد لہ أن یسکن غیرہ اھ" الدر المختار مع حاشیہ رد المحتار، کتاب الإجارۃ: ۲۲/۵، شامی، سعید (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جزوی حصہ دار کا پوری زمین کا بیع نامہ لینا

سوال [۱۱۰۶۱]: سرائے مسافران محلہ کے ایک گوشہ میں چاہ (۲) پختہ واقع ہے اور کچھ چاہ پختہ کے متعلق زمین ہے، وہ چاہ پختہ بند کردیا گیا ہے، اب اس جگہ میں اچھا خاصا مکان تعمیر ہوسکتا ہے، اس چاہ پختہ کے جنوب میں راستہ عام ہے، اس کے بعد شیخ صاحب کا مکان ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس حصہ کی قیمت مسجد یا مدرسہ جیسے مصرف میں دے کر اپنا مکان یا اپنی کوئی عمارت بنالیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک پنچایت عام ہوئی اور اس میں یہ تحقیقات کی گئیں کہ یہ جگہ کس کی اور کون اس کا مالک ہے، ثابت ہو کہ یہ بھٹیاروں (۳) کی ہے، دوران بھٹیاروں نے یہ جگہ روبرو پنچایت کے مسجد کو دے دی، جو مسجد اسی محلہ سرائے میں واقع ہے، اب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ صاحب سے قیمت لے کر یہ جگہ دے دی جائے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کا مکان تعمیر کردیا جائے تاکہ مسجد کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک آمدنی بن

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الإجارۃ، باب ما یکون من الإجارۃ وما یکون خلافاً فیہ: ۳۵/۶، سعید)

"وإذا تکاری بیتاً، ولم یسم ما یعمل فیہ فلہ أن یسکنہ، وأسکن معہ فیہ غیرہ، فإنہم من سکنی وغیرہ، لو یضمن، هکذا فی المبسوط". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الإجارۃ، الباب الثانی والعشرون فی بیان التصرفات التی یمنع المستأجر عنہا الخ: ۴۷۱/۴، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الإجارۃ، باب ما یجوز من الإجارۃ وما یکون خلافاً فیہا: ۸/۲۱، رشیدیہ)

(۲) "چاہ: کنواں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۴۳، فیروز سنز لاہور)

(۳) "بھٹیارا: روٹی پکانے والا، وہ شخص جو سرائے چلاتا اور مسافروں کی خدمت کرتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۵، فیروز سنز لاہور)

اب اس کو فروخت نہ کیا جائے (۱)، اس پر مکان تعمیر کردیا جائے، پھر اس مکان کو خواہ گھسیٹو صاحب کو ہی کرایہ پر دے دیا جائے (۲)۔

اگر مکان تعمیر کرنے کے لئے سرمایہ موجود نہ ہو اور فراہم بھی نہ ہوسکتا ہو، تو زمین ہی گھسیٹو صاحب کو کرایہ پر دے دی جائے، وہ مکان تعمیر کرلیں، اس صورت میں وہ زمین کا کرایہ مسجد کو دے دیا کرے، تعمیر ان کی رہے گی اور زمین مسجد کی رہے گی، جس وقت منتظمین اس زمین کو خالی کرانا چاہیں گے تو گھسیٹو صاحب کو لازم ہوگا کہ وہ خالی کردیں، خواہ اس طرح کہ اس وقت تعمیر کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ان کو دے دی جائے اور کہ تعمیر کی، پھر وہ مکان بھی مسجد کا ہوجائے گا، خواہ تعمیر وہاں سے ہٹا کر اس کا سامان وہ خود ہی لے جائیں اور صرف زمین خالی مسجد کے حوالہ کردیں (۳)۔ باہمی مشورہ کرکے جو صورت مسجد کے لئے مفید ہو، وہ اختیار کرلی جائے۔

= "... قال الفقیہ أبو جعفر: تصیر الحجرة وقفاً علی المسجد إذا سلمها إلی المتولی، وعلیہ الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی الألفاظ التی یتم بها الوقف وما لا یتم بها: ۲/۳۵۹، رشیدیہ)

(۱) "وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ)

"وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته إلی العباد فیلزم، ولا یباع، ولا یوهب، ولا یورث، کذا فی الهدایة. وفی العیون والیتیمة أن الفتویٰ علی قولهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه ورکنه وسببه وحکمه وشرائطه الخ: ۲/۳۵۰، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیہ)

(۲) "... وهذه المسألة دلیل علی أن المسجد المحتاج إلی النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه". (تقریرات رافعی علی حاشیة ابن عابدین، کتاب الوقف: ۳/۸۰، سعید)

"القیم إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن یستغل ویباع عند الحاجة، جاز إن کان له ولایة الشراء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ: ۲/۴۶۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۵/۸۴۳، قدیمی)

(۳) "قلت: قال فی المحیط وغیره: لو استأجر أرضاً موقوفة، وبنی فیها حانوتاً وسکنها، فأراد غیره أن یزید فی الغلة ویخرجه من الحانوت، ینظر إن کانت أجرته مشاهرة، إذا جاء رأس الشهر کان للقیم فسخ =

کسی قانون داں سے بھی مشورہ کرلیا جائے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۲ھ۔

بیع نامہ لکھوانا کیسا ہے؟

سوال[۱۱۰۶۲]: کھیت، زمین، مکانات اور بیسی کیست پر جو بیع نامہ لکھواتے ہیں، یہ کیسے ہیں، جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ اس میں حد متعین بھی کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا حاصل یہ ہے کہ اپنی مملوکہ شی بعوض قیمت اپنی ملک سے نکال کر ہمیشہ کے لئے دوسروں کو دے دی جائے خواہ زمین ہو یا مکان، دکان وغیرہ کچھ ہو، پھر اس ملک کی بناء پر کوئی حق انتفاع باقی نہ رکھا جائے، نہ اس میں واپسی کی شرط کی جائے، نہ کوئی مدت مقرر کی جائے(۱)، اس کے علاوہ جو صورت ہو، اس کو صاف صاف

= الإجارة: لأن الإجارة إذا كانت مشاهرة تنعقد في رأس كل شهر، ثم ينظر إن كان رفع البناء لايضر بالوقف، فله رفعه، لأنه ملكه، وإن كان يضر به فليس له رفعه، لأنه وإن كان ملكه، فليس له أن يضر بالوقف، ثم إن رضي المستأجر أن يتملكه القيم للوقف بالقيمة مبنياً أو منزوعاً أيهما كان أخف يتملكه للقيم، وإن لم يرض لايتملك؛ لأن التملك بغير رضاه لايجوز، فيبقى إلى أن يخلص ملكه".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۸، ۳۴۹، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الإجارة: ۳/۱۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۱۵۴، حقانية پشاور)

(۱) "أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي... ومنها: أن لايكون مؤقتاً، فإن أقته لم يصح... ومنها الخلو عن الشرط الفاسد... وأما شرائط اللزوم، فخلوه عن الخيارات الأربعة المشهورة وغيرها... وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان باتاً" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه الخ: ۳/۲، ۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲-۵۰۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰-۴۲۸، رشيدية)

لکھ کر اس کا حکم دریافت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/۳/۹۲ھ۔

خریدار کو انعام دینے کی نیت سے کوپن دینا

سوال[۱۱۰۲۴]: زید ایک تاجر ہے، اپنی تجارت بڑھانے کے لئے چند کوپن پر انعام رکھتا ہے، مثلاً: سامان خریدا تو ساتھ میں ایک کوپن دیتا ہے، جس پر نمبر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر پچاس نمبرات یا ایک سو چالیس تک کے نمبرات کے کوپن آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ کو ایک سائیکل یا ریڈیو انعام میں ملے گا۔ کیا یہ انعام لینا جائز ہے اور ان نمبرات کو جمع کرنے کی سعی جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خریدار کو انعام دینا اور اس کو انعام لینا اگرچہ درست ہے(۱)، لیکن ایسے اعلانات شائع ہونے پر بسا اوقات اصل شئی کی خریداری مقصود نہیں رہتی، بلکہ نمبرات کے جمع کرنے کی فکر ہو جاتی ہے، تو گویا کہ نمبرات ہی کو خریدا جاتا ہے اور خریداری کی یہ صورت شرعاً غلط ہے، ناجائز ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) نمبرات چونکہ فی نفسہ مال متقوم نہیں ہے اور بیع میں ضروری ہے کہ مبیع مال متقوم ہو، لہٰذا نمبرات کی بیع درست نہیں۔ کما فی الہندیۃ:

"ومنها في البدلين وهو قيام المالية حتى لا ينعقد متى عدمت المالية .. ومنها في المبيع ... وأن يكون مالاً متقوماً شرعاً......". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

"وأما شرائط المعقود عليه، فأن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

ذبح کرنے سے پہلے جانور کا گوشت فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۲۴]: زندہ جانور کی کھال، گوشت، ران وغیرہ ذبح کرنے سے پہلے فروخت کردیتے ہیں، اور ایک دکاندار خرید کر گوشت وغیرہ بیچتا ہے، گاہک دکاندار سے لے کر استعمال میں لاتے ہیں، یہ بیع درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فروخت کرنا بیع فاسد ہے(۱)، بیچنے والے خریدنے والے کے ذمہ اس بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، اگر فسخ نہیں کیا تو دونوں گنہگار رہیں گے(۲) اور جس شخص نے اس سے اس گوشت کو خریدا ہے اس کے حق میں اس خریدنے سے فساد نہیں آئے گا، بیع درست ہوجائے گی(۳)، خواہ اس کو اصل بیع کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

"وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه" (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(۱) "(قوله: وفسد الخ) شروع في البيع الفاسد بعد الفراغ من الباطل وحكمه ..... (قوله وصوف على ظهر غنم) للنهي عنه، ولأنه قبل الجز ليس بمال متقوم في نفسه؛ لأنه بمنزلة وصف الحيوان لقيامه به كسائر أطرافه (قوله: وكذا كل ما اتصاله خلقي)". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۰-۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الفصل التاسع في بيوع الأشياء المتصلة بغيرها وفي البيوع التي فيها استثناء: ۳/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶/۴۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "أخره عن الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسيأتي أنه معصية يجب رفعها" (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۴۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۳/۶۴، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "بخلاف البيع الفاسد فإنه لايطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده".

ورثاء میں سے ایک کا شادی کے لالچ میں مشترکہ زمین دینا

سوال[۱۱۰۰۳]: بندہ کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، ہم سات بہن بھائی بے سہارا چھوڑے، بہن سب سے بڑی تھیں، جو شادی شدہ تھیں، ہم تینوں کنوارے تھے، والد صاحب کے انتقال کے وقت خویدہ کی عمر ۲۰ برس تقریباً تھی، بڑے بھائی کی عمر تقریباً ۱۲، ۱۳ برس کی تھی اور چھوٹے کی عمر تقریباً ۴، ۵ برس کی تھی، جس وقت میری عمر تقریباً ۱۴، ۱۵ برس کی ہوئی تو ایک قریب شریک نے کہا کہ تیری شادی اپنی دختر دے کر بٹے سے کرادوں گا، بشرطیکہ تو اپنی زمین میرے نام کرادو، ہم نے اپنی نادانی سے بخوشی قبول کرلیا، ان صاحب نے ۱۳ بیگھہ زمین ہم سے مفت لے لی اور اپنی لڑکی بٹے میں دے کر میری شادی کرادی۔ اس کے بعد ایک صاحب دیندار نے ان سے کہا کہ تمہارے لئے یہ زمین اور اس کی فصل کھانا اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی، جب تک کہ تم ان لڑکوں کو تھوڑی بہت قیمت ادا نہ کردو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی تو دیا کریں گے ان کو کچھ نہیں دیتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ انہوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا، صرف لڑکی بٹے میں دے کر ہماری زمین اپنے لئے حلال کرلی، یہ زمین اور اس کی فصل ان کے لئے حلال و جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین سب بھائی بہنوں کی مشترک تھی، اس کے دینے کا کسی ایک کو حق نہیں تھا، اور لڑکی کی شادی کی وجہ سے زمین طلب کرنے کا حق کسی کو نہیں تھا، یہ رشوت ہے(۱)، جو کہ ناجائز ہے(۲)۔ ان کے ذمہ واجب ہے کہ

---

(۱) (الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۹۸/۵، سعید)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۵۹/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الحادي عشر في أحكام البيع غير الجائز: ۱۴۷/۳، رشيديه)

(۲) "(أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده)؛ لأنه رشوة (قوله: عند التسليم) أي: بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائماً أو هالكاً؛ لأنه رشوة".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۱۵۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۵/۳، رشيديه)

زمین واپس کردے، پھر کوئی بھائی بہن اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو اس سے خرید لینا درست ہے (۱)، جب کہ وہ بالغ ہو، جس وقت خریداری کا معاملہ کرے، اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۲) قال الله تعالى: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿سماعون للكذب أكلون للسحت﴾ (المائدة: ۴۲)

"قال أبوبكر: اتفق جميع المتأولين بهذه الأية على أن قبول الرشا محرم، واتفقوا على أنه من السحت". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳: ۴/۲۰۹۳، مصطفى الباز مكة)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "باع عيناً من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببخارى يجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد ...... وكما يعتبر مكان العقد يعتبر زمنه أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: يعتبر الثمن في مكان العقد وزمنه: ۴/۵۳۹، سعيد)

"وتعتبر قيمة الأصل يوم العقد ......". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر الخ، مطلب: الزيادة في الثمن والمثمن: ۳/۱۷۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۱۵، ۱۹، دار المعرفة بيروت)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع دیئے بغیر کچھ خریدنا

سوال[۱۱۰۲۶]: چونکہ مال خریدنے پر حکومت ٹیکس لیتی ہے، زید اس ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع کئے بغیر مال خریدتا بیچتا ہے، کیا اس طرح مال لاکر بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی ملک بیچنا اور جہاں سے دل چاہے، خرید کرنا سب درست ہے(۱)، مگر قانون کے خلاف کر کے عزت کو خطرہ میں ڈالنا خلاف دانشمندی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ـــ عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب، وقدمنا أن السلطان لو حكم بين الخصمين ينفذ في الأصح وبه يفتى". (رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد) ــــــــــــ =

گورنمنٹ سے راشن لے کر نفع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۶۷]: میں گورنمنٹ راشن دکان سے اناج خرید کر فروخت کرتا ہوں، جس پر مجھے پچاس فیصد سے لے کر ۷۰ فیصد تک منافع حاصل ہوتا ہے، یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کی اپنی دکان ہے، آپ مالک ہیں، تو آپ کو اپنے مال پر نفع لینے کا اختیار ہے(۱)، مگر اتنا زائد نفع نہ لیں، جو خلاف مروت ہو، اگر آپ حکومت یا سوسائٹی کی طرف سے اناج فروخت کرتے ہیں اور اس پر آپ کو کمیشن ملتا ہے، تو وہ کمیشن آپ کے لئے درست ہے(۲)، مگر جو نرخ تجویز کر دیا گیا، اسی نرخ پر فروخت کریں،

= (وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

زیادہ پر نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

کنٹرول کے نرخ سے کمی زیادتی پر بیع کرنا

سوال[۱۱۰۹۸]: ساجد(۲) کے نام پر کنٹرول کی دکان ہے، اس کے یہاں غلہ آیا اور حکومت کی جانب سے تاریخ متعین ہوگئی کہ فلاں تاریخ تک غلہ تقسیم ہوگا، کچھ افراد تاریخ موقت پر نہ پہنچے، اب متعین تاریخ کے بعد کیا صاحب دکان کو یہ جائز ہے کہ وہ حکومت کے متعین کردہ ریٹ پر اضافہ کرکے دوسروں کے ہاتھ فروخت کردے، یا ان افراد کا انتظار کرے، جس کے حق میں غلہ آیا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلہ کنٹرول کی دکانیں دو طرح کی ہوتی ہیں:

- دکان دار جو خود غلہ گورنمنٹ سے نہیں خریدتا ہے، بلکہ غلہ گورنمنٹ کا ہی رہتا ہے، دکان دار کو بکری کے فیصلے کے حساب سے کمیشن ملتا ہے، اگر ایسی صورت ہے تو دکان دار کا حکومت کے متعین کردہ ریٹ پر اضافہ کرکے فروخت کرنا، کسی دوسرے کے ہاتھ درست نہیں (۳)۔

---

(۱) "الموكل إذا شرط على الوكيل شرطاً مفيداً من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته، أكده بالنفي أو لم يؤكده". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۳/۵۸۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً وما لا يكون: ۳/۳، رشيديه)

(۲) "ساجد: کسی کام میں حصہ لینے والا، شریک"۔ (فیروز اللغات ص: ۷۰۹، فیروز سنز لاہور)

(۳) "الموكل إذا شرط على الوكيل شرطاً مفيداً من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته أكده بالنفي أو لم يؤكده". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۳/۵۸۹، رشيديه)

۲-دکان دار جو غلہ دکان میں لاتا ہے، اس کی قیمت اپنے پاس سے حکومت میں جمع کرکے خود غلہ خرید لیتا ہے اور پھر حکومت کے مقرر کردہ نرخ پر بیچتا ہے۔ اس صورت میں دکان دار چونکہ خود غلہ خرید لیتا ہے اور خرید لینے کی وجہ سے غلہ کا مالک ہوگیا ہے اور محض قانونِ وقت کی پابندی کی وجہ سے حکومت کے مقررہ کردہ نرخ پر فروخت کرتا ہے، مگر مالک ومشتری ہے عندالشرع اس لئے حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زائد پر یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں شرعاً فروخت کرسکتا ہے(۱)، باقی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے بے آبرو ہونے کا بھی خطرہ ہو تو ایسا نہ کرنا ہوگا، اس سے پورا پرہیز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۵/۹۳ھ۔

کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا

سوال[۱۱۰۶۹]: زید ایک تاجر آدمی ہے، اس کے پاس غلہ کی دکان ہے، نیز آج کل غلہ کنٹرول سے بک رہا ہے، لیکن ہر ایک فرد کو نہیں ملتا اور زید اگر کوئی دوسری جگہ سے غلہ خرید کر منگاتا ہے تو گرفتاری کا خطرہ ہے، چونکہ گورنمنٹ کا یہ اعلان ہے کہ بیس کلو سے زائد کوئی نہیں لا سکتا، اس صورت میں اگر وہ غلہ کنٹرول دکان سے لینے کے لئے تیار ہے اور وہ واقعی سستا بھی ہے، جو بازار میں عام ریٹ پر فروخت کرسکتا ہے، آیا شریعت کی روسے اس کا خریدنا اور اس کا بیچنا کیسا ہے؟ جب کہ حکومت نے عمر کو گورنمنٹ کا غلہ فروخت کرنے کا امین بنایا ہے

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً ومالا يكون: ۳/۳، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: "کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا"۔

جاسوسی قلمی کتابوں کی تجارت

سوال [۱۱۰۷۰]: زید کی تجارت رومانی جاسوسی قلمی کتب ناول تمثیلی (۱) کی ہے اور اچھی بری تصویر رہتی ہیں، تجارت بالکل غیر مسلم بستی میں ہے، تقریباً ۹۹ فی صد غیر مسلم ان کتابوں کی خریداری کرتے ہیں، اس پر اچھی کمیشن ملتی ہے، دس سال سے یہ تجارت کر رہے ہیں، ابھی تک زید کی زندگی اور زید کے خاندان کی زندگی غیر اسلامی چل رہی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تبلیغی جماعت میں جڑ کر کام کر رہے ہیں، اس تجارت سے جملہ تین خاندان کا گزر اچھی طرح ہوتا ہے، پہلے تین بھائی مل کر یہ تجارت کرتے تھے، اب دو بھائی مستقل دینی کام میں لگ گئے ہیں اور ایک بھائی ہی یہ تجارت کرتا ہے اور اب بھی تینوں بھائی کا گزر اس بھائی کی تجارت سے ہوتا ہے۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا یہ تجارت زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا جاری رکھا جائے یا تجارت کی لائن بدل دی جائے، جب کہ تجارت کی لائن بدلنے میں وقت ہے اور آمدنی بھی بہت کم ہوجائے گی اور نہ بدلی جائے، تو کیا تقویٰ اور شریعت کے خلاف اور دینی کام کرتے ہوئے اس تجارت پر گزارہ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

حاجی عبدالوہاب صاحب، سابق تحصیل دار بجنور ضلع بجنور (اے پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کو بدلنے میں وقت تو ضرور ہوگی اور اس کو برداشت کرنا چاہیے، دیگر جائز کتب کا بھی میل شروع کردیں، آہستہ آہستہ ناجائز کتب کم کرتے رہیں، جائز کتب کی تجارت کو ترقی دیتے رہیں، یہاں تک کہ موجودہ صورت بالکل بدل جائے یا کوئی اور تجارت شروع کردیں، جب اس پر قابو ہوجائے تو موجودہ کو ترک کردیں (۲)، حق تعالیٰ مدد فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "تمثیلی: تمثیلہ کا یا شدہ، تمثیلہ کی زبان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذها هزوا أولئک لهم عذاب مهین﴾ (لقمٰن: ۶) .... =

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا

سوال [۱۰۶۱]: ایک شخص دودھ بیچتا ہے اور کہتا ہے، میں نے پانی ملا رکھا ہے، لیکن مقدار نہیں بتاتا، کیا ایسا فعل جائز ہے، جب کہ ہندو دکان دار پانی ملا کر ہی بیچتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ پانی ملانا ظاہر کر دیتا ہے، تو وہ دھوکہ نہیں دیتا ہے، خریدنے والے کو اختیار ہے، خریدے یا نہ خریدے، لیکن بغیر پانی ملائے، فروخت کرنے میں بڑی خیر وبرکت ہے، جس سے پانی ملانے والے محروم ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۳ھ۔

دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال [۱۰۶۲]: میں ایک دکان دار ہوں اور دودھ کے بیچنے کا کام کرتا ہوں اور اس دودھ میں

= "واستدل بعضهم بالآية على القول بأن لهو الحديث الكتب التي اشتراها النضر بن الحارث على حرمة مطالعة كتب تواريخ الفرس القديمة، وسماع ما فيها، وقراءته، وفيه بحث، ولا يخفى أن فيها من الكذب ما فيها، فالاشتغال بها بغير غرض ديني خوض في الباطل". (روح المعاني، لقمان: ۶: ۲۱/۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۲، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال "ياصاحب الطعام، ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"من علم بسلعته عيبا لم يجز بيعها حتى يبينه للمشتري، فإن لم يبينه فهو آثم عاص، نص عليه أحمد". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيع العيب، باب خيار العيب: ۱۴/۵۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب خيار العيب: ۵/۵، سعيد)

دودھ میں پانی ملا کر چائے بنانا اور بیچنا

سوال[۱۱۰۷۳]: دودھ میں پانی ملا کر گرم کرتے ہیں اور اس کے بعد اس دودھ کی چائے بنا کر دیتے ہیں، تو کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ خالص دودھ خریدیں اور اس میں پانی ملائیں، یہ عمل ایسا ہوگا کہ اگر دوسرا شخص یہ کرے تو آپ کو ناپسند ہے، خود اس عمل کو کریں گے تو وہ کیوں ناپسند نہیں؟ بہر حال اگر پانی اس لئے ملاتے ہیں تا کہ گرم کرنے سے پانی پانی جل جائے اور دودھ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور اس سے چائے بنا کر دیں، تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۹ھ۔

حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال تجارت منتقل کرنا

سوال[۱۱۰۷۴]: ایسی تجارت کے تعلق سے کہ گورنمنٹ ضلع بندی کرتی ہے اور اپنی جگہ سے دوسری جگہ کو مال، یعنی غلہ وغیرہ لے جانے کو جرم قرار دیتی ہے، اس کے باوجود تاجر لوگ غیر قانونی حرکت کرکے نگراں کاروں کو رشوت دے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ میں غلہ وغیرہ منتقل کرکے تجارت کرتے ہیں، تو ایسی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جائز ہونے کی کیا صورت ہے، کیا ایسا تاجر عنداللہ مجرم قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جو ایسی تجارت سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، تو اب حاصل کرنے کی نیت سے کار خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں سے زکوۃ، صدقۂ فطر، قربانی وغیرہ کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) چونکہ مذکورہ صورت میں دھوکہ نہیں، اس لئے مذکورہ طریقے سے چائے بنا کے بیچنا درست ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: قال من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش الخ: ۱/۲۴۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جو مال موافقِ شرع خرید کر مالک ہوجائے، اس کو اس کے ہر جگہ فروخت کرنے کا پورا حق حاصل ہے(۱)، اس فروخت کرنے سے جو روپیہ ملے، وہ اس کا مالک ہوجائے گا(۲)، حسبِ ضابطہ اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی، قربانی بھی واجب ہوگی، ایسے مال کو کارِ خیر میں صرف کرنا بھی درست ہوگا، مگر اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قانونی خلاف ورزی کر کے اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہرگز دانش مندی نہیں(۳) اور رشوت دینا تو قانونی جرم ہے اور شرعی جرم بھی ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لایمنع أحد من التصرف في ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في ردالمحتار، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعید)

(۲) "وحکمه: ثبوت الملک، أي: في البدلین لکل منهما في بدل". (ردالمحتار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۶، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع الخ: ۳/۳، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی تبیین الحقائق، کتاب البیوع: ۴/۶۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) اگر حکومت کا قانون شرعی حکم کے خلاف نہیں اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہ ہو تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ینفذ) أي: یتبع ولا تجوز مخالفته ..... فلو أمر بصوم یوم وجب".

(ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعید)

(وکذا في شرح الحموي علی الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الکلیة، ص: ۱۰۸، میر محمد کتب خانه کراچي)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الراشي والمرتشي". =

اسمگلنگ شدہ کپڑا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۷۵]: کوئی شخص نیپال سے "پارچہ" لاکر ہندوستان میں اس کپڑے کے نفع کے ساتھ خرید وفروخت کرے، باوجود اس کے کہ حکومت کی چوری ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل خلافِ قانون اور موجبِ سزا ہونے کی وجہ سے قابلِ پرہیز ہے(۱)، کیونکہ اس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا خلافِ دانش مندی ہے، اگرچہ اس خرید وفروخت کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام نہ ہو(۲)۔ فقط۔

ڈھول باجوں میں استعمال ہونے والے چمڑے کی بیع

سوال[۱۱۰۷۶]: زید ڈھول باجوں میں لگنے والے چمڑے (کھال) مختلف سائز کے ان کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ روزگار اور ان سے ہونے والی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چمڑے صرف اسی کام میں آتے ہیں تو یہ کاروبار مکروہ ہے(۳)، اگرچہ حاصل شدہ قیمت اس کی

= (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم: ۲۴۸/۱، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳، ۲۰۹۴/۴، مصطفى الباز مكة)

(وكذا في رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۳۶۲/۵، سعيد)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا" رقم الحاشية: ۳

(۲) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

(۳) "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ... فكله مكروه تحريماً، بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به =

بیچنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۵ھ۔

کسی چیز کو کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم

سوال [۱۱۰۷۷]: غریب لوگوں کی پریشانی دور کرنے کے لئے گورنمنٹ نے نظام بنایا ہے کہ ان یا قیمت پر پندرہ فیصد نفع لی اس سے زائد لینا جرم ہے، مگر تاجر حضرات کو ٹھیکہ بھی اسی شرط کے ساتھ دیا گیا ہے کہ ان کا زیادہ قیمت لینا جائز ہے، شرط یا عدم شرط سے کوئی فرق ہوگا؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی چیز کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا اختیار ہوتا ہے (۲)، لیکن حکومت کے

= بالسلطان". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۲/۴۵۳، مكتبه دارالعلوم ديوبند)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً، أي من ذمي، أما من مسلم كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴/۲۱۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

(۱) "في الأشربة للإمام السرخسي: بيع العصير ممن يتخذ خمراً لا يكره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعندهما: يكره ولا يجوز البيع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۳/۲۱۰، رشيديه)

"وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴/۲۱۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) تفصیلی تحریر تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک تاجر کا دوسرے شہر مال منتقل کرنا" مرقوم الحاشية: ۳۰۱

قانون کے خلاف کرنا عزت اور مال وجان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ یہ حکومت کی چوری ہے، جس پر سزا ہوسکتی ہے، خلاف قانون کرکے جان، عزت، مال کو خطرہ میں ڈالنا قرین دانش مندی نہیں ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۷ھ۔

۱۰۰ روپے کی چیز ۱۲۵ روپے میں فروخت کرکے ۲۵ روپے اپنے پاس رکھنا

سوال [۱۱۰۷۸]: ایک آدمی نے ایک شخص سے کہا کہ ہمارا مال ایک سو روپیہ میں فروخت کردیں گے اور پھر اس نے اس مال کو ایک سو پچیس روپیہ میں فروخت کیا اور جس نے سو روپیہ میں مال فروخت کرنے کو کہا تھا اس کو سو روپیہ دے دیئے اور ۲۵ روپیہ خود رکھ لئے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیے (۲)، یوں کہہ دے کہ مجھے سو روپیہ میں دے دو، پھر خرید کر جس قیمت میں چاہے فروخت کردے (۳)، یا صاحبِ مال کہہ دے کہ یہ مال جتنے میں چاہے فروخت کردو، مجھے سو روپے

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "حکومت کی چوری کے واقعات، ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا"۔

(۲) اس میں دھوکہ ہے، اس لئے یہ کرنا درست نہیں۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مر على صبرة من طعام فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "يا صاحب الطعام ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس"، ثم قال: "من غش فليس منا"". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ومن غشنا فليس منا"". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من غشنا فليس منا": ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) کیونکہ خریدنے کی صورت میں وہ اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جس قیمت پر چاہے آگے فروخت کرے

دے دو، یا یہ کہے میں تمہارا یہ مال ایک سوپچیس روپیہ میں فروخت کروں گا، پچیس روپے مجھے دے دینا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۳/۳ھ۔

تجارت میں نفع کتنا لینا چاہیے؟

سوال[۱۱۰۷۹]: میں دکانداری کا کام کرتا ہوں اور نفع لے کر سودا فروخت کرتا ہوں، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تم من مانی نفع لیتے ہو زیادہ نفع لینا حرام ہے تو مجھے ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا چاہیے؟ یا بغیر نفع چیز کو فروخت کر دینا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کی ہی جاتی ہے نفع کے لئے، نفع لینا جائز ہے(۲)، لیکن نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

= "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوّزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في احسن الفتاوی، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۳/۱۰۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۵/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية: ۴/۴۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

خلافِ مروت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

ہرے بھرے درخت کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۰۸۰]: آج کل لوگ ہرے بھرے درختوں کی جو جاندار ہیں، کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرتے ہیں اور اس سے آئے دن مستفید ہو رہے ہیں، اس طرح کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درخت پھل دار ہرے ہوں یا ان کے سایہ سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہو، ان کو کٹوانا مناسب نہیں (۲)۔

---

(۱) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرهما، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ" (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۳/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۴/۶، رشيديه)

(۲) "عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من قتل صغيراً أو كبيراً، أو أحرق نخلاً، أو قطع شجرة مثمرة، أو ذبح شاة لإهابها لم يرجع كفافاً" (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۱۸۶۳: ۳۷۱/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن يحيى بن سعيد أن أبابكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه بعث جيوشاً إلى الشام ... وإني موصيك بعشر، لا تقتلن امرأة، ولا صبياً، ولا كبيراً هرماً، ولا تقطعن شجراً مثمراً ... إلى آخر الحديث.

(وكذا في موطا الإمام مالك، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ص: ۲۹۵، ۲۹۶، مير محمد كتب خانه كراچی)

تاہم ان کو کٹوا کر تجارت کرنے سے جو آمدنی ہوگی، اس کو حرام نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۴ھ۔

آتش بازی کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۰۸۱]: ہم آتش بازی کا کاروبار کرتے ہیں، جس کو مسلم غیر مسلم سب ہی خرید کر استعمال کرتے ہیں، یہ کاروبار اور اس کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الجهاد: ۴/۱۲۹، سعيد)

(۱) لکڑی چونکہ مال متقوم ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس کی خرید وفروخت درست ہے اور اس سے حاصل شدہ کمائی حلال ہے۔

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) خرج غير المرغوب كتراب، وميتة، ودم، (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"نهي عن معاونة غيرنا على معاصي الله تعالى". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۲/۳۸۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق

سوال [۱۱۰۸۲]: نقد خریداری کے وقت ایک قیمت اور ادھار کے وقت دوسری قیمت، ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ ربوا میں شامل نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ربوا نہیں ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے(۱)، البتہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اتنا اضافہ کرنا کہ غریب خریدار پر بار زیادہ پڑ جائے، خلاف مروت ہے، کیونکہ اپنی غرض کی وجہ سے مستحق احسان ومواسات ہے(۲)، نیز مجلس عقد بیع میں ہی یہ طے ہو جائے کہ یہ ادھار خرید رہا ہے، فلاں قیمت دے گا، یہ بھی ضروری

---

(۱) "لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة، احترازاً عن شبهة الخيانة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۵/۱۴۲، سعيد)

(وجامع الترمذي، باب النهي عن بيعتين: ۱/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۳/۱۳۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع المضطر، الحديث ـــ هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ـــ وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له =

ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۳]: زید نے گڑ چالیس روپے ۳۶/من خریدا، دو ماہ بعد گڑ کا بھاؤ چھتیس روپے فی من ہو گیا، ایک شخص عمر نے زید سے بطور قرض سو روپے مانگے، زید نے اس کو سو روپے نقد تو نہ دیئے، بلکہ وہی گڑ جو چالیس کے بھاؤ خرید تھا، ۴۰/ کے بھاؤ سے ہی دے دیا، جب کہ اب بھاؤ موجودہ چھتیس روپے ہے، کیا زید نے یہ ٹھیک کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپے من دیا، یعنی فروخت کر دیا اور عمر نے اس کو لے لیا، یعنی خرید لیا، تو شرعاً یہ بیع درست ہو گئی (۲)، عمر کے ذمہ چالیس روپیہ من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہو گئی (۳)، اگرچہ اس گڑ کی قیمت چھتیس روپے من بازار میں

= إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۴/۲۰۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۵/۲۵۲، امداديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۹۳

(۲) "أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) ...... (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۳) "ومن باع سلعة بثمن قيل للمشتري ادفع الثمن أولاً، ومن باع سلعة بسلعة أو ثمناً بثمن قيل لهما سلما معاً، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع في حبس المبيع الخ، الفصل الثاني الخ: ۳/۱۶، رشيديه)

ہے اور زید نے چالیس روپے من خرید اتھا۔

نقد ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہی ہے اور یہ شرعاً درست ہے (۱)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں، تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی زیادہ قیمت لینا، جس سے اس کو خسارہ ہو، یہ بات خلاف مروت ہے (۲)، لیکن مجلس عقد میں بھی یہ طے ہو جائے

= "والسابع وجوب تسليم المبيع والثمن". (رد المحتار، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۳، سعيد)

"القبض ليس بشرط في البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشتري أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، رقم المادة: ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة الحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۴۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله، إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث — وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه — وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

کہ یہ معاملہ ادھار ہے، اگر یہ بات طے نہیں ہوئی، بلکہ بات گول مول رہی کہ نقد ہے، تو یہ قیمت ہے، ادھار ہے، تو یہ قیمت ہے تو اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۵/۸۹ھ۔

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۱۱۰۸۴]: ایک شخص چھالی اور چاول جمع کر کے رکھتا ہے اور جب لوگ مصیبت یا تنگ دستی میں پڑتے ہیں، تو اس کے پاس جا کر چھالی یا چاول ادھار لیتے ہیں، وہ دوتین گنا بازار کے نرخ سے اضافے سے دیتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کے دو فریق ہیں: اول فریق جواز کا قائل ہے فریق ثانی اس کو سود کہتا ہے اور استدلال میں پیش کرتا ہے: "كل قرض جر نفعاً فهو أحد وجه من وجوه الربو".

اور شامی میں ہے "المعلوم كالمعروف".

اب آپ سے دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ ربوا النسیہ میں شامل ہے یا نہیں؟

"المعلوم كالمعروف" کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح ادھار دینا شرعاً سود نہیں، بلکہ اس طرح بیع درست ہے، البتہ مروت کے خلاف ہے، زمانہ گرانی میں غرباء کے ساتھ احسان ومروت کی ضرورت ہے، یہی مکارم الاخلاق کے لائق ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في البيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب البيوع الفاسد: ۹/۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ---- وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال =

درمختار، باب المرابحہ والتولیہ میں ہے:

"اشتراه بألف نسيئة، وباع بربح مائة بلا بيان، خير المشتري، فإن تلف الجميع أو تعيب فعلم بالأجل لزمه كل الثمن حالاً".

اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قوله: خير المشتري أي: بين رده وأخذه بألف ومائة حالة؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع. ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة، فصار كأنه اشترى شيئين بالألف، وباع أحدهما بها على وجه المرابحة، ولهذا خيانة فيما إذا كان مبيعاً حقيقة، وإذا كان أحد الشيئين يشبه المبيع يكون هذا شبهة الخيانة" (فتح).

"(قوله: لزم كل الثمن حالاً)؛ لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة، إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة".

ردالمحتار على الدر المختار: ۴/۱۵۸، نعمانیہ(۱)۔

= الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۲/۲۰۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۵/۲۵۲، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۹/۸۶، ۸۷، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۵/۱۳۲، سعيد)

"أي: إن أتلفه المشتري حالاً، ثم علم بالأجل لزمه بكل الثمن حالاً؛ لأن الأجل لا يقابله شيء من الثمن، كذا في الهداية، وأورد عليه، أنه تناقض؛ لأنه قال عند قيام المبيع إن الثمن يزداد بالأجل وعند هلاكه، قال: إنه لا يقابله شيء، وجوابه: أن الأجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم =

یہ مسئلہ اسی طرح کتب فتاوی وفقہاء میں مذکور ہے۔ فتاوی رشیدیہ(۱)، امداد الفتاوی(۲) فتاوی دارالعلوم دیوبند(۳) میں بھی اسی طرح کی تصریح ہے، شرح کنز(۴)، فتح القدیر(۵)، عینی شرح ہدایہ(۶) میں بھی اسی طرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۶ھ۔

ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۵]: ہمارے یہاں کے مالداروں نے غریبوں کو ستانے کے لئے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ جب گرانی میں فاقہ کشی کا وقت آتا ہے اور کوئی غریب کسی مالدار سے چاول وغیرہ قرض مانگتا ہے تو وہ نہیں دیتا ہے اور ان بیچاروں کے پاس اتنے روپے موجود نہیں ہوتے ہیں کہ جن سے فی الحال اس چیز کو خرید سکیں تو وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دیکھو فی الحال مثلاً: ایک کوئنٹل گیہوں کی قیمت چالیس روپے ہے، تو ہم تم کو وہی ایک کوئنٹل گیہوں دیں گے، مگر قیمت بجائے عام بھاؤ چالیس روپے کے ساٹھ روپے لیں گے اور اس روپے کی ادائیگی کے لئے تم کو دو ماہ کی مہلت بھی دیں گے، چنانچہ دونوں کے درمیان اسی طرح بیع ہو جاتی ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے غریبوں کو ستانا کیسا ہے؟ اور پھر یہ بیع صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

= یشترط زیادة الثمن بمقابلته قصداً، ویزاد في الثمن لأجله إذا ذکر الأجل بمقابلة زیادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة". (البحر الرائق، کتاب البیع، باب المرابحة والتولیة: ۱۹۱/۶، رشیدیه)

(وکذا في الهدایة، کتاب البیوع، باب التولیة والمرابحة: ۷۶/۳، شرکت علمیه ملتان)

(۱) (فتاوی رشیدیہ، کتاب خرید وفروخت کے مسائل، ادھار چیز کو زیادہ قیمت پر دینا، ص: ۴۹۳، ۴۹۴، سعید)

(۲) (امداد الفتاوی، کتاب البیوع، درزیوں کی مشین قسطوں پر خریدنا: ۲۲/۳، دارالعلوم کراچی)

(۳) (فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب البیوع، ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ کرنے کا حکم: ۲۱۰/۱، دارالإشاعت)

(۴) (البحر الرائق، کتاب البیع، باب المرابحة والتولیة: ۱۹۱/۶، رشیدیه)

(۵) (فتح القدیر، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(۶) (البنایة علی الهدایة للعیني، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة: ۳۶۶/۱۰، حقانیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا شرعاً ناجائز نہیں، تجارت میں یہ فرق شرعاً ورواجاً درست ہے(۱)، لیکن جو غریب فاقہ کشی سے عاجز آ کر ادھار غلہ لیتا ہے تاکہ اپنے بھوکے بچوں کو کھلا سکے، وہ بہت زیادہ قابلِ رحم ہے، مالداری بالداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غریب فاقہ کش کی امداد کرے(۲)، اگر اتنا حوصلہ نہیں تو عام نرخ کے اعتبار سے فروخت کردے، یہ بھی نہیں کرسکتا تو معمولی نفع لے لے، زیادہ نفع لینا مروت وہمدردی کے خلاف ہے۔ گو بیع پر ناجائز ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، الا ترى، أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله، إذا ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين: ۲۳۳/۱، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ..... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ..... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کی واپسی

سوال[۱۱۰۸۶]: واضح ہو کہ انجمن کا مدرسہ کا باغ اور کچھ زمین جس میں پچاور، یعنی بوس پیدا ہوتا ہے، چونکہ کچھ حصہ باغ میں شامل ہے اور طریقہ پہلے سے یہ ہے کہ اکٹھا باغ اور پچاور والی زمین کو نیلام کیا جاتا ہے، ورنہ ہوتا یہ ہے کہ فصل باغ اور پچاور انجمن کی نیلام ہوئی اور ۴/۱ حصہ کل نیلام فوراً کیا جاتا ہے اور باقی روپیہ تقریباً ۱۵/ یوم میں لیا جاتا ہے، وہ اس لئے ۴/۱ حصہ لگایا جاتا ہے، اگر کوئی شخص بغیر نیلام فصل باغ یا پچاور کا نیلام چھوڑ دے تو ۴/۱ حصہ روپیہ کا جمع ہونے سے دوبارہ نیلام ہونے پر جو رقم طے گی، نیلام سے کم ہوگی، اس جمع کئے ہوئے روپیہ سے لے کر باقی واپس کردیا جائے گا۔

ابھی تک کوئی موقع ایسا نہیں ہے، جو روپیہ کی ادائیگی میں رکاوٹ ہوگئی ہو، لیکن اس مرتبہ ایسا ہوا کہ نیلام باغ وپچاور اور مبلغ ۱۹/ سو روپیہ کی ہوئی اور مبلغ ۱۰۰/ روپیہ فوراً دیا، باقی ۴/۳ حصہ شام کو دینے کا وعدہ کیا، لیکن اس شخص نے ۱۵/ یوم تک یہ روپیہ نہیں دیا اور میں نے تحریر سے بھی اس شخص کو مطلع کیا کہ اگر ایک ماہ تک آپ کل روپیہ جمع نہیں کرتے ہیں، تو باغ وپچاور دوبارہ نیلام کر کے جو رقم کل ہوگی، وہ تم سے وصول کی جائے گی، لہٰذا بعد میعاد دوبارہ نیلام کردیا، چونکہ مبلغ پونے سترہ سو کی نیلام ہوئی، اس صورت میں مبلغ سو روپیہ جو ہمارے پاس ہے، وہ روپیہ واپس کردیا جائے یا لے لیا جائے، جیسا کہ حکم شرعی ہو، مفصل تحریر کردیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ پیشگی جمع شدہ رقم ۱۰۰/ روپیہ واپس کردی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده رضي الله تعالیٰ عنه، أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه =

بیع نامہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کرنا

سوال[۱۱۰۸۷]: میں اپنا ایک مکان بیع کرنا چاہتا تھا، اس کے کئی خریدار تھے، بالآخر ایک صاحب نے معاملہ بیع مجھے پچیس ہزار پانچ سو روپے میں طے کیا اور مبلغ چار ہزار پانچ سو روپے بطور زر بیعانہ ادا کیا اور بقیہ زر ثمن فراہم کرنے کے لئے چھ ماہ موقع مانگا، میں نے اس شرط پر چھ ماہ کا موقع دے دیا کہ اگر وہ بیعانہ نہیں کرائیں گے تو چار ہزار پانچ سو روپے زر بیعانہ ضبط ہوجائے گا اور خریدار اس روپیہ کے واپس پانے کا مستحق نہ ہوگا، خریدار بخوشی اس پر رضا مند ہوگئے اور معاہدہ مکمل ہوگیا۔

اب وہ بیعانہ لکھانے سے بالکل منکر ہیں اور اپنا روپیہ واپس مانگتے ہیں اور ان سے معاملہ طے ہونے کی وجہ سے اور خریدار بھی ہٹ گئے، ان حالات میں اگر روپیہ واپس نہ کریں، تو کیا شرعاً گرفت ہوگی اور ہم گنہگار ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روپیہ کی واپسی واجب ہے، جو معاہدہ پہلے کرلیا گیا تھا کہ بیعانہ نہ کرانے کی صورت میں یہ رقم

= وسلم نهى عن بيع العربان، قال مالك: وذلك فيما نرى، والله تعالىٰ أعلم، يشتري الرجل العبد أو الوليدة، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: للذي اشترى منه أو تكارى منه، أعطيك ديناراً أو درهماً أو أكثر من ذلك أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبت ماتكاريت منك، فالذي أعطيتك من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة، فما أعطيتك لك، باطل بغير شيء".

(إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۹۶/۱۴، إدارة القرآن كراجي)

"ونهى عن بيع العربان، أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، بيوع فيها معنى الميسر: ۲۸۸/۲، قديمي)

"بيع العربان وصورته: أن يشتري الرجل شيئاً فيدفع إلى المبتاع من ثمن ذلك المبيع شيئاً على أنه إن نفذ البيع بينهما كان ذلك المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترك المشتري بذلك الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلى منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مال بغير عوض". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، الباب الرابع في بيوع الشروط والثنيا: ۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب بيع العربان، ص: ۱۵۸، قديمي)

ضبط ہوجائے گی، یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے، اس کی پابندی لازم نہیں، اس کو توڑنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "پیمانہ کی واپسی"۔

باب المتفرقات

زمین کی بیع کے بعد پیمائش میں کمی نکلنا

سوال[۱۱۰۸۸]: حمید نے ایک اراضی ۲۹۰۰ روپیہ بیگھہ کی شرح سے خریدی اور اسی وقت قیمت بھی ادا کردی، لیکن زید نے کہا کہ ابھی ہم اس پیسہ سے کچھ کما لیں اور چند دنوں کے بعد یہ اراضی آپ کے نام بیع نامہ لکھوا دیں گے، حمید نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جس اراضی کے لئے زید کو پیسہ دیا گیا ہے، وہ کم ہے، اس پر حمید نے زید سے کہا کہ اراضی کم ہے، آپ کی جتنی اراضی ہے، اس کا پیسہ لیں یا نشان دہی کراکے پوری اراضی دیں، تو زید نے کہا ہم بے وقوف نہیں کہ نشان دہی کراکے دیں یا پیسہ کم لیں، اگر آپ کو گراں ہو تو پیسہ لے لیجئے۔ اس پر حمید نے کہا کہ پیسہ ہی واپس دیجئے، لیکن زید نے اس وقت کوئی رقم نہیں دی اور نہ ہی وعدہ کیا کہ ہم فلاں تاریخ تک رقم دیں گے، اب ایسی صورت میں بیع باقی رہی یا ٹوٹ گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع میں تو کوئی شرط نہیں لگائی گئی، جو کچھ بات چیت ہوئی، بیع مکمل ہوجانے کے بعد ہوئی، اس کا بیع پر کوئی اثر نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۱۴۰۰ھ۔

(۱) "(ولا بیع بشرط) شروع في الفساد الواقع في العقد بسبب الشرط، لنهيه صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع وشرط، لكن ليس كل شرط يفسد البيع، نهر. وأشار بقوله بشرط إلى أنه لا بد من كونه مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع بشرط فاسد: ۵/۸۴، سعيد)

"وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل يلتحق عند =

خرید کردہ تجوری میں سے کچھ روپیہ ملا، وہ کس کی ملک ہے؟

سوال[۱۱۰۸۹]: زید وعمرو دو بھائیوں کی ملکیت میں ایک لوہے کی تجوری (۱) تھی، جس کو دونوں بھائیوں نے متفقہ طور پر خالد کے ہاتھ تجوری خالی کرنے کے بعد فروخت کردی، خالد نے تجوری کو زید وعمرو کے پاس رکھوا دیا، کہ کوئی ٹھیلہ وغیرہ لے آؤں، تو اس کو لادلے جاؤں گا، کئی دن گزر گئے، اس درمیان میں کسی شخص نے خالد کو بتایا کہ اس تجوری میں جو قفل لگا ہوا تھا، جس کو دونوں بھائیوں نے تجوری بیچنے کے وقت علیحدہ کرلیا تھا، اس قفل کی بھی بائع سے مانگ کرتا کہ تجوری مکمل ہو جائے۔

خالد جس دن تجوری اٹھانے آئے تو اس نے بائع سے قفل بھی مانگا، جس پر زید نے انکار کردیا، دونوں طرف سے اصرار اور انکار کئی دفعہ ہوا، چنانچہ آخر میں خالد نے کہا، قفل دے دو، اگر تجوری کھولنے کے بعد کچھ نکلے گا، تو میں آپ کو دے دوں گا، مگر اس پر بھی زید نے انکار کیا اور اعتمادی لہجہ سے کہا کہ اگر اس میں اکنی تو کیا ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا، تو میں نے آپ کو سب کچھ دے دیا، خالد کو قفل نہ ملا، وہ تجوری لے کر اپنے گھر آ گیا اور چونکہ تجوری کا پین جس سے تجوری کا دروازہ کھلتا بند ہوتا ہے، وہ بیع کے بعد تجوری کو پلٹنے اور چڑھانے میں ٹوٹ گیا تھا، لہذا خالد نے گھر لے جا کر کسی اوزار سے اس کو کھولا، تجوری کھولنے پر کچھ رقم اس کے کسی خانہ میں خالد کو ملی، جس کی صحیح تعداد مجھ کو معلوم نہیں۔ اب مشتری خالد اس کو اپنی ملک بتاتا ہے اور زید کا بھائی عمرو کہتا ہے کہ وہ میرا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تجوری فروخت کرنے کے بعد اور زید کے اس جملہ کے بعد کہ "جو کچھ نکلے وہ تمہارا ہے"، تو وہ نکلی ہوئی رقم کس کی مانی جاوے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع تجوری کی ہوئی ہے اور جو چیز اس کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہو کہ جدا نہ کی جاتی ہو، جیسے: ہشمی قفل ہو،

= أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين في الفصل التاسع والثلاثين".

(البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۴۲/۶، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل التاسع والثلاثون في المتفرقات: ۳۲۲/۲، المطبعة الأزهرية)

(۱) "تجوری: لوہے کی الماری، جس میں زر ومال اور قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے رکھی جاتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۷۱، فیروز سنز لاہور)

نیز اس کی چابی کہ بغیر چابی کے قفل بے کار ہے، بائع کو اس رقم کا علم ہی نہیں تھا، جو اس کے کسی خانہ میں رکھی ہوئی تھی، بلکہ وہ اس کو اپنے نزدیک خالی کر چکا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب اس میں کچھ نہیں، اسی لئے اس نے بطور ترقی کہا کہ "اگر ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا تو میں نے سب کچھ آپ کو دے دیا" ظاہر ہے کہ تجوری کی بیع میں تجوری کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ دینے کے لئے وہ ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اس نے علی سبیل الفرض کہا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں روپیہ موجود نہیں (۱)، البتہ بائع کے اس قول کو ہبہ قرار دیا جا سکتا ہے، اگر وہ ہبہ کی نیت رکھتا ہو، اس لئے ہبہ ہو کر مشتری کی ملک ہو جائے گی (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) لہٰذا مذکورہ رقم بائع کی ہوگی:

"والأصل: أن ما كان في الدار من البناء، أو ما كان متصلاً بالبناء يدخل في بيع الدار من غير ذكر بطريق التبعية، وما لا يكون متصلاً بالبناء، لا يدخل في بيع الدار من غير ذكر ...... ولا يدخل القفل في بيع الحانوت والدور والبيوت وإن كان الباب مقفلاً، ذكر الحقوق والمرافق أو لم يذكر، ويدخل مفتاح الغلق استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع من غير ذكره صريحاً الخ: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، فصل: ۵/۲۸۹، ۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيع، فصل فيما يدخل تحت البيع تبعاً وما لا يدخل: ۴/۵۳۷، ۵۳۸، سعيد)

(۲) "وأما أصل الحكم: فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض؛ لأن الهبة تمليك العين من غير عوض، فكان حكمها ملك الموهوب من غير عوض". (بدائع الصنائع، كتاب الهبة: ۸/۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلا عوض ...... (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

باب بیع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

کتاب کی حقِ طباعت کا حکم

سوال[۱۱۰۹۰]: ۱...... عمرو زید سے کہتا ہے کہ کتاب متنازع فیہ کا حقِ طباعت مجھ کو دیا جائے، اس لئے کہ یہ کتاب میری وجہ سے چھپی ہے، اگر میں رقم نہ لگاتا تو کتاب طبع نہ ہوتی، زید اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ معاملہ صرف پہلی طباعت کے لئے کیا تھا، آئندہ کے لئے وعدہ نہیں تھا، یہ ذہن میں رہے کہ آئندہ کے لئے عدمِ وعدہ کا ہونا عمرو کو مسلم ہے، لہٰذا میں آئندہ کے لئے آپ کو اپنی طباعت نہیں دے سکتا، آپ فیصلہ فرمائیں، کہ ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

۲...... زید نے اشتہاری سلسلہ میں جو رقم خرچ کی ہے، اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ زید اور عمرو دونوں ہیں، یا صرف ایک ہے؟ اس طرح فساد میں جو کتابیں تلف ہوگئی، ان کا نقصان کس کے ذمہ ہوگا، دونوں کو ہوگا یا ایک کا ہوگا؟ نیز اب جو کچھ بھی کتابیں موجود ہیں، اس کے منافع میں زید کا نصف نفع کا اختیار ہے یا نہیں؟

۳...... جلد سازی کی اجرت ابھی باقی ہے اور جلد ساز بکر اپنی اجرت کا زید سے مطالبہ کر رہا ہے، اب ایسی صورت میں جب کہ جلد سازی کی تحویل میں ہوتے ہوئے کتابیں فساد میں تلف ہوگئی، تو جلد ساز ازروئے شریعت اجرت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صرف زید سے یا عمرو کی اجرت دینے کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اصل مسودہ کی قیمت جو بھی چاہے، تجویز کردے، کیونکہ وہ اس کی ملک ہے اور خریدار سے جس قیمت پر معاملہ بنے، خرید لے(۱)، لیکن کتاب طبع ہو کر جب بازار میں آگئی، تو جو شخص بھی اس کا نسخہ خریدے، وہ

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل =

خرید کر اس کو طبع کرسکتا ہے، اصل مصنف کو یا کسی اور کو منع کرنے کا حق نہیں (۱)۔ حق طبع مال متقوم نہیں۔

۴...... اشتہار کا صرفہ اصل مال کے ساتھ منضم ہوگا، جو کتابیں تلف ہوگئیں، ان کا نقصان نفع پر پڑے گا، نقصان منہا کرنے کے بعد جو کتابیں باقی رہیں، ان کا نفع حسب قرارداد نصف نصف دونوں کا ہوگا (۲)۔

= المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حق تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے، کوئی اور چھاپ نہیں سکتا ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من عمر أرضاً ليست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الكتاب السادس في إحياء الموات، رقم الحديث: ۱۳۰: ۱/۳۴۷، دار الفكر بيروت)

"وذلك لما روى أبوداود عن أسمر بن مضرس رضي الله تعالى عنه قال: أتيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فبايعته فقال: من سبق إلى ما لم يسبقه مسلم فهو له" وإن كان العلامة المناوي رحمه الله تعالى رجع أن هذا الحديث وارد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشيء منها فهي له، ولا شك أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب".

ولما ثبت أن حق الابتكار حق أقره الشريعة الإسلامية بفضل أسبقيته إلى ابتكار ذلك الشيء .... ونظراً إلى هذه النواحي أفتى جمع من العلماء المعاصرين، بجواز بيع هذا الحق". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة: ۱/۱۲۱-۱۲۳، دار العلوم كراچی)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادي، وهو الفائدة المادية التي يستفيد من عمله، أو الجانب المعنوي، وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثاني، النظريات الفقهية، المبحث الرابع، أحكام الحق، حق التاليف والنشر والتوزيع: ۴/۲۸۶۱، رشيديه)

(۲) "وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال؛ لأن الربح تابع، وصرف الهلاك =

۳- جلد ساز اپنی اجرت کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جب کہ کتابیں جلد کر کے واپس کردے، لہٰذا جو کتب تجلید کے بعد ضائع ہو گئیں، واپس نہیں کی گئیں، ان کی جلد سازی کی اجرت واجب نہیں، اس کو مطالبہ کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆
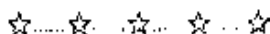
= إلى صاحب المبيع أولى كما يصرف الهلاك إلى العفو في الزكاة ... فإن فضل شيء كان بينهما؛ لأنه ربح". (الهداية، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۳/۲۶۹، ۲۶۷، شركت علميه ملتان)

"وما هلك صرف إلى الربح أولاً؛ لأنه تابع، فإن زاد على الربح لم يضمنه المضارب؛ لأنه أمين ... وما فضل قسم، وما نقص لم يضمنه المضارب". (شرح الوقاية، كتاب المضاربة، باب المضارب الذي يضارب: ۲/۲۶۵، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۵/۶۵۴، سعيد)

(۱) "بخلاف ما إذا وقعت الإجارة على العمل كالخياطة والقصارة؛ لأن العمل في البعض غير منتفع، فلا يستوجب الأجر بمقابلته حتى يفرغ من العمل فيستحق الكل ... ويشترط فيه التسليم إلى المستأجر ... وفي الخياطة ونحوها لا يكون مسلماً إليه إلا إذا سلمه إلى صاحبه حقيقة". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۸۸، رشيديه)

"الإجارة التي تنعقد على العمل يبقى له أثر في العين فإنه لا يجب عليه إيفاء الأجر إلا بعد إيفاء العمل كله ... إلا أنه لو هلك المتاع قبل تسليم الخياط أو الصباغ إياه إلى صاحبه ولو بعد الفراغ من العمل سقط الأجر، كما أنه لو هلك المبيع قبل تسليم البائع إياه إلى المشتري سقط الثمن، فكان ابتداء تحقق استيجاب الأجر في استئجار نحو القصار والخياط بالفراغ من العمل وإن كان بقاؤه وتقرره بتسليم المتاع إلى صاحبه". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الأجر متى يستحق: ۹/۷۵-۷۶، رشيديه)

(وكذا في النتف، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل، ص: ۳۲۸، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئر (حصہ) خریدنا

سوال [۱۱۰۰۶]: ہم ایک فیکٹری میں تیرہ سو کا شیئر ڈال کر اس کا نفع حساب سے جو بھی آئے، لے سکتے ہیں یا نہیں؟ فیکٹری میں ہم نقصان کے بھی حق دار ہیں، فیکٹری میں نقصان صرف آگ لگ جانے یا حادثے ہی پر ہوسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس فیکٹری میں جائز تجارت ہوتی ہے اور سودی کاروبار نہیں ہوتا، تو تیرہ سو کا حصہ خرید کر نفع اور نقصان میں شریک ہونا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۷ھ۔

---

(۱) "وشرعيتها بالكتاب والسنة والمعقول: أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾ (النساء: ۱۲) وهو خاص بشركة العين، وأما السنة فما في سنن أبي داود عن السائب، أنه قال للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: كنت شريكي في الجاهلية ...... (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ...... ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا والوضيعة على قدر المالين" (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۰-۲۹۲، رشيديه)

"ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر، واشترطا الربح بينهما على السواء، أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط، والوضيعة أبداً على قدر رؤوس أموالهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، —

کمپنی کے حصص خریدنا

سوال [۱۱۰۹۲]: مائننگ کمپنیوں، ٹریم ٹرانسپورٹ، ریلوے کمپنیوں کے حصص (شیئرز) خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تحقیق کرنے کی خاص ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہمارے نوے فیصدی مسلمان اس میں مبتلا ہیں اور ایسی کمپنیوں کے شیئرز خرید وفروخت کرتے ہیں، لیکن کفایت المفتی: ۸/۱۲۲، پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ قدس اللہ سرہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز نہیں (۱)، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے فتاویٰ امدادیہ: ۳/۱۵۵، میں کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے شیئر یعنی حصص خریدنے کو درست تحریر فرمایا ہے (۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال خریدنے اور اس کو بیچنے یا مال تیار کرنے کے لئے جو کمپنیاں ہیں، اس کے حصص خریدنا درست ہے (۳)، معاملہ صاف ہوجانا چاہیے، بعض کمپنیاں ایسی ہیں کہ وہ مال نہیں خریدتی ہیں، نہ تیار کرتی ہیں، بلکہ

= الفصل الثاني في شرط الربح والوضعية وهلاک المال: ۲/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، جزء: ۱۱، ۹/۱۹۲-۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) (كفايت المفتي، كتاب الشركة والمضاربة، تيسرا باب، کمپنی کے حصص کی خرید وفروخت: ۸/۱۱۸-۱۲۰، دار الاشاعت)

(۲) (امداد الفتاوی، کتاب الشرکت، فصل رابع، سوال نمبر ۵۲۲: ۳/۵۰۵، دار العلوم کراچی)

(۳) "أما شركة العنان: فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات بر أو طعام أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكران الكفالة خاصة، كذا في فتح القدير ۔۔۔۔۔ حتى تجوز هذه الشركة بين كل من كان من أهل التجارة كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان: ۲/۳۱۹، رشيديه)

"سمي هذا النوع مثل الشركة عناناً، لأنه يقع على حسب ما يعن لهما في كل التجارات أو في بعضها دون بعض، وعند تساوي المالين أو تفاضلهما ۔۔۔۔۔ فأما العنان فجائز بإجماع فقهاء الأمصار، ولتعامل الناس ذلك في كل عصر من غير نكير ۔۔۔۔۔". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۵/۷۵، ۷۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۰، ۲۹۱، رشيديه)

روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، ان کے حصوں کو خریدنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۱۴۰۰ھ۔

نیلام میں آپس میں قیمت ایک معیار پر طے کرلینا

سوال [۱۰۹۴۳]: ۱- الف: چند ساتھی جو نیلام کا کاروبار کرتے ہیں وہ آپس میں یہ طے کرلیتے ہیں کہ اس مال کو جو کہ مثلاً دس ہزار روپے کی قیمت کا ہے، تمام سات ہزار روپے میں خریدیں گے، اس طرح کہ کوئی شخص چھ یا سات ہزار روپے سے زائد کی بولی نہیں بولے گا، اس طرح مالک مجبوراً یہ مال اتنی ہی قیمت کا دیتا ہے، جو بولی ختم کردیتا ہے۔

ب: بعدہ سب شریک آپس میں بولی بولتے ہیں، ان میں سے ایک آدمی اس مال کو زائد رقم میں خرید لیتا ہے، اس طرح پہلی بولی سے خریدے ہوئے مال میں جو منافع ہوتا ہے وہ سب آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ شق "الف" میں جو طے کرلیا اور شق "ب" میں جو زائد منافع کا لینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

۲: چند آدمی جو نیلام کا مال خرید لیتے ہیں، اصل مالک کے کارندوں سے مل جاتے ہیں اور مال کو کم بولی پر خرید لیتے ہیں، مالک اپنے کارندوں پر اعتماد کرتا ہے کہ جب کارندے مال خریدنے والے سے رشوت لے کر مال کو اس کی قیمت سے کم میں فروخت کردیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار

---

(۱) جو کمپنیاں روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، وہ قرض پر سود لیتی ہیں، اور قرض پر سود لینا حرام ہے، لہٰذا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا بھی درست نہیں۔

"(قوله: كل قرض جر نفعاً حرام) أي: إذا كان مشروطاً كما علم مما نقله عن البحر، وعن الخلاصة، وفي الذخيرة: وإن لم يكن النفع مشروطاً في القرض، فعلى قول الكرخي لا بأس به". (رد المحتار، كتاب البيوع، فصل في القرض، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

"كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة: ۱/۵۷۵، دار العلوم كراتشي)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۵، قديمي)

ازروئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جمع یا سات ہزار سے بولی زائد ہوجانا اور زائد پر خریدنا تو درست ہے لیکن دھوکہ دینے کی نیت سے یہ سازش کرنا درست نہیں(۱)۔ خریدنے کے بعد طریقۂ مذکورہ پر بولی بولنا یا زائد قیمت پر کسی ایک کا خرید لینا، جب کہ وہ خریدنے والا اور دیگر شرکاء سب ہی اس میں شریک تھے، درست نہیں کہ اس صورت میں خود ہی بائع ہے خود ہی مشتری(۲)۔ البتہ جس کو خریدنا ہے، وہ اپنے حصہ پر قرار رکھنے کے بعد بقیہ شرکاء کے حصوں کو خریدے، جس قیمت پر مصالحت ہوجاوے، اور ہر ایک شریک آزادانہ اپنا حصہ فروخت کردے تو درست ہے(۳)۔

---

(۱) "عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ملعون من ضار مؤمناً أو مكر به". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المنبر، فنادى بصوت رفيع، فقال: "يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه! لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم" الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۲۵۵، رقم الحديث: ۸۲۰۹، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) "أما شرائط الانعقاد فأنواع: منها في العاقد... وأن يكون متعدداً فلا يصلح الواحد عاقداً من الجانبين، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۳) "باع نصف البناء مع نصف الأرض جاز سواء باعه من أجنبي أو من شريكه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب في بيع أحد الشريكين: ۳/۱۵۶، رشيديه)

"يجوز بيع أحدهما نصيبه من شريكه في جميع الصور". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۸۰، رشيديه)

۲.... یہ دھوکہ اور رشوت سب ناجائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۳/۱۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب مهم في بيع الحصة الشائعة من البناء أو الغراس: ۳۰۱/۴، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (البقرة: ۱۸۸)

"عن عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (مجمع الزوائد، كتاب الأحكام، باب في الرشوة: ۱۹۹/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وسنن أبي داود، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۱۴۸/۲، امداديه)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۷۶/۶، رقم الحديث: ۲۱۸۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ملعون من ضار مؤمناً أو مكربه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمي)

فصل في بيع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

رقم پہلے دے کر سامان آہستہ آہستہ خریدنا

سوال[۱۱۰۹۴]: ایک شخص نے ایک شخص کو ۵۰۰ روپے دیئے اس شرط پر کہ وہ اسے ایک روپے فی کلو کے حساب سے دودھ دیتا رہے گا، جب تک کہ رقم ادا نہ ہو جائے، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور بیع سلم کے اندر یہ شکل آتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کی شرائط تو اس میں موجود نہیں (۱) فقہاء نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے (۲)، جو رقم پیشگی دی

---

(۱) "(وأما شرائطه فنوعان) — (فأحدها) بيان الجنس أنه دراهم أو دنانير — (والثاني) بيان النوع — (والثالث) بيان الصفة أنه جيد أو ردي أو وسط — (والرابع) بيان قدر رأس المال — (والخامس) كون الدراهم والدنانير منتقدة — (وأما الشروط التي في المسلم فيه) (فأحدها) بيان جنس المسلم فيه — (والثاني) بيان نوعه — (والثالث) بيان الصفة — (والرابع) أن تكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع — (والخامس) أن يكون المسلم فيه مؤجلاً بأجل معلوم حتى أن سلم الحال لايجوز — عن محمد رحمه الله تعالى: أنه قدر أدناه بشهر، وعليه الفتوى كذا في المحيط —". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الأول الخ: ۱۷۸/۳-۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۱۳/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۷۱، رشيديه)

(۲) "قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريت منك مائة من من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان البيع مجهولاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد)

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

بیع فضولی کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۰۹۵]: مسماۃ کنیز فاطمہ نے اپنا مکان اپنے پوتے اور پوتی کو حصہ مساوی ۱۹۳۵ء میں ہبہ کردیا، ہبہ نامہ رجسٹری شدہ موجود ہے۔ لیکن ۱۹۵۱ء میں پوتا پاکستان چلا گیا، جس کی وجہ سے نصف حصہ کسٹوڈین کو ملا، کسٹوڈین نے نصف حصہ کے نیلام ہونے کا حکم ۱۹۵۴ء میں نافذ کردیا، لیکن ۱۹۵۹ء میں کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا، دوسری جب پوتی نے حاکم سے نیلام منسوخ کرادیا اور ناجائز قرار دیا، کسٹوڈین نے پھر سے نصف حصہ مکان ۱۹۶۱ء میں پوتی کے نام بیع کردیا، جس کی رجسٹری بیع نامہ موجود ہے۔ ایسی صورت میں خریدار مکان مسمی اعجاز حسین اس مکان کا مالک رہے گا یا شرعاً بیع فسخ ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا اس وقت اگر مسمی اعجاز حسین نے اس نیلام کو خرید لیا تھا، پھر دعویٰ کرنے پر نیلام منسوخ کردیا گیا، کیونکہ پورے مکان کو نیلام کرنا غلط تھا(۱)، ملک غیر کو بغیر اجازت مالک بیع

---

(۱) اس لئے کہ نصف مکان ملک غیر تھا اور غیر کے ملک میں تصرف کرنا درست نہیں۔

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/ ۳۳۴، إدارة القرآن كراچی)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۰، مير محمد كتب خانه)

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

مبیع کی واپسی پر قیمت کم کرنا

سوال[۱۱۰۹۶]: اگر کسی نے کوئی چیز زید کو فروخت کردی، اگر زید ایک مہینہ یا پندرہ روز کے بعد اسے واپس کرے، اگر فروخت کنندہ اس کو واپس لیتے ہوئے اس سے کچھ پیسے بوجہ واپس لینے کے لے تو کیا پیسہ اس طرح لینا ٹھیک ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واپس میں تو ایسا کرنا درست نہیں (۱)، البتہ مستقل بیع کا معاملہ کرلیا جاوے، تو قیمت میں کمی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(قوله: (وتصح بمثل الثمن) حتى لو كان الثمن عشرة دنانير، فدفع إليه دراهم، ثم تقايلا، وقد رخصت الدنانير رجع بالدنانير لا بما دفع ـــــ (قوله: وبالسكوت عنه) المراد أن الواجب هو الثمن الأول سواء سماه أولا، قال في الفتح: والأصل في لزوم الثمن، أن الإقالة فسخ في حق المتعاقدين، وحقيقة الفسخ ليس إلا رفع الأول، كأن لم يكن فيثبت الحال الأول، وثبوته برجوع عين الثمن إلى مالكه كأن لم يدخل في الوجود غيره، وهذا يستلزم تعين الأول، ونفي غيره من الزيادة والنقص وخلاف الجنس". (ردالمحتار، كتاب الإقالة، مطلب: تحرير مهم في إقالة الوكيل بالبيع: ۱۲۵/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في الإقالة: ۱۵۶/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإقالة: ۱۷۳/۶، رشيديه)

(۲) "وفي الفتاوى العتابية: ولو قبض الثمن ثم اشتراه بأقل جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل العاشر في بيع شيئين أحدهما لايجوز البيع فيه وشراء =

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۰۶۱۱]: تجارت میں بھاؤ کر کے دھندا کرنا مثلاً: کپڑا اگر ۲۰ روپیہ کا ملا ہے، گاہک کو ۲۵ روپیہ بتایا، بعد میں بھاؤ کم کر کے ۲۵ روپے میں دے دیا، اس میں جو پانچ روپیہ کا منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا جس قیمت میں خریدا ہے، ضروری نہیں کہ اسی قیمت پر فروخت کیا جائے، بلکہ اس پر نفع لینا درست ہے(۱)، جس کپڑے کی قیمت پچیس روپے ہے، بیوپاری کو یہ نہ کہا جائے کہ میں نے تیس روپے میں خریدا ہے، کہ یہ جھوٹ ہوا، جو کہ ناجائز ہے(۲)، بلکہ یہ کہا جائے کہ میں ۳۵ روپے میں فروخت کروں گا، پھر وہ

---

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۱۳۲/۵، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه بدون زيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۱۰۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۳۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "آية المنافق ثلاث" ... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱۷/۱، قديمي)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: -

قیمت کم کرے تو یہ طرفین کی رضامندی پر ہے (۱)۔ بیچنے پر بھی معاملہ ہوجانے کا، بیع درست ہوگی، نفع بھی درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

پوسٹ کارڈ وغیرہ زیادہ قیمت سے لے کر بیچنا

سوال [۱۰۱۰۹]: پوسٹ کارڈ یا لفافہ کے قیمت ایک ... بازار سے خرید کر اپنی دکان پر رکھتا ہے اور ضرورت مندوں کو ہر لفافہ، کارڈ پر پانچ پیسہ نفع زیادہ کر لیتا ہے، آیا وہ نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس علت سے، بجواز علت اس کے مقصد سے سوال مقصود ہے، کیونکہ ہم لوگ عام طور پر ایسی چیزیں بکتے تھے، مگر بعض سے نقل عدم جواز کا سنا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی نے ٹکٹ یا کارڈ، لفافہ خرید لیا تو اس کا مالک ہوگیا (۲)، اس کو نفع کے ساتھ فروخت کرنے

وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذاباً". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

(۱) "أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۳/۲، رشيدية)

"(وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاطٍ". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي)" (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۳۳، رشيدية)

(۲) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيدية)

"وأما حكمه: فالأصل له الملك في البدلين لكل منهما في بدل". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۴، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

کا حق ہے(۱)، مگر یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ قانون کی خلاف ورزی تو نہیں، کبھی معلوم ہوجانے پر جرمانہ یا قید کی ذلت برداشت کرنی پڑے، اپنے آپ کو ذلت کے کام میں ملوث کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۱۴۰۰ھ۔

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۹۹]: بیوپاروں سے دھندا، مثلاً: ۳۰ روپیہ کا کپڑا اگر کسی بیوپاری کو بیچنے کے لئے ۳۵ روپیہ میں دیا، اس نے جھوٹ سچ بول کر، غلط ڈھنگ سے بیچ کر ۳۵ روپیہ دے دیئے، اس میں جو ۵ روپے منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوپاری کو یہ کہہ کر دیا جائے کہ یہ کپڑا میں نے ۳۵ روپے میں خرید ا ہے، تم اس کو ۳۵ ہی میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) اگر حکومت نے پابندی لگائی ہے اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہیں تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته، عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية طاعة واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

فروخت کرتا، تو یہ جھوٹ ہے، منع ہے، کیونکہ خریدا ہوا ۳۰ کا ہے (۱)، اگر یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ چیز جس قیمت میں چاہے، فروخت کرو، مجھے ۳۵ روپے دے دینا، پھر اس نے چاہے ۳۵ میں فروخت کیا یا زائد میں، تو یہ شرعاً درست ہے، نفع بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۱۴۰۰ھ۔

ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا درست ہے؟

سوال [۱۱۰۰۰]: بیوپار میں ایک روپیہ پر زیادہ سے زیادہ کتنے منافع لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں، مگر اتنا نفع لینا، جو عرفاً زیادہ شمار ہوتا ہو اور خاص کر غریب حاجت مند سے خلافِ مروت اور مکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "آية المنافق ثلاث" ... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ... وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذاباً" متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

(۲) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۵/۱۳۲، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۳/۱۰۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۴۵، رشيديه)

(۳) "ومن اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

□ البیوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولیة: ۳/۱۹۱، رشیدیہ)

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: سیأتي علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما في یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾". (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب النهي عن بیع المضطر: ۱۴/۲۰۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في بذل المجهود، کتاب البیوع، باب في بیع المضطر: ۵/۲۵۲، إمدادیه)

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

کسان کا ساہوکار سے رقم لے کر کپاس پیشگی فروخت کرنا

سوال [۱۱۱۰۱]: "الف" نامی کسان ہے، "ب" نامی ساہوکار (۱) ہے، بارش میں کسان اپنی کھیتی میں ہر قسم کا بیج بوتا ہے، جب پودے پک جاتے ہیں تو اس کے دیگر کام یولائی، مزائی وغیرہ کے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، کسان کے پاس پیسہ نہیں رہتا، لہٰذا وہ ساہوکار کے پاس جاتا ہے اور پیسہ طلب کرتا ہے، ساہوکار پیسہ دینا چاہتا ہے، مگر اس شرط پر کہ کپاس کا بھاؤ ۳۰ یا ۳۵ روپے من پر (۴۰ کلو کا من) اور جوار ۱۰/ یا ۱۲/ روپے من اس حساب سے دوں گا، جتنے من کا پیسہ درکار ہو لے لو، کسان قبول کر کے ضرورت کے مطابق روپیہ لے لیتا ہے، اس کے بعد فصل پر وعدہ کے مطابق دیتا ہے اسی بھاؤ سے، جس وقت کسان پیسہ لے رہا ہے، اس وقت ہر چیز کا بھاؤ دوگنا ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے کم نرخ قبول کر کے لے رہا ہے، اس کو مہاراشٹر میں "جلپ" کہتے ہیں، یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ بیع سلم کا ہوگیا، اگر ہر جنس کی قسم، وزن، نرخ، وصولیابی کی جگہ اور وقت اسی طرح متعین کرلیں، کہ اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہو تو درست ہے (۲)، جو روپیہ پیشگی لیا گیا ہے، وہ اس جنس کی قیمت ہے، قرض نہیں، لیکن

---

(۱) "ساہوکار: مہاجن، بینکر، صراف، سود پر روپیہ چلانے والا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(وشرطه) أي: شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة، (بيان جنس) كبر أو تمر، (و) بيان (نوع) كمسقي أو بعلي (وصفة) كجيد أو رديء، (وقدر) ككذا كيلاً، لا ينقبض ولا ينبسط (وأجل، وأقله) في السلم (شهر) به يفتى". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۳/۱۷۹، ۱۸۰، رشيديه) =

غریب ضرورت مند مستحق رحم ہوتا ہے، اس سے نرخ میں اتنی کمی کرنا مروت کے خلاف ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پیشگی دھان خریدنے کے بعد مقررہ وقت پر دھان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۰۲]: زید نے عمر کو کچھ روپیہ دیا، اس شرط پر کہ وہ زید کو فصل خریف کے موقع پر فی روپیہ چار کلو کے حساب سے دھان دے گا، اتفاق سے عمر کے پاس اتنا دھان نہیں ہوا کہ وہ زید کو دے سکے، اب زید نے عمر سے کہا، میرا وہ روپیہ جو پہلے دے چکا ہوں اور آج کے حساب سے جو قیمت پہنچتی ہے، ان سب کا آئندہ فصل کے موقع پر دھان لوں گا، تو کیا متعاقدین کی مذکورہ صورت کے ساتھ بیع وشراء کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اب معاملہ جائز نہیں، روپیہ دیتے وقت جو معاملہ کیا تھا، اس کی پابندی لازم ہے یا جس قدر روپیہ دیا جاتا تھا، معاملہ فسخ کر کے وہ روپیہ واپس کر دیا جائے، کذا في الدر المختار، باب بیع السلم(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۶ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۹۶/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۳۱/۳، ۱۳۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين والمروءة أن لايباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(ولا) يجوز لرب السلم (شراء شيء من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة) في عقد السلم =

قرض دے کر پیشگی مکئی خریدنا

سوال [۱۱۱۰۳]: ۱…… ہمارے ملک میں یہ پیشہ اور رواج ہے، مثلاً: ماہ اپریل کو ایک سو روپیہ قرض دار کو دے دیا اور اسے طلب کرکے یعنی زبانی اقرار کرلیا کہ ماہ نومبر یا دسمبر کو مکئی لوں گا، وہ کہتا ہے کہ سو روپیہ میں دس من دوں گا، یہ طریقہ چلتا ہے۔ قرض دار جس وقت سو روپیہ لیتا ہے، اس وقت مکئی کا نرخ ڈیڑھ روپیہ فی سیر ہوتا ہے اور جس وقت مکئی قرض پر دیتا ہے، تو اس وقت عام نرخ دو سیر فی روپیہ ہوتا ہے اور لینے والا اپنا کیا ہوا دس روپیہ من لیتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲…… ایک شخص قرض پر روپیہ دیتا ہے، قرض دار کو دینے والا روپیہ دیتا ہے، اس بیع میں یہ قاعدہ مقرر کرکے یعنی تم کو روپیہ دوں گا، عام نرخ سے فی سیر دو روپیہ کم لوں گا، مثلاً: دس روپیہ فی سیر عام نرخ ہے، لیکن میں تجھے فی سیر آٹھ روپیہ یا سات روپیہ فی سیر دوں گا، یہ سود ہے یا نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱…… سو روپیہ دیا اور طے کرلیا کہ آئندہ فلاں مہینہ میں اس روپیہ کی مکئی فلاں نرخ سے لوں گا اور فلاں جگہ لوں گا اور سب چیزیں اس طرح طے کرلی جائیں کہ جھگڑا نہ ہو، تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے(۱)۔

– الصحیح، فلو کان فاسداً جاز الاستبدال کسائر الدیون، (قبل قبضه) بحکم الإقالة، لقوله علیه السلام: "لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک" أي: إلا سلمک حال قیام العقد أو رأس مالک حال انفساخه، فامتنع الاستبدال". (الدر المختار، کتاب البیوع، باب السلم: ۵/۲۱۹، سعید)

"فإن تقایلا السلم، لم یشتر رب المال من المسلم إلیه برأس المال شیئاً: یعني قبل قبضه بحکم الإقالة، لقوله علیه السلام: "لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک" أي: إلا سلمک حال قیام العقد أو رأس مالک حال انفساخه". (تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب السلم: ۴/۱۵۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الهدایة، کتاب البیوع، باب السلم: ۳/۹۹، إمدادیه ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر: کتاب البیوع، باب السلم: ۳/۱۳۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۱) "(وأما شروطه التي في المسلم فیه) (فأحدها) بیان جنس المسلم فیه حنطة أو شعیراً ... (والرابع) أن یکون معلوم القدر بالکیل أو الوزن أو العدد أو الذرع کذا في البدائع ... (والخامس) أن یکون المسلم فیه مؤجلاً بأجل معلوم ... (والتاسع) بیان مکان الإیفاء فیما له حمل ومؤنة کالبر ونحوه ...". ـ

اگرچہ عام نرخ جو کچھ بھی ہوں۔ لیکن اگر سو روپیہ قرض دے دیا، پھر کسی وقت اس سے مل کر کسی کا معاملہ کیا تو یہ صحیح نہیں (۱)۔

۲..... جب روپیہ قرض دیا ہے تو اس وقت یہ طے کرنا کہ اس کے عوض فلاں چیزلوں گا، غلط اور منع ہے، البتہ جب قرض واپس کرنے کا وقت آئے اور بجائے روپیہ واپس کرنے کے کوئی اور چیز اس کے عوض دینا چاہے تو اس وقت دونوں رضامندی سے معاملہ کرلیں اور نرخ طے کرلیں (۲)، لیکن اس کا خیال کرلیں کہ نرخ طے کرنے میں قرض کی وجہ سے نرخ پر فرق نہ کیا جائے، بلکہ جو عام نرخ ہو وہی طے کرایا جائے، ورنہ سود ہوجائیں گے (۳)۔ سود کو اللہ ورسول نے حرام قرار دیا ہے۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۱۷۹/۳، ۱۸۰، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۱۳/۵، ۲۱۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب السلم: ۲۶۶/۶، ۲۶۷، رشيدية)

(۱) "الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب: ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۳۸۹/۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۶، قديمي)

"(هو عقد مخصوص يرد على دفع مثلي) خرج القيمي (لآخر ليرد مثله)". (الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۲) "والثاني: بيع العين بالدين نحو بيع السلع بالأثمان المطلقة، وبيعها بالفلوس الرائجة والمكيل والموزون والمعدود المتقارب ديناً". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۹۹/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية هامش فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۳۰۸/۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، =

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

تجارت میں ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال[۱۱۱۰۴]: تجارت میں ذخیرہ اندوزی کیسی ہے؟ ذخیرہ اندوزی کب تک جائز یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذخیرہ اندوزی سے اگر یہ مراد ہے کہ اپنی بستی کا غلہ خرید کر اپنے پاس محفوظ کرلیا جائے اور باوجود ضرورت کے فروخت نہ کیا جائے کہ جب زیادہ گراں ہوجائے گا، تب فروخت کرے گا تو یہ صورت شرعاً ناجائز اور موجب لعنت ہے(۱)۔

"المحتكر ملعون" الحديث(۲)۔

اگر کچھ اور مراد ہے، تو اس کو صاف لکھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۸ھ۔

---

(۱) "يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها، لقوله عليه الصلاة والسلام: "الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" ولأنه تعلق به حق العامة، وفي الامتناع عن البيع إبطال حقهم، وتضييق الأمر عليهم فيكره".

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۰/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۲۰۰/۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ص: ۱۵۶، قديمي)

"وعن معمر بن عبدالله بن فضلة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

ذخیرہ اندوزی

سوال[۱۱۱۰۵]: میں اگر فصل آنے پر ہزار پانچ سو روپے کا غلہ خریدلوں اور اس کو انتظار میں گھر میں بھرا ہوا رہنے دوں کہ جب فصل مہنگا فروخت کروں گا تو غلہ گراں فروخت ہوگا، تو اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مہنگائی کا انتظار کرنا جس سے مخلوق کو پریشانی لاحق ہو، جائز نہیں، حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وسلم يقول: لا يحتكر إلا خاطئ". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في الاحتكار: ۱/۲۳۹، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في النهي عن الحكرة: ۲/۱۳۲، إمداديه)

(۱) "وكره احتكار قوت البشر كتبن وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون" فإن لم يضر، لم يكره". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

"لقوله عليه السلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۴/۲۱۲، مكتبه غفاريه كوئته)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

کمی زیادتی کے ساتھ سونے چاندی اور نوٹ کی بیع

سوال [۱۰۶۰۱]: کاغذ کے روپے کی بیع، کاغذ کے روپے کی عوض میں یا گلٹ کے روپے کے عوض میں، کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خلیل الرحمٰن مدرسہ مراد یہ کھالا پار مظفر نگر، ۱۳/۱/۹۸ھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کی بیع چاندی کے عوض ہو تو برابر اور تقابل شرط ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱) اور غالب چاندی، چاندی کے حکم میں ہے اور غالب سونا سونے کے حکم میں ہے(۲) اور جب جنسیں بدل جائیں تو برابری

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (مشكاة المصابيح، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قديمي)

"الدراهم والدنانير لا تتعينان في عقود المعاوضات عندنا، ولا يجوز بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، إلا مثلاً بمثل، تبراً كان أو مصوغاً أو مضروباً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة: ۳/۲۱۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۶/۲۱۳، ۲۲۲، رشيدية)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشة فإن كان الغالب هو الفضة فهي كالدراهم الخالصة، وإن غلب الغش فليس كالفضة ... وحكم الذهب المغشوشة كالفضة المغشوشة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض: ۱/۱۷۹، رشيدية) ....

شرط نہیں، چاندی اگر مغلوب ہو اور غش غالب ہو تو وہ غش کے حکم میں ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱)، روپیہ میں آج کل چاندی بالکل نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت مغلوب اور کالعدم ہے، یہی حال ریزگاری کا ہے۔

"وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، حتى لا يصح بيع الخالصة بها، ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بها إلا وزناً، وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها من جنسها متفاضلاً الخ" كنز(۲).

"أي: وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة، أو الذهب الذي في الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض بوجود الفضة، أو الذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لايتميز إلا بضرر، وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، فلابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش، حتى يكون قدره بمثله، والزائد بالغش على بيع

= "(وغالب الفضة والذهب، فضة وذهب، وما غلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض" (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الأثمان المطلقة: ۲/۱۰۳، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) (كنز الدقائق، كتاب الصرف، ص: ۲۶۳، حقانيه ملتان)

"(وما غلب فضته وذهبه فضة وذهب) حكماً (فلا يصح بيع الخالص به، ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً و) كذا (لا يصح الاستقراض بها إلا وزناً) كما مر في بابه (والغالب) عليه (الغش منهما في حكم عروض) اعتباراً للغالب (فصح بيعه بالخالص، إن كان الخالص أكثر) من المغشوش، ليكون قدره بمثله والزائد بالغش كما مر (وبجنسه متفاضلاً) وزناً وعدداً". (الدر المختار، كتاب الصرف: ۵/۲۶۵، ۲۶۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصرف: ۳/۱۳۰، دار المعرفة بيروت)

الزیتون بالزیت" بحر: ٦/ ٢٠٠، کتاب الصرف(١).

نوٹ اصالۃً مال نہیں، بلکہ اس مال کا حوالہ ہے، جو اس میں درج ہے،نوٹ کی بیع کی زیادتی کے ساتھ اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے،کیونکہ اس میں "تملیك الدین عمن لیس علیه الدین" لازم آتا ہے، جس کو فقہاء نے ممنوع لکھا ہے،لیکن جس زمانہ میں یہاں نوٹ کی ابتداء ہوئی،اس وقت روپیہ چاندی کا چالو تھا اور پورا ایک تولہ ہوتا تھا،اس چاندی کے روپیہ کا یہ نوٹ حوالہ تھا،تو نوٹ کی بیع وشراء درحقیقت اس کاغذ کی بیع وشراء نہیں تھی،بلکہ اس کاغذ میں لکھے ہوئے چاندی کے روپے کی بیع وشراء تھی،جس میں کمی زیادتی جائز نہیں تھی (٢)۔

مگر پھر روپیہ میں تغیر ہوگیا،اس میں چاندی کی تعداد بھی کم ہوگئی،دوسری دھات ملائی گئی اور وزن بھی کم ہوگیا،تو پورا ایک تولہ نہیں رہا،پھر یہاں تک ہوا کہ روپیہ سے چاندی ختم ہی ہوگئی،یہی حال ریزگاری کا ہے اور چھوٹ نوٹ سے حوالہ اور ذمہ داری کی عبارت بھی ختم کردی گئی اور نوٹ کا چلن اتنا ہوا کہ اس کے مقابلہ میں روپیہ بہت قلیل کالمعدوم ہوگیا اور نوٹ کا اب یہ حال ہے کہ بالکل اسی طرح چلتا ہے جس طرح روپیہ کسی شخص کا نوٹ لینے اور دینے سے بازاری معاملات میں انکار کی گنجائش نہیں۔

بینک اور ڈاک خانہ سے آدمی جب اپنا روپیہ وصول کرتا ہے،تو وہاں سے نوٹ ہی ملتا ہے۔اور بڑی بڑی جائیدادوں کے جو بیع نامہ ہوتے ہیں،ان میں نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے،بڑے بڑے عہدہ داروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں،انہیں بھی نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے اور اتنی تعداد کے روپیہ بائع ومشتری کے پاس ہوتے ہی نہیں،بلکہ ڈاک خانہ اور بینک میں بھی نہیں،اس چلن کے اعتبار سے یہ نوٹ ہی بمنزلہ سکہ کے ہوگیا اور سکہ چاندی کا نہیں ہے،جیسے فلوس نافقہ کہ وہ چاندی کے نہیں ہوتے ہیں،تو جس طرح کہ ایک روپیہ کی ریزگاری کا کمی زیادتی کے ساتھ لینا دینا درست ہے،اسی طرح ایک روپیہ کے نوٹ کی ریزگاری کی زیادتی کے ساتھ درست ہے (٣)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،٢٩/ ٨/ ١٤٠٧ھ۔

---

(١) (البحر الرائق، کتاب الصرف: ٦/ ٣٣٣،رشیدیہ)

(٢) راجع رقم الحاشیۃ: ١،ص: ٥٣٣

(٣) واضح رہے گزشتہ زمانوں میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنی تھی،اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی=

نوٹ کی ادھار بیع

سوال[۱۱۰۷۰]: زید نے عمرو کو ایک روپیہ کا نوٹ تو ڑوانے کے لئے دیا، اور عمرو نے فی الفور پچھتر پیسے واپس کئے اور پچیس ادھار لے لئے، تو کیا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ اس اصل کے اعتبار سے مال نہیں، بلکہ مال کا حوالہ ہے، لیکن آج کل روپیہ نایاب ہے، اس وجہ سے یہ نوٹ ہی روپیہ کے درجہ میں ہے، اس سے لین دین سب روپیہ کی طرح ہے، حتی کہ روپیہ میں اس کو مختلف وجوہ سے ترجیح ہے، اس لئے اس میں بیع الکالی بالکالی نہیں (۱)، روپیہ چونکہ چاندی نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف

=درست تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے وغیرہ کا ہے، اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی جائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، ينفتح باب الربا" (الهداية، كتاب الصرف: ۳/۱۰۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

"بيع الفلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى: أنه لا يجوز أيضاً ... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد فقدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى" (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دار العلوم كراچی)

(۱) اس لئے کہ بیع الکالی بالکالی کا معنی ہے بیع الدین بالدین، جب کہ مذکورہ صورت میں بیع الدین بالدین نہیں، کیونکہ زید نے عمرو کو ایک روپیہ دیا ہے اور عمرو نے قبضہ کرلیا ہے، لہذا بیع الکالی بالکالی نہیں ہوا۔

"لو باع الفلوس بالفلوس، ثم افترقا قبل التقابض بطل البيع، ولو قبض أحدهما ولم يقبض الآخر أو تقابضا ثم استحق ما في يدي أحدهما بعد الافتراق فالعقد صحيح على حاله، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۳/۲۲۳، رشيديه)

"في المحيط: لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو الدنانير، فنقد أحدهما دون الآخر جاز". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۶/۲۱۹، ۲۲۰، رشيديه) ....

کے احکام جاری نہ ہوں گے، پس ادھار کی زیادتی سب درست ہوگی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۲ھ۔

ایک نوٹ کی بیع دو نوٹ کے بدلے

سوال [۱۱۰۰۹]: ایک نوٹ دے کر دو نوٹ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ آج کل اپنے رواج کے اعتبار سے مستقل مال کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اموالِ ربویہ میں سے نہیں، جس میں مثلاً بمثل لازم ہو، تفاضل کی گنجائش ہے، جیسا کہ بیع فلوس میں بعض ائمہ نے بیان فرمایا ہے (۲)، مگر اس کا انتظام کرلیں کہ خلافِ قانون ہو کر جرم نہ بن جائے اور پھر سزا بھگتنی پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصرف، الفصل الثاني في بيع الدين بالدين وبالعين: ۸/۳۰۰، رشيديه)

(۱) نوٹ کا حکم فلوس نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع جائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة، لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه ينفتح باب الربا". (الهداية، كتاب الصرف: ۳/۱۰۲، شركت علميه ملتان)

"بيع الفلوس معينة بالتفاضل، كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى: إنه لا يجوز أيضاً ... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۹، دار العلوم كراتشي)

(۲) راجع العنوان السابق.

دس تولہ چاندی دے کر زیور خریدنا

سوال[۱۱۰۹]: ایک آدمی دس تولہ چاندی لاکر کہتا ہے کہ اس کا زیور چاہیے، زیور سنار کے پاس تیار ہے اور وہ سنار تانکا کاٹ کر برابر بدل دیتا ہے یا دونوں کی قیمت لگا کر بدل دیتا ہے، اس میں کون سی بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی ہی کی زیور کے بدلہ میں ہو تو برابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی درست نہیں(۱) لیکن اگر ایک جانب میں چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو، مثلاً: کچھ پیسے یا کوئی اور سکہ چونی اٹھنی وغیرہ کا ہو، تو دوسری جانب میں زیادتی درست ہے(۲)، مثلاً: ایک طرف دس تولہ چاندی اور آٹھ آنہ پیسے ہوں اور دوسری طرف بارہ تولہ چاندی ہو تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "ولایجوز بیع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة إلا مثلاً بمثل تبراً كان أو مصوغاً أو مضروباً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه: ۲۱۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۲۵۷/۵، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۱/۶، رشيديه)

(۲) "وكذا إذا باع سيفاً محلى بالفضة مفردة أو منطقة مفضضة او لجاما أو سرجاً أو سكيناً مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة أكثر، حتى جاز البيع كان بحصة الفضة صرفاً، ويراعى فيه شرائط الصرف، وبحصة الزيادة التي هي من خلاف جنسها بيعاً مطلقاً فلا يشترط له ما يشترط للصرف، فإن وجد التقابض وهو القبض من الجانبين قبل التفرق بالأبدان تم الصرف والبيع جميعاً". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب بيع السيف المحلى بالفضة ونحوها: ۳۵۵/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثاني: ۲۲۱/۳، رشيديه)

روپیہ دے کر سونا خریدنا

سوال [۱۱۱۱۰]: ۱..... ایک شخص کو سونا چاندی تیار کراتا تھا، اس نے کہا، پانچ تولہ سونا تیار کراتا ہے، تم کو سونا اپنے پاس سے لگانا ہے، بھاؤ طے کرلو، ہم نے بھاؤ طے کرلیا، اس نے پانچ سو روپیہ ہم کو بنانے میں دیا، اس طرح بھاؤ طے کرنا اور بنا کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

ادھار سونا و چاندی کی خرید وفروخت

سوال [۱۱۱۱۱]: ۲..... ایک آدمی کو ۲۰/تولہ چاندی اور ۳/تولہ سونے کا زیور بنا کر دیا، حساب کرنے پر ہمارے ایک ہزار کے نوٹ گاہک کے ذمہ باقی رہے، اس نے کہا میں یہ روپیہ دو ماہ بعد دوں گا، تو یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳..... ایک آدمی ۴۰/تولہ چاندی اور چار تولہ سونا زیور بنوانے کے لئے لایا، ہم نے زیور تیار کیا، اس زیور بنانے میں ہماری دو تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا زیادہ پڑا، اس کی قیمت لگانے پر گاہک کی طرف ہمارے پانچ سو روپے کے نوٹ باقی رہے، یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس پانچ سو روپیہ کو زیور بنانے کی اجرت قرار دے دیا جائے، تب بھی درست ہے (۱)، آج کل روپے (نوٹ) یا سکہ رائج الوقت سے چاندی سونا اگر خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں، جس میں برابری اور تقابل فی المجلس (ہاتھ در ہاتھ) ہونا ضروری ہو (۲)۔

---

(۱) "وما صلح أن يكون ثمناً في البيع، كالنقود، والمكيل، والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الأول في تفسير الإجارة الخ: ۳/ ۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/ ۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۷/ ۵۰۶، رشيديه)

(۲) رائج الوقت سکہ اور نوٹ چونکہ سونے، چاندی کے جنس سے نہیں ہے، اس لئے اگر سکے یا نوٹ کے بدلے سونا، چاندی خریدا جائے تو اس میں برابر اور ہاتھ در ہاتھ لینا ضروری نہیں۔

"عن عبادة بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

۲. جائز ہے(۱)۔

۳. جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆ ☆.....☆.....☆

---

(۱) "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد".

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۵۲۲/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۲۰۹/۶، ۲۱۰، ۲۱۳، رشيديه)

(۱) ادھار بیع صرف میں ناجائز ہے اور مذکورہ صورت میں چونکہ بیع صرف نہیں ہے اس لئے ادھار جائز ہے۔ (کما مر في الحاشية المتقدمة)

(۲) راجع للحاشية المتقدمة آنفاً

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع بالوفاء کا حکم

سوال [۱۱۱۱۴]: زید اپنا ذاتی مکان اپنے بھانجے بکر کو بیچنا چاہتا ہے، فی الوقت رقم فراہم نہ ہونے کے باعث بکر اپنا ایک مکان عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے کسی کو دے کر رقم لینا چاہتا ہے، تا کہ ماموں کو مکان کی رقم دے سکے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ازروئے شرع کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ رقم بھی حاصل ہو جائے اور مکان بھی مستقل طور پر نہ جا سکے اور مکان دینے اور لینے والا بھی گنہگار نہ ہوئے، بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ حالات زمانہ کے پیش نظر علماء نے بیع بالوفاء کی اجازت دی ہے، آپ مطلع فرمائیں کہ بیع بالوفاء سے کیا مراد ہے اور اس کی صوت کیا ہے؟ اور کیا بیع بالوفاء میں مکان وغیرہ مدت متعینہ کے ختم پر بائع کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ کوئی بھی اپنے فائدے کے بغیر کوئی مکان وغیرہ لینے کو تیار نہیں، اگر رہن رکھا جائے تو مرتہن دھوکے سے شئی مرہونہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے، جس کو سود بتایا جاتا ہے، اس لئے آپ مطلع فرمادیں کہ ایسی صورت بھی ہے کہ مکان مستقل طور پر نہ جائے اور اس سے حصول رقم کی جائز شکل نکل آئے، بکر مکان فروخت کرنا نہیں چاہتا ہے، اجراء کار کے لئے کسی کو دے کر رقم سے استعارہ چاہتا ہے اور بعد فراہمی رقم متعلقہ شخص کو رقم دے کر پھر اپنے قبضہ میں لے لے، ازروئے شرع وضاحت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع بالوفاء کا نام اگرچہ بیع ہے، مگر وہ درحقیقت رہن ہی ہے (۱)، مرتہن کو شئی مرہون سے انتفاع ناجائز

(۱) "وفي حاشية الفصولين: "هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا بيع =

ہے(۱)، بیع بالوفاء کو سود کا حیلہ نہ بنایا جائے، مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل ایک رسالہ "الفلک المشحون" تحریر فرمایا ہے، جس میں انتفاع بالمرہون کی صورتیں لکھی ہیں (۲)، ضرورت پر بیع قطعی کردی جائے، پھر جب اللہ تعالیٰ پیسہ دیں تو دوبارہ خرید لیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۸۸ھ۔

= باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاوى، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، قال رضي الله تعالى عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۲۳۳/۱، إسلامي كتب خانه كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۳۶۰/۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارة وإعارة؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع". (البحر الرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) (مجموعة رسائل اللكنوي، الفلک المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون، الخاتمة في فروع مختلفة متعلقة بانتفاع المرتهن بإذن الراهن وبغير إذنه: ۳/۲۱۳-۲۱۵، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة، جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب البيوع، مطلب: في بيع الوفاء، ص: ۸۳، حقانيه پشاور)

کیا بیع الوفاء حقیقۃً رہن ہے؟

سوال[۱۱۱۱۳]: ۱..... زید نے اپنی کسی ضرورت کی بناء پر اپنی کاشت کی اراضی عمر کو اس شرط پر بیع کردی کہ تین سال کی مدت معینہ کے اندر اندر جس وقت بھی میرے پاس رقم ہوجاوے اور میں لینا چاہوں، تو عمر کو یہ اراضی اسی ثمن مذکور میں واپس دینا ہوگی اور ثمن میں کمی بیشی نہ ہوگی، اگر مدت معینہ میں زید کے پاس روپیہ فراہم نہ ہوسکا اور مدت ختم ہوگئی، تو پھر یہ اراضی عمر ہی کے لئے مستقل بیع سمجھی جائے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عرف میں اس کو آڑی بیع کہتے ہیں، آیا یہ صورت مسئولہ خیار شرط میں داخل ہے، جو عند الصاحبین جائز ہے یا اس سے خارج ہے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمادیں۔

۲..... دوسری صورت اسی آڑی بیع کی اور ہے، وہ یہ ہے کہ زید نے جو بیع نامہ کیا ہے، اس میں تین سال واپس نہ لینے کی شرط ہوتی ہے کہ تین سال تک بائع بیع کو واپس نہیں لے سکتا، تین سال کے بعد اگر چاہے، اس ثمن سابق میں بیع کو لوٹا سکتا ہے، اس کی بھی میعاد ہوتی ہے، مثلاً: تین سال کے بعد دو سال تک واپس لینے کی میعاد ہوتی ہے اور دو سال پر مشتری سے نہیں لے سکا اور یہ بیع مستقل مشتری کی ملکیت ہوجاوے گی۔

۳..... اگر دونوں صورتیں ہی ناجائز قرار دی جائیں، تو پھر کوئی تیسری شکل تحریر فرمائیں جو شرعاً جائز ہو اور ایک غریب ضرورت مند اپنے کام میں لاسکے اور زمین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بیع بالوفاء ہے، ردالمحتار میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے، قول المختار یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے، مگر حکماً رہن ہے، لہٰذا اس سے انتفاع درست نہیں ہے(۱)۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد: ۴۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۱۴۴/۳، دار المعرفة بيروت) =

"کل قرض جر نفعاً حرام اھ" درمختار(۱)۔

۲.....اس کا حکم بھی وہی ہے، جو نمبر۱ میں بیان ہوا ہے(۲)۔

۳.....رہن یا بیع کا معاملہ ختم کرکے اجارہ کا معاملہ کرلیا جاوے، مثلاً: ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے، تو اپنی زمین متعین تین سال کے لئے اجارہ پر دے دی جاوے اور ایک ہزار روپیہ پیشگی کرایہ وصول کرلیا جائے، تین سال تک کاشت کرکے آمدنی کرے، پھر واپس کردے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وکذا في الفتاوی العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب: بيع الوفاء: ۲۰۸/۳، ۲۰۹، رشيديه)

(۱) "كل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"وقال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فيض القدير، رقم الحديث: ۶۳۳۶: ۳۲۸۷/۹، مكتبه مصطفى الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا، وكل شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۴۹۹/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: ۵۷۵/۱، دار العلوم كراچی)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب المداينات، الفن الثاني، ص: ۲۵۷، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۴۳

(۳) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

"وليس للمؤجر إخراجه، حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل أجرة شهرين فأكثر لكونه كالمسمى، زيلعي، (إلا أن يسمى الكل) أي: جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۰/۶، ۵۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۴۴۰/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة الخ: ۵۱۸/۷، رشيديه)

بیع الوفاء

سوال[۱۱۱۱۴]: اپنی مملوکہ زمین اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ چند سال کی مدت میں جب روپیہ واپس کردیئے جائیں گے، تو زمین واپس لی جائے گی، اس کو عرف میں کٹ تبادلہ کہتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکرہ بالا صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

واپسی کی شرط پر فروخت کرنا بیع فاسد ہے جائز نہیں ہے، اس کو بیع بالوفاء کہتے ہیں، جو کہ رہن کے حکم میں ہے(۱)۔ ایسی زمین سے مشتری کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے(۲) (كذا في ردالمحتار)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۵/۲۷۶، سعيد)

"القول: وفي جواهر الفتاوى، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، قال رضي الله تعالى عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۱/۲۳۳، إسلامي كتب خانه كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۸/۳۹۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فيبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارة وإعارة؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه، دون الانتفاع". (البحرالرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۴/۲۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۱۱۵]: ایک مسلمان اپنی جائیداد یا مکان کسی دوسرے مسلم کو فروخت کر دیتا ہے کہ اتنے عرصہ بعد رقم ادا کر کے مذکورہ جائیداد واپس خرید لوں گا اور اگر تاریخ معینہ تک نہ خرید سکا، تو اس کے بعد حق خریداری ختم اور جائیداد تمہاری، خریدار مذکورہ فروخت کرنے والوں کو اس کا مقررہ کرایہ وصول کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ تو رہن میں اور اس میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شرعاً بیع قطعی نہیں ہے، بلکہ بیع بالوفا ہے، جو کہ رہن کے حکم میں ہے، اس صورت میں کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

واپسی کی شرط پر بیع کرنا

سوال[۱۱۱۱۶]: میں نے اپنی ایک شدید اور فوری ضرورت کے لئے اپنے ایک مخلص دوست مسمی زید سے ۷۰۰۰/ ہزار روپیہ قرض لیا اور اس رقم کے عوض دس مربعہ زمین زید مذکور کے ہاتھ فروخت کر دی، بیع کے وقت مسجد میں امام مسجد کے روبرو زید نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ جب تمہارے پاس رقم مہیا ہو جائے گی تو میں زمین تم کو واپس کر دوں گا، گویا دس مربعہ زمین کی بیع سات ہزار روپے کے عوض اسی شرط اور معاہدے پر زید مذکور کے ہاتھ فروخت کر دی۔

یہ تمام سترہ مربعہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہی اور اس پر مختلف اوقات میں فصل کی کاشت کرتا رہا اور کبھی کبھی زید مذکورہ کو فصلانہ بھی دیا، اگر چہ کاشت کی بٹائی یا ٹھیکہ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

اب تقریباً سات سال کے بعد جب زید نے مجھ سے سترہ مربعہ زمین کا قبضہ مانگا، تو میں نے کہا کہ

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

آپ کا زمین کی واپسی کا معاہدہ ہے اور میں زمین واپس لینا چاہتا ہوں، تو زید نے کہا کہ اب تم زمین کا قبضہ دے دو، میں معاہدے سے منحرف نہیں ہوں، معاہدے کی بات قبضہ دینے کے بعد کرنا، میں نے جواباً کہا، کہ شریعت کو فیصل مان لو، فتویٰ منگوالو، جو شریعت کا حکم ہو، ہم دونوں اس کی پابندی کریں گے، لیکن زید نے شریعت کا حکم ماننے اور فتویٰ منگوانے سے گریز کیا اور قبضہ لینے پر اصرار کیا، چنانچہ میں نے قبضہ دے دیا اور کہا کہ میں قبضہ دیتا ہوں، لیکن میرا مطالبہ باقی ہے۔

قبضہ دینے کے چند روز بعد میں نے پھر زید کو مسجد میں بلا کر معاہدہ یاد دلایا تو زید نے کہا کہ میں معاہدہ پر قائم ہوں، زمین کی قیمت اب دس ہزار روپیہ مربعہ ہے، میں ''دو ہزار'' چھوڑتا ہوں، آٹھ ہزار روپیہ فی مربعہ قیمت دے کر اپنی زمین واپس لے لو، تو میں نے کہا کہ معاہدہ واپسی کا ہوا ہے اور واپسی کا مفہوم سب سمجھتے ہیں کہ وہ پہلی قیمت پر واپسی ہوتی ہے، نہ کہ نئی بیع۔ زید نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میں نے پھر اس سے کہا کہ شریعت کا فتویٰ منگوالو، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے فتویٰ منگوانے کی کیا ضرورت ہے؟

۱...... سوال یہ ہے کہ ''ستر'' مربعہ زمین کی بیع جو کہ واپسی کی شرط پر ہوئی تھی، یہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟

۲...... زید اس معاہدہ کو تسلیم کرتا ہے کہ واپسی کی شرط تسلیم کی گئی تھی، اگرچہ یہ بات اس وقت صاف نہیں کہی گئی تھی، کہ واپسی قیمت پر ہوگی، لیکن عرفاً اور شرعاً واپسی کا مطلب پہلی ہی رقم پر واپسی ہے یا نئی بیع؟

۳...... کیا اس معاہدے کے ہوتے ہوئے زید قیمت اول پر زمین واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کے لئے بحالتِ موجودہ وہ زمین رکھنا حلال ہے؟

۴...... گزشتہ سات سال میں جو میں اس زمین پر کاشت کرتا رہا، کیا زید مذکور کو اس کی بٹائی دینا میرے ذمہ واجب الاداء ہے؟ جب کہ بٹائی کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

۵...... اگر کیا شریعت کے حکم اور فتویٰ سے گریز کرنے پر ایمان میں خلل تو نہیں آتا؟

۶...... نیز یہ بھی تحریر فرمائیں اگر زید مذکور اس فتویٰ کو دیکھنے کے بعد متنازعہ زمین واپس نہ کرے تو؟

الف...... کیا اس کے لئے یہ زمین اپنے تصرف میں رکھنا حلال ہوگا؟

ب...... کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی؟

ج...... کیا یہ ملکیت طیب اور پاکیزہ ہوگی؟

۷۔۔۔۔ تحریر فرمائیں کہ زید کا یہ کہنا کہاں صحیح ہے، کہ واپسی کی شرط کا مطلب نئی بیع ہے، پہلی قیمت پر واپسی نہیں ہے؟

۸۔۔۔۔ یہ زید وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا ہے یا نہیں؟ اور وعدہ خلافی کا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱۔۔۔۔ بیع میں یہ ہوتا ہے کہ مبیع ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں چلی جاتی ہے (۱) اور بائع کو اس میں تصرف کا حق نہیں رہتا (۲)، یہاں آپ بیع کے بعد بھی خود ہی کاشت کرتے رہے اور مشتری سے بٹائی یا ٹھیکہ کی بات نہیں کی گئی۔ پس اگر آپ نے یہ شرط کر لی تھی کہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہے گی، اس میں تصرف کروں گا، تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی (۳)۔ اس کا فسخ کرنا اصل قیمت پر لازم ہوگا (۴)۔

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۳/۴، سعيد)

(۲) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۳۳۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

"وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه" وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه" ـــــ (فثبت) أن الفعل عدوان محرم في المال كما في النفس". (كتاب المبسوط، كتاب الغصب، الجزء الحادي عشر: ۵۳/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۳) "(و) لا (بيع بشرط) عطف على إلى النيروز، يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو) فيه نفع (لمبيع) ـــــ". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۴/۵، ۸۵، سعيد)

"وإن كان الشرط لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورة، وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة، أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير فالعقد فاسد كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي =

نیز مبیع میں واپسی کی شرط کرنے سے بھی بیع فاسد ہوجاتی ہے(۱)، اگر بیع تو بلا شرط واپسی کے کی گئی مگر بعد میں ایک معاہدہ علیحدہ سے واپسی کا کرلیا گیا، تو بیع صحیح ہوگئی (۲) مگر آپ کو کاشت کرنے اور پیداوار کھانے کا حق نہیں تھا، یہ آپ نے غلط کام کیا ہے (۳)۔ یہ سب خرابی حکم شرعی کی پابندی نہ کرنے سے پیدا ہوئی۔

۲ ---- بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوگئی، جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۴)، نہ یہ بیع جدید

= تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۰/۹، رشيديه)

(۴) "أخره عن الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسيأتي أنه معصية يجب رفعها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۲/۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۲/۳، دار المعرفة بيروت)

(۱) "ولو اشترى شيئاً ليبيعه من البائع، فالبيع فاسد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب في الشروط المفسدة: ۱۳۳/۳، رشيديه)

"وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الرهن ومطالبه، بيع الوفاء منزل منزلة الرهن الخ: ۲۵۳/۲، ۲۵۴، إمداديه)

(۲) "هذا وفي الخيرية فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال. ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل لو بغبن يسير اهـ وبه أفتى في الحامدية أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۹۵/۲، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء الخ: ۲۳۳/۱-۲۳۴، اسلامي كتب خانه كراچي)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۳۸

(۴) راجع رقم الحاشية: ۳

ہے، لہذا قابلِ (واپسی) ہے۔

۳...... جو روپیہ آپ نے لیا آپ زید کو دے دیں اور زید زمین آپ کو دے دے، یہ فسخِ بیع ہے (۱)۔

۴...... زمین فروخت کرنے کے بعد سات سال تک آپ اس میں کاشت کرتے اور کھاتے رہے، یہ آپ نے ناجائز کام کیا، ناجائز کھایا، روپیہ بھی آپ نے کھایا اور زمین بھی اپنے قبضہ میں رکھی (۲)۔

۵...... جو شخص فتویٰ دریافت کرنا ہی نہیں چاہتا، اس کے متعلق ایسی بات جس سے ایمان میں خلل آئے، ہرگز نہیں چاہیے وہ آپ کے متعلق دریافت کرے گا کہ آپ سات برس تک حرام آمدنی کھاتے رہے اور فتویٰ نہیں پوچھا، تو سخت مشکل پیش آئے گی۔

۶...... الف، ب، ج تحریر کردہ جوابات میں ان کا جواب آگیا۔

۷...... بیع ہی واجب الفسخ ہے، تو اب واپسی کی تشریح بے محل ہے۔

۸...... واپسی کی شرط کے ساتھ بیع کرکے دونوں گنہگار ہوئے (۳)۔ واپسی کی تشریح جو کچھ زید کرتا ہے، اسی کے لئے وہ اب بھی اس پر قائم ہے، معاملہ کرتے وقت یہ نیت رکھنا کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا، کبیرہ گناہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الفسخ شرعاً: رفع عقد على وصف كان قبله بلا زيادة ونقصان". (التعريفات الفقهية، ص: ۲۱۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۴۸

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۴۹

(۴) "وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم، قال بعض الفضلاء: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح في القنية بنفي الإثم، قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچي)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف، ولم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه قال الأشراف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها، وإن لم يقترن معها المنوي وتخلف عنها اهـ ومفهومه أن من وعد =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/ ۱۴۰۳ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

= وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۸۸۱، ۸/ ۶۱۵، رشيدية)

(وكذا في فيض القدير: ۲/ ۸۶۱، رقم الحديث: ۹۳۲، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

باب الربوا

(سود کا بیان)

سودی قرض کی آمدنی کا حکم

سوال[۱۱۱۱۷]: ایک شخص نے کچھ روپیہ زیور رکھ کر سود پر لے کر تجارت میں لگایا، اس کے ادائیگی کے بعد اس شخص نے دل سے توبہ کرلی، کہ آئندہ سود دوں گا نہ لوں گا، کیا اس کے بعد کسی متقی کو اس کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیور رہن رکھ کر روپیہ قرض لینا اور اس پر سود دینا گناہ ہے(۱)، لیکن اس قرض والے روپیہ سے جو تجارت کی گئی ہے، تو اس کی آمدنی ناجائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) "قال علیه الصلاة والسلام: "کل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۶۳۳۶: ۴۳۸۷/۹، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض جر نفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعید)

(وکذا في تکملة فتح الملهم، کتاب المساقات والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم کراچی)

(۲) "ثم في کل موضع لایجوز القرض، لایجوز الانتفاع به، لکن یجوز بیعه، کذا في الفصول العمادیة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض الخ: ۲۰۱/۳، رشیدیه)

سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے=

سودی قرض سے بنائے ہوئے کپڑے استعمال کرنا

سوال[۱۱۱۱۸]: احقر کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم دو بھائی اور ایک بہن ہیں اور احقر چھوٹا ہے، جائیداد موروثہ پر بھائی صاحب ہی کی نگرانی ہے اور ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی، احقر مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم حیدرآباد میں ملازم ہے۔ گو بھائی صاحب زراعت پیشہ ہیں، لیکن حال ہی میں انہوں نے احقر کے کپڑے بنائے ہیں، ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سودی قرض لے کر کپڑے بنائے ہیں، احقر کا مقصد تھا کہ اپنا حق جائیداد، یعنی آمدنی سے اپنا حصہ حاصل کروں، لیکن انہوں نے بغیر حساب آمدنی بتلائے کپڑے بنوا دیئے اور نقد ۵/۷ روپے دیئے، پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ سودی قرض لاکر دیئے ہیں، اب احقر کو اشکال ہو رہا ہے کہ ان کپڑوں اور روپیوں کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے(۱)، لیکن جو روپیہ نقد آپ کو قرض لے کر دیا ہے، وہ سود نہیں ہے، اگر

= بعد مقترض کو حاصل ہونے والے نفع میں ہے، لہذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط، لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد، فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى، مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، لا تكون أمانة غير مضمونة، وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة" القرض بالشرط حرام والشرط لغو، وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۵۳۳/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۶۹/۵، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث: ۲۴۶/۱، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أربعة حق =

طرح قرض لے کر جو کچھ ادا کر دیا ہے، وہ بھی سود نہیں ہے، آپ کے لئے جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۷ ۹۱ ھ۔

سوسائٹی میں پیسہ جمع کرنا

سوال[۱۱۱۱۹]: دیوبند اور سہارنپور میں جو سوسائٹی قائم ہے، جس میں مسلمان پیسہ جمع کرتے ہیں، کیا اس میں پیسہ جمع کرنا جائز ہے؟ جب کردہ پیسہ کے مطابق ماہانہ خرچ بھی وصول کرتے ہیں، اس طرح کہ اگر کوئی شخص رکھ کر پیسہ لیتا ہے تو "فیصد" پر ایک دو پیسہ بھی اس کو دینا پڑتا ہے، تو کیا یا ایک روپیہ لینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفاظت کے لئے پیسہ وغیرہ جمع کرنا جائز ہے(۲)، حساب اور حفاظتی انتظام کے لئے کاپی وغیرہ میں

= علی اللہ أن لا یدخلهم الجنة، ولا یذیقهم نعیمها: مُدمن الخمر وآکل الربوا، وآکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیه". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۴۷/۲، دارالفکر بیروت)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء" رواه مسلم. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمي)

(۱) "(ویصح استقراض الدراهم والدنانیر، وکذا) کل (ما یکال، أو یوزن، أو یعد متقارباً فصح استقراض، جوز وبیض)، وکاغذ عدداً". (الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۱۶۵/۵، سعید)

"ویجوز القرض في الفلوس؛ لأنها من العددیات المتقاربة کالجوز والبیض". (بدائع الصنائع، کتاب القرض: ۵۱۸/۶، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع: ۲۰۱/۳، رشیدیه)

(۲) "أما تفسیرها شرعاً: فالإیداع هو تسلیط الغیر علی حفظ ماله، والودیعة ما یترک عند الأمین. کذا في الکنز .. وأما حکمها: فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانة في یده، ووجوب أدائه =

اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں، یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حلال کمائی سے حاصل شدہ زمین میں سودی رقم سے دکان بنوانا

سوال[۱۱۱۲۰]: زید نے اپنی حلال کمائی کی جگہ میں سودی رقم سے کرائے کی دکانیں تعمیر کیں اور اس کی آمدنی سے زندگی گزارتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ سودی رقم ادا کرنے کی صورت میں اس کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو جائز کرنے کی کیا صورت ہے، کوئی دلیل پیش کریں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قدر سود لیا ہے اتنی مقدار ان لوگوں کو واپس کردے، جن سے سود لیا ہے، یا واپسی دشوار ہو، یا ان لوگوں کا علم نہ ہو تو اتنی مقدار غرباء پر صدقہ کردے(۲)، پچھلے سال جس حلال کمائی کی زمین میں سودی روپیہ سے

= عند طلب مالكه، كذا في الشمني". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع الخ: ۳/۳۳۸، رشيديه)

"قوله: (الإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله) يعني صريحاً، أو دلالة ...... وحكمها: كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه، والأداء عند الطلب، واستحباب قبولها". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۳۶۴، ۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۲-۶۶۳، سعيد)

(۱) "وما أنفق المودع على الوديعة بأمر القاضي فهو دين على صاحبها يرجع به عليه، إذا حضر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب العاشر في المتفرقات: ۳/۳۶۰، رشيديه)

"(قوله: ولو أنفق الخ) ولو لم ينفق عليها المودع بالفتح حتى هلكت يضمن، لكن نفقتها على المودع بالكسر". (ردالمحتار، كتاب الإيداع: ۵/۶۷۵، سعيد)

"وفي آخر كتاب الغصب من شرح الطحاوي رحمه الله تعالى: المودع إذا شرط الأجر للمودع على حفظ الوديعة، صح". (خلاصة الفتاوى، كتاب الوديعة، الفصل السادس في المتفرقات: ۳/۲۸۹، رشيديه)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها، لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر =

تعمیر کی ہے، وہ سب اور اس کی آمدنی اس کے حق میں درست ہوجائے گی، خلط کو فقہاء نے استہلاک لکھا ہے، جو کہ موجب ملک ہے، یعنی غیر کا روپیہ جو کہ ناجائز تھا اس کو اپنے جائز روپیہ میں مخلوط کر لینے سے اس ناجائز پیسے پر ملکیت حاصل ہوجائے گی (۱)، البتہ اتنی مقدار کو واپس کرنا یا تصدق لازم ہوگا (۲)۔ شامی، کتاب الحج میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے (۳)، نیز جلد رابع (۴)، کتاب البیوع اور جلد خامس (۵) میں بھی مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۹ھ۔

شبہ رباسے احتراز

سوال [۱۱۱۲۱]: زید نے ایک غیر مسلم کو دس ہزار روپے بطور پیشگی دودھ کے دیئے اور پیشگی دینے

= الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، فصل في البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

"قال علماءنا: إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام، إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳۴۸/۳، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر في الکسب: ۳۴۹/۵، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی الکاملیة، کتاب الزکاة، ص: ۱۵، مکتبه القدس)

(۱) "لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلط، صار ملکاً له حتی، وجبت علیه الزکاة، وورث عنه علی قول أبي حنیفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غیره عنده استهلاک". (البحر الرائق، کتاب الزکاة: ۳۵۹/۲، رشیدیه)

"(ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملکه، فتجب الزکاة فیه، ویورث عنه)؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم یکن تمییزه عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲۹۰/۲، سعید)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل العاشر في بیان مایمنع وجوب الزکاة: ۲۱۸/۲، قدیمی)

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۵۵۵

(۳) (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب: فیمن حج بمال الحرام: ۴۵۶/۲، سعید)

(۴) (ردالمحتار، کتاب اللقطة، مطلب: فیمن علیه دیون ومظالم جهل أربابها: ۲۸۳/۴، سعید)

(۵) (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب: فیمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعید)

سے قبل یہ طے کیا، غیر مسلم نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو چالیس کلو دودھ روزانہ دیا کروں گا، دودھ کا نرخ ۵۰/۱ کے حساب سے دینا طے کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر میں دودھ نہ دوں تو زید مذکور کو جو نفع دودھ بیچ کر ہوا کرے گا، اتنی رقوم میں ادا کرتا رہوں گا۔

اب خالد چالیس کلو دودھ ۱۸/ کلومیٹر دور لے جا کر ایک شہر میں فروخت کرتا ہے، اس کو دس روپے روزانہ بچتے ہیں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں میں دودھ کو لے جاتا ہے اور بیچ کر دس روپے زید کو لاکر دیتا ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مسلم دودھ ۴۰/ کلو کے بجائے ۲۰/ کلو دودھ دیتا ہے، زید ۲۰/ کلو دودھ بیچ کر ۵/ روپے کماتا ہے اور پانچ وہ غیر مسلم جو ۲۰/ کلو دودھ نہیں دیتا، اس کے نفع کے دیتا ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، بعض کہتے ہیں کہ نہیں، یہ بیوپار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، بحکم ربوا ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۲۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: أن آخر ما نزلت آية الربوا، وأن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة" رواه ابن ماجة، والدارمي". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قديمي)

"وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ...... فدعوا الربا والريبة ...... (مشكاة المصابيح)

قوله: (فدعوا) أي: أيها الناس (الربا والريبة) أي: شبهة الربا أو الشك في شيء مما اشتملت عليه هذه الآيات أو الأحاديث، فإن الشك في شيء من ذلك ربما يؤدي إلى الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الربا: ۶/۵۷، ۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، رقم الحاشية: ۳: ۲۴۶/۱، قديمي)

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

سود کا روپیہ آگیا، اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۲۲]: ۱... سود کا پیسہ گھر کے پاخانہ یا عام پاخانہ یا مسجد کے پاخانہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

۲... سود کا پیسہ غریب کافر کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۳... سود کا پیسہ غریب کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دے تو صحیح ہے کہ نہیں؟

۴... سود کے پیسے سے راستہ بنانے یا غریب کا گھر بنانے یا راستہ میں لائٹ لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

۵... غریب کافر یا غریب مسلمان کو سود کے پیسے سے کپڑا لے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۶... سود کا پیسہ کرکٹ یا فٹ بال اور کسی کھیل میں دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۷... سود کا پیسہ اسکول کے باغ کے واسطے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۸... سود کے پیسے سے کنواں بنانے یا حمام بنانے یا چکی بنانے کے لئے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱... سود لینا دینا سب حرام ہے(۱)، اول تو جس سے لیا ہے اسی کو واپس کردیا جائے، اگر کسی طرح چونکہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرة: ۲۷۸)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم، كما حرم علينا". (مدارك التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۲۰۲، آل عمران: ۱۳۰، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: آكل الربوا وموكله

وغیرہ سے سودی پیسہ آگیا ہے تو اس کو بغیر نیت ثواب غریبوں کو دے دے، مسجد یا پاکخانہ وغیرہ میں نہ لگائے (۱)۔

۲..... مسلم غریب کو دے دے (۲)۔

۳..... بغیر نیت ثواب دے (۳)۔

۴..... غریب کو دے دے، پھر وہ چاہے اس کو مکان بنانے میں خرچ کرے یا لائٹ وغیرہ لگانے میں یا راستہ بنانے میں۔

۵..... اس کو پیسہ ہی دے دے، وہ اپنی مرضی سے جو چاہے کپڑا وغیرہ خریدے اور مسلم غریب کو دے۔

۶..... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں خرچ نہ کرے۔

۷..... وہاں خرچ نہ کرے۔

۸..... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں نہ خرچ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۹۸ھ۔

= وکاتبہ وشاهدیه وقال: هم سواء". رواه مسلم". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا: ۱/۲۴۴، قدیمی)

(۱) "ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، فصل في البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

"قال علماءنا: إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام إن کانت من رباً فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳/۲۳۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر في الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ الکاملیة، کتاب الزکاة: ص ۱۵، مکتبة القدس)

(۲) راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً

(۳) "رجل دفع إلی الفقیر من المال الحرام شیئاً یرجو به الثواب یکفر". (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مطلب: في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعید)

"قال في الدر المختار: أن التصدق بالمال الحرام لم رجاء الثواب منه حرام وکفر". (العرف الشذي علی جامع الترمذي: ۱/۳، سعید)

(وکذا في معارف السنن، أبواب الطهارة، مسئلة فقد الطهورین: ۱/۳۳، سعید)

مجبوری کی حالت میں سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنا

سوال [۱۱۱۲۳] : ۱- احمد آباد، بڑودہ وغیرہ کے حالیہ فسادات میں شرپسندوں نے اس حد پر تباہی مچائی، جس جگہ مسلم اقلیت میں اکا دکا آباد تھے اور جس جگہ جتھہ (۱) کی صورت میں محلہ کی آبادی مسلم ہوں، وہاں شرپسند آتے ڈرتے ہیں یا آتے ہی نہیں، بہرحال اس نقصان کے پیش نظر یہ صورت قائم ہوتی ہے کہ وہ اکا دکا بسنے والے مسلمان مسلم جتھوں اور محلوں میں آکر آباد ہو جائیں، یہاں پر ایک صاحب کے پاس بہت بڑی زمین ہے، جس پر تیس پینتیس مکانات تعمیر ہو کر اتنے ہی خاندان آباد ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک اجتماعی جتھہ تیار ہو سکتا ہے۔

مگر آج کل شہروں میں ۱۵، ۲۰، ۲۵ روپے فٹ زمین ملتی ہے اور مسلم لوگ اتنی قیمت پر خریدنے سے معذور ہیں کہ مذکورہ بالا قیمت سے آٹھ دس ہزار روپیہ خرچ کر کے مکان تعمیر کر سکیں، اس کی ایک شکل عام طور پر لوگ اختیار کرتے ہیں، وہ یہ کہ رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے حکومت قرض (لون) سودی قرض کی شکل میں دیتی ہے، جس کو تعمیر مکان کے بعد کئی سالوں میں بالاقساط ادا کرنا ہوتا ہے، یعنی اگر چار چار ہزار جمع کریں تو حکومت چھ ہزار اپنے پاس سے قرض دے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات ہاؤسنگ کمیٹی قائم کر کے اس کو باقاعدہ رجسٹر کرا کے رہائش کے سلسلہ میں حکومت سے سود پر قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟ حکومت سے قرض لئے بغیر مذکورہ بالا زمین پر یہ لوگ آباد نہیں ہو سکتے، اس کے لئے واحد صورت یہی ہے تو کیا ایسی شکل میں یہ قرض لیا جا سکتا ہے اور شرعاً گنجائش ہے کہ نہیں؟ ہاؤسنگ کمیٹی قائم کر کے مکان آٹھ دس ہزار میں تعمیر ہو جاتا ہے، ورنہ چالیس پچاس ہزار سے کم میں اس دور میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲- "الضرورات تبیح المحظورات" کے پیش نظر اضطرار اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر سودی قرض لینے کی تو بالاتفاق گنجائش ہے، مگر اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اضطرار اور ضرورت شدیدہ کے لئے کیا معیار ہوگا؟

---

(۱) "جتھہ: گروہ، جماعت، ٹولی، جمعیت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۳، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲ ...... سودی قرض سودی معاملہ کا حرام ہونا منصوص ہے (۱)، مضطر کے لئے حرام شی کی حرمت مرتفع ہوجاتی ہے، جان بچانے کے لئے حرام شی کا کھانا ضروری ہوجاتا ہے، جب کہ اس کے سوا چارہ کار نہ رہے، مگر اتنی ہی مقدار کی اجازت ہوتی ہے، جس کے ذریعہ جان بچ سکے، اس سے زیادہ کی نہیں (۲)۔

تجربہ اور مشاہدہ سے جب یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ ایسے مسلمانوں کے تحفظ کی بظاہر اسباب یہی صورت ہے کہ ان کے لئے مکانات ایسی محفوظ جگہ بنادیئے جائیں اور مکانات کی شکل بصورت مذکورہ کے علاوہ کوئی نہیں، تو بدرجہ مجبوری معذوری ہے (۳)، لیکن ایسا کرنے سے بات درجہ معذوری تک نہیں رہتی، بلکہ بڑھتی اور پھیلتی ہے اور پھر بغیر مجبوری کے بھی ایسے معاملات کرلئے جاتے ہیں اور ذہنوں میں بس ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ مسلمان پسماندہ رہ جائے گا اور دوسروں کی نظر میں حقیر رہ جائے گا اور اس سے ذہن فارغ ہوجاتے ہیں کہ وہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرة: ۲۷۹)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم، كما حرم علينا". (مدارك التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۳۰۲، آل عمران: ۱۳۰، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء" رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، ص: ۲۴۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۶/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قديمي)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

زمرۂ مقبولین میں پہنچا ہوا ہوگا اور اللہ ورسول کی نظروں میں حقیر رہے گا، عزت وذلت کا معیار ان کے نزدیک نظر غبار ہے، اس لئے نظر حبیب پروردگار اور ﴿أیبتغون عندھم العزۃ فإن العزۃ للہ جمیعا﴾ الآیۃ (۱) کو فراموش کردیتے ہیں اور سورۂ منافقون کا واقعہ ﴿لئن رجعنا إلی المدینۃ لیخرجن الأعز منھا الأذل وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾ الآیۃ (۲) کی طرف نگاہ التفات نہیں ہوتی۔

پھر معاملہ مذکورہ کی حرمت وقباحت ہر زمانہ میں اس سے ختم ہوجاتی ہے، حرام چیز کی قباحت کا قلوب سے نکل جانا بہت بڑا نقصان ہے کہ جس کی مکافات دشوار ہے۔

﴿کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون﴾ الآیۃ (۳)۔

---

(۱) (النساء: ۱۳۹)

"﴿أیبتغون﴾ أي المنافقون ﴿عندھم﴾ أي القوۃ والمنعۃ وأصلھا الشدۃ ﴿فإن العزۃ للہ جمیعا﴾ أي أنھا مختصۃ بہ تعالی یعطیھا من یشاء، وقد کتبھا سبحانہ لأولیائہ فقال عز شأنہ: ﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾". (روح المعاني، النساء: ۱۳۹: ۵/۲۷۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر (النساء: ۱۳۹: ۲/۵۳۴-۵۳۵، دار السلام ریاض)

(۲) (المنافقون: ۸)

"﴿أیبتغون﴾ أي المنافقون ﴿عندھم﴾ أي القوۃ والمنعۃ وأصلھا الشدۃ ﴿فإن العزۃ للہ جمیعا﴾ أي أنھا مختصۃ بہ تعالی یعطیھا من یشاء، وقد کتبھا سبحانہ لأولیائہ فقال عز شأنہ: ﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾". (روح المعاني، النساء: ۱۳۹: ۵/۲۷۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر (النساء: ۱۳۹: ۲/۵۳۴-۵۳۵، دار السلام ریاض)

(۳) (المطففین: ۱۴)

"وقولہ عز وجل: ﴿بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون﴾ بیان لما أدی بھم إلی التفوہ بتلک المقالۃ الباطلۃ، أي: لیس في آیاتنا ما یصحح أن یقال في شأنھا مثل تلک المقالۃ الباطلۃ، بل رکب قلوبھم وغلب علیھا ما استمروا علی اکتسابہ من الکفر والمعاصي حتی صار کالصدإ في المرآۃ فحال ذلک بینھم وبین معرفۃ الحق، فلذلک قالوا ما قالوا". (روح المعاني، المطففین: ۱۴: ۳۰/۷۳، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۸۵، المطففین: ۱۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

زندگی کا بیمہ

سوال[۱۱۱۲۴]: زندگی کے بیمہ کے سلسلہ میں ۱۱/ دسمبر اور ۱۴/ دسمبر ۶۵ء کو "قومی آواز" میں یہ نکلا تھا کہ ملک بھر کے مولانا مولوی صاحبان کے غور وفکر کے بعد یہ مان لیا کہ زندگی کا بیمہ جائز ہے اور مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، کیا اس سلسلہ میں آپ اپنی رائے دے سکتے ہیں؟ جس سے کہ میں دوسروں کو کچھ بتا سکوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر "قومی آواز" میں ایسا شائع ہوا ہے، تو وہ غلط ہے، آپ لکھنؤ مدرسہ ندوۃ العلماء سے وہ تجویز منگا کر دیکھیں، جس میں ان علماء کے نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کو بالکل ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اور ان کے بھی نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اجازت کے لئے جو شرطیں لکھی ہیں ان کو بھی دیکھیں تو اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی، تجویز چھپی ہوئی ہے، بلا قیمت مل جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۳/۸۶ھ۔

بیمہ کے ذریعہ ملنے والی رقم کی وصیت

سوال[۱۱۱۲۵]: فروری کے "الفرقان" لکھنؤ میں خصوصی حالات اور شرائط کے ساتھ بیمہ زندگی کے اباحت کی تائید کی، براہِ کرم تحریر فرمایئے کہ مروجہ ذیل شرائط کے تحت زندگی کا بیمہ کروانا چاہیے یا نہیں؟ میری تنخواہ کافی ہے، مگر کچھ نہیں بچتا، میری ملازمت اس پر ہے کہ پنشن نہیں ملے گی، بلکہ کچھ فنڈ ملے گا، میں چاہتا ہوں، کچھ رقم پس پشت رہے، تاکہ ملازمت کے خاتمہ پر وہ رقم میرے کام آئے، میں بیمہ کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا

جو بتا مثلاً سو روپے ماہیہ سے انتقال کے وقت پر بیمہ کو مقرر کردہ رقم جو اصل اقساط کو ادا کردہ رقم سے زائد ہوتی ہے اس لئے میں وصیت بھی اپنے پس ماندگان کو کرجاؤں گا کہ اقساط کی صورت میں جو رقم میری ہے وہ لیں اور زائد رقم خیرات کردے۔

میرا مقصود بیمہ سے نفع حاصل کرنا نہیں، بلکہ صرف کچھ رقم پس انداز کرنا ہے، جو میں خود اپنے ہاتھوں نہیں کرسکتا، تو میں بیمہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگرچہ آپ کا مقصود سود حاصل کرنا اور اس سے نفع اٹھانا نہیں ہے بلکہ اپنے بعد کچھ پس انداز کرنا ہے اور بشکل سود حاصل ہونے والی رقم کے صرف کرنے کی وصیت کا ارادہ ہے لیکن آپ کی جمع کردہ رقم کو بھی سودی تجارت میں صرف کرے گی، یہ اس کی اعانت ہے، اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے(۱)، نیز وصیت کا پورا کرنا ورثہ کے اختیار میں ہے اور وہ ایک ثلث ترکہ میں وصیت کے نافذ کرنے کے شرعاً مدار ہیں، اس سے زیادہ نہیں(۲) اور جب رقم ملے گی اس میں سودی رقم کی مقدار ایک ثلث سے کم ہوگی یا زیادہ، اس کا حال معلوم نہیں ہے، اس لئے یہ اطمینان نہیں کیا جاسکتا، سودی رقم پوری کی پوری صدقہ کردی جائے گی، غرض بیمہ میں سود حاصل کرنے یا سودی تجارت کرنے یا سود سے فائدہ اٹھانے اور قمار سے

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"قال ابن کثیر تحت هذه الآیة: یأمر تعالیٰ عباده المؤمنین بالمعاونة علی فعل الخیرات وهو البر، وترک المنکرات وهو التقوی، وینهاهم عن التناصر علی الباطل والتعاون علی المآثم والمحارم" (تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۰، دار السلام ریاض)

(وکذا فی التفسیرات الأحمدیة، ص: ۳۳۴، حقانیه پشاور)

(۲) "وتنفذ وصایاه من ثلث ماله، وفی الفرائض للخصامی: ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما یبقی بعد الکفن والدین؛ لأن یجیز الورثة أکثر من الثلث". (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۶، رشیدیه)

"(ثم) تقدم (وصیته) ... (من ثلث ما بقی)" (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، ۷۶۱، سعید)

"ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما یبقی بعد الکفن والدین؛ إلا أن تجیز الورثة أکثر من الثلث". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفیما یتعلق بالترکة: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

گنجائش نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، لہٰذا بیمہ بھی ممنوع ہے۔

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحا إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص" (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

"الربا: هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة"

(رد المحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۶۸، سعيد)

بیمہ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (جوا) ہے، سود تو ظاہر ہے اور جوا اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی رک گئیں تو جمع شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"انشورنس کا بیمہ اس حیثیت سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے، وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی ... الحاصل بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا﴾

وقال الله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾

وفي الحديث: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه" رواه البخاري"

(کفایت المفتی، کتاب الربا، دوسرا باب: ۸/۸۰، دار الاشاعت کراچی)